ابوالحسان قادری

مکتبہ معین الاسلام
کارخانہ بازار لائلپور

ایک نہایت بردتاریخی غلط فہمی کی تحقیق ——— ملک و ملت کے سچے وفادار خادم اور

تحریک آزادی کے ہیرو

مشائخ و علمائے اہل سنت و جماعت ہیں، یا وہابی مولوی۔ ؟

اس کے ضمن میں ناقابل تردید حقائق کی روشنی میں ابن عبدالوہاب نجدی سے لیکر زمانہ حال تک

مکمل تاریخ وہابیہ

بڑی کد و کاوش کے ساتھ مرتب کی گئی ہے۔

واضح رہے کہ یہ رسالہ وہابیوں کے اصلی و حقیقی کردار پر مشتمل اور مسلمانان ہندو پاک کی جدوجہد آزادی کی تاریخ سے متعلق ہے۔ اس لئے اس پر اسی نقطۂ نظر سے غور کرنا چاہیئے اور کسی تنگ نظری و تعصب کے باعث اسے فرقہ وارانہ نقطۂ نظر سے نہیں دیکھنا چاہیئے کہ یہ موضوع محض تاریخی ہے۔ تاریخی واقعات کو بدلا یا جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ اور کوئی بھی قوم اپنے حقیقی دوست و دشمن کی تمیز مٹا کر یا اپنی تاریخ کو بھلا کر صحیح معنوں میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ قیام پاکستان کے بعد اگر نظریۂ پاکستان کے مخالفین پاکستان سے وفاداری کا دعویٰ کریں اور بہ ظاہر اُن کی وطن دشمنی کا کوئی ثبوت بھی نہ ملے۔ تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اپنے اس دعوائے وفاداری میں جھوٹے اور باغی ہیں تاہم اتنا ہم ضرور کہیں گے۔ کہ ایسے لوگوں کو قوم کے ہیرو اور تحریک آزادی کے راہنما قرار دینا جھوٹ اور سراسر ظلم ہے اور چونکہ پاکستان بہر حال اُن کی مرضی کے خلاف معرضِ وجود میں آیا ہے اور انہیں مجبوراً قبول کرنا پڑا ہے۔ اس لئے اِن لوگوں سے ہمیشہ ہشیار اور محتاط رہنے کی ضرورت ہے ؛

مصنفہ

ابو الحسان حکیم محمد رمضان علی قادری

طابع و ناشر

مکتبہ معین الاسلام ——— کارخانہ بازار ——— لائل پور ——— پاکستان

معنون!

اُن مجاہدینِ آزادی کے نام

جنہیں

ابن الوقتوں کے غلط پروپیگنڈہ کی بدولت

قومی تاریخ میں

صحیح مقام حاصل نہ ہو سکا

نام کتاب ———— تاریخ وہابیہ
مُرتّب ———— ابوالحسّان محمد رمضان علی قادری
ناشر ———— رشید احمد نوری
صفحات ———— دوسو چھپن (۲۵۶)
تعداد ———— ایک ہزار
طبع ———— اوّل
تاریخ طباعت ———— جنوری ۱۹۷۶ء
مطبع ———— اشرفی آفسیٹ پرنٹنگ پریس۔ لائل پور
کتابت ———— قمر الدین لائلپوری
قیمت ———— ۱۵ روپے

تقریظ

(از حضرت معین الملّت، مولانا علّامہ محمد معین الدین صاحب صافا قادری دامت برکاتہم العالیہ)

جنگ آزادی اور تحریک آزادی کے موضوع پر آج تک جتنے تذکرے لکھے گئے ہیں وہ ایک گروہ نے مخصوص پروگرام کے تحت لکھے ہیں۔ ان تذکرہ نگاروں نے جس انداز میں تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے وہ تاریخ پر عظیم ظلم ہے۔ ان تذکرہ نگاروں نے انگریزوں کی حمایت میں فتوے دینے والوں اور تحریک آزادی کی مخالفت کرنے والوں کو جنگِ آزادی کے ہیرو اور مجاہد بنا کر پیش کیا ہے۔ ستم یہ ہے کہ آج یہی تذکرے جنہیں جھوٹ کا پلندہ کہنا زیادہ مناسب ہے۔ ہماری یونیورسٹیوں اور سیکنڈری سکولوں کے نصابوں میں بھی شامل ہیں۔ ان کتابوں کے ذریعے بچوں کے ذہنوں میں یہ بات پختہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کہ جنگِ آزادی اور تحریکِ آزادی میں صرف ایک مخصوص گروہ نے حصّہ لیا ہے۔ ان تذکروں میں ان علماء کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ملے گا۔ جنہوں نے فی الواقعہ تحریک آزادی میں حصّہ لیا۔ انگریزوں کے خلاف جہاد کے فتوے صادر فرمائے اور بذاتِ خود جہاد میں حصّہ لیا۔ اور اس جرم کی پاداش میں پھانسیوں پر چڑھائے گئے۔ عبور دریائے شور کی سزا پائی اور قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں۔

ضرورت اس امر کی تھی۔ کہ کوئی مؤرخ، کوئی تذکرہ نگار اور کوئی قلمکار تو ایسا ہو۔ جو ان تذکروں کا غیر جانبدارانہ جائزہ لے کر تاریخ پر ہونے والے اس ظلم کا ازالہ کرے۔ اور تاریخ کو مسخ ہونے سے بچائے۔

الحمد للہ کہ ہمارے جوان ہمّت فاضل قلمکار مولانا حکیم ابوالحسّان محمد رمضان علی صاحب نے وقت کی اس اہم ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ مولانا موصوف نے سندھ کے ایک دور افتادہ علاقہ سنجھورو میں بیٹھ کر ایک ایسا عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ جس پر پوری ملّت اسلامیہ ان کی شکر گذار رہے گی۔ مولانا نے "تاریخ وہابیہ" لکھ کر جانبدار اور متعصّب نام نہاد مورّخین کے پردہ فریب کو چاک کر دیا ہے۔ آپ نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے تاریخی حوالوں سے

تاریخ کو مسخ ہونے سے بچا لیا ہے۔ تعصّب سے پاک اور ذی شعور ہر انسان کو اس کتاب کے مطالعہ کے بعد یہ فیصلہ کرنے میں قطعاً کوئی تامّل نہیں ہوگا۔ کہ آج تک جتنے تذکرے لکھے گئے ہیں۔ وہ محض جانبداری اور اندھی عقیدت کا کرشمہ ہیں۔ اور ایک خاص گروہ کی پیداوار ہیں۔

یہ کتاب مستند تاریخی حوالوں سے مستند ہے۔ اور کمال یہ ہے کہ انہیں نام نہاد مجاہدینِ آزادی کے تذکروں کے حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے۔ کہ یہ نام نہاد مجاہدین انگریزوں کے وظیفے خوار اور اُن کے وفادار تھے۔

پیشِ نظر کتاب میں مستند تاریخی حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے۔ کہ جنگ آزادی اور تحریک آزادی میں حصّہ لینے والے وہ لوگ نہیں تھے۔ جن کا ذکر ان تذکروں میں ملتا ہے۔ بلکہ وہ علماء اہل سُنّت وجماعت تھے۔ جنہوں نے فی الواقعہ انگریزوں کے خلاف فتوئی جہاد دیا۔ ان کے خلاف جہاد میں عملی حصّہ لیا۔ اور خصوصًا تحریک پاکستان میں پُرجوش حصّہ لیا۔

اس کتاب میں ۱۸۵۷ء سے لے کر تشکیل پاکستان تک کے اُن علماءِ کرام کا تفصیل کے ساتھ تاریخی تجزیات کے ساتھ ذکر ملے گا۔ جنہوں نے جنگ آزادی اور تحریک پاکستان میں حصّہ لیا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ مولانا محمّد رمضان علی صاحب نے یہ کتاب لکھ کر ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اور ایک عظیم تاریخی المیہ کا ازالہ کیا ہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزا۔

الفقیر ابُوالمعالی محمّد معین الدین القادری الرضوی غفرلہٗ

خادم اہل سُنّت خادم جامعہ قادریہ رضویہ

مصطفےٰ آباد۔ لائل پور

۴ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ

مطابق ۲۱ ستمبر ۱۹۷۴ء

بروز شنبہ

مقدّمہ

از مجاہد اہلسنّت فاضل نوجوان ابوالبیان حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب سکندری فاضل جامعہ راشدیہ

خارجی مذہب کا محبوب مشغلہ یعنی مسلمانوں کو بدعتی، مشرک اور کافر وغیرہ کہنا اسلام کے ابتدائی دَور سے خارجیوں کا شیوہ رہا ہے۔ خصوصًا سیّدنا امیرالمومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نام نہاد مسلمان عبداللہ بن سبا (سابق یہودی) نے اس ناپاک کاروبار کو شروع کیا۔ حقیقت میں اس بدسرشت گروہ کی ابتدا اگر دیکھی جائے۔ تو زمانۂ اقدس حضرت محمّد عربی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ہے۔ جیسا کہ احادیث مبارکہ میں ذوالخویصرہ خبیث کا واقعہ مشہور ہے۔ چونکہ اس ناپاک مذہب کی باقاعدہ تشکیل حضرت امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے زمانہ میں ہوئی اور ان خارجیوں نے مقامُ حروراُ کو دارالتوحید اور اس گروہ سے وابستہ اشخاص کو خصوصی نام "اہل توحید" سے موسوم کرکے حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ پر مشرک ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا۔ حتیٰ کہ یہ فتنہ رنگ لایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان خارجیوں کی شرارت سے "ابن ملجم" کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ اس کے بعد خارجی گروہ اپنی شرارتوں میں دلیر ہوتا گیا اور اپنے ساتھ اپنے متبعین کی خاصی جماعت جمع کر لی۔ جس میں ایسے شخص بھی موجود تھے جو بڑے علم وفضل اور توحید کے ٹھیکیدار کہلانے اور اہل حق ہونے کے مدّعی تھے۔ اور وہ اپنے مسلک کو اس قدر صحیح تصوّر کرتے تھے کہ اہل حق اور محبوبان بارگاہ رسالت پناہ صلّی اللہ علیہ وسلم کو بدعتی و مشرک کہتے وقت آیات قرآن سے غلط استدلال کرتے اور "اِنِ الحُکمُ اِلّا لِلّٰہ" کا نعرہ لگاتے اسی بناء پر سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ ان خوارج کو اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں بُرا جانتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے انّھم انطلقوا الیٰ آیات نزلت فی الکفّار فجعلوھا علی المؤمنین (بخاری ج ۲ ص ۱۰۲۴) یعنی یہ لوگ ان آیات قرآن کو جو کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ مسلمان مومنین پر چسپاں کرتے ہیں۔

ملت اسلامیہ کی اساس (بنیاد) توحید و رسالت کے عقیدہ پر ہے اور یہ بات
بھی اظہر من الشمس ہے۔ کہ ایمان و اسلام کے بنیادی جزو دو ہیں (۱) عقائد (۲) اعمال۔
عقائد کا تعلق دل سے ہے۔ اور اعمال کا صدور جوارح یعنی اعضاء سے ہوتا ہے۔ لیکن جو
درجہ عقائد کو حاصل ہے وہ اعمال کو نہیں "عقائد" اصول اور "اعمال" فروع کا درجہ رکھتے ہیں۔
اسی لئے بغیر درستی عقیدہ کے کوئی بھی عمل مقبول نہیں ہوتا۔ خوارج کو دائرۂ اسلام سے اس
لئے خارج سمجھنا ضروری ہے۔ کہ ان کے عقائد مسلمانوں کے عقائد سے (جن کی تعبیر اجماع نے
قرآن وحدیث کی روشنی میں کی ہے) مختلف ہیں۔ اختلاف بھی اتنا کہ وہ اپنے سوا کسی بھی دوسرے
کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ حتیٰ کہ وہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے خلیفۃ الرسول کو بھی (نعوذ باللہ)
مشرک کہنے سے باز نہ آئے۔ یہ فتنہ روز افزوں بلاد اسلامیہ میں پھیلتا ہوا ہر جگہ پہنچا۔ مسلمانوں کے
عقائد کو بگاڑنے کے ساتھ ساتھ ان خوارج نے سیاست میں بھی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے
میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ہر محاذ پر انتشار و افتراق برپا کرنے کی کوشش میں مصروف رہے۔
امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کو یہ کام دل کھول کر سرانجام
دینے کا موقعہ میسّر ہو گیا۔ جنگ جمل اور جنگ صفین بھی انہی کی شرارتوں کا نتیجہ تھا۔ تاریخ اسلام
سے واقف حضرات اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی باہمی اجتہادی مخالفت کو خوارج نے اس طریقہ سے اچھالا کہ
سرفروشانِ اسلام کے دونوں پاکباز گروہ چار و ناچار آپس میں ٹکرا گئے۔ اور ملت اسلامیہ کو
ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ اسلام کی رو سے مسلمانوں کی سیاست کی بنیاد عدل و انصاف پر
ہے۔ مگر خوارج نے اپنی سیاست کی بنیاد ظلم و عدوان پر استوار کی اور چونکہ یہ لوگ اپنے گروہ
کے سوا دوسروں کو مسلمان نہیں سمجھتے تھے اس لئے وہ مسلمانوں کی اخوت باہمی، ترقی و خوشحالی
اور مملکتِ اسلامیہ کے استحکام کو بہرصورت نقصان پہنچانا اور منافقانہ سرگرمیوں اور مذموم
سازشوں کے ذریعہ اسلامی ریاست وحکومت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کو فرض جانتے تھے تاکہ کسی نہ
کسی طرح وہ خود برسرِ اقتدار آ کر اپنے مذموم مقاصد حاصل کر سکیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ جہاں کہیں
اور جب کبھی خوارج کو کچھ اقتدار و اختیار حاصل ہوا۔ انہوں نے مسلمانوں پر بے پناہ مظالم

ڈھانے اور فرزندان توحید کی جان و مال۔ عزت و آبرو پر جارحانہ حملے کرنے میں کچھ دریغ نہ کیا۔
خوارج کے افکار اور کردار کا اگر بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا
ہے کہ ان کے افکار و کردار میں آوارگی۔ خود سری۔ سرکشی اور مفاد پرستی و منافقت کوٹ کوٹ
کر بھری ہے۔ اور کلمہ توحید پڑھ لینے اور خود کو مسلمان کہلانے کے باوجود حقیقی مسلمانوں کے اوصاف
سے عاری ہیں۔ قرآن وحدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا وجود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کے مبارک زمانہ میں بھی موجود تھا۔ یہ لوگ بظاہر کلمہ پڑھتے تھے مسلمانوں کے ساتھ باجماعت
نمازیں بھی پڑھتے۔ روزے رکھتے۔ حج کرتے اور کفار کے خلاف لڑائیوں میں بھی شامل ہوتے تھے مگر
ان تمام باتوں کے باوجود ان کے دل اسلام پر مطمئن نہیں تھے۔ تعلیمات اسلام پر محض اس لیے
عمل کرتے کہ لوگ انہیں مسلمان سمجھیں۔ اور انہیں اہل اسلام کے حقوق حاصل ہوں لیکن در پردہ اسلام
اور اہل اسلام کی تخریب کے در پے رہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ان کی حقیقت سے کوئی بھی باخبر نہیں۔
ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مجھ پر تمام چیزیں پیش کی گئی ہیں۔
اور میں ہر مومن و کافر کو جانتا ہوں۔ منافقین یہ سرگوشیاں کرنے لگے کہ نَحْنُ مَعَهٗ وَمَا يَعْرِفُنَا۔
ہم تو رسول اللہ کے پاس ہی رہتے ہیں اور وہ ہمیں نہیں پہچانتے۔ اگر وہ ہماری دلی حالت کو
جانتے اور ہمارے نفاق کو پہچانتے تو ہمیں اپنی مجلس میں کیوں آنے دیتے؟ اس پر حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع [illegible]اکر فرمایا۔ مَا بَالُ اَقْوَامٍ طَعَنُوا فِي عِلْمِي فَاسْئَلُونِي۔ الحدیث۔
ان لوگوں کا کیا حال ہے۔ جو میرے علم کے بارے میں طعنہ زنی کرتے ہیں۔ تو آؤ جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لو۔
یہ بھی مروی ہے کہ ایک مجلس میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کے نام لے کر
فرمایا کہ تو منافق ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ آپ نے تو آئندہ زمانوں میں پیدا ہونے والے خارجیوں
کے متعلق بھی ارشادات فرما دیئے۔ ان کی علامات بیان فرمائیں۔ اور مسلمانوں کو ہدایت فرمائی
کہ اِيَّاكُمْ وَاِيَّاهُمْ۔ تم انہیں اپنے قریب نہ آنے دینا اور خود بھی ان سے دور رہنا یعنی
ان سے کنارہ کش رہنا، بچتے رہنا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں کتب حدیث میں بکثرت روایات موجود ہیں۔
الغرض رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ان لوگوں کا وجود تھا اور اس کے
بعد بھی ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں۔ مگر اس طور پر کہ انہیں جب موقعہ ملا ظاہر ہو گئے اور موقعہ نہ

ملا تو زیر زمین چلے گئے۔ یا حسب ضرورت مختلف رُوپ بدل لیے اور رُوپ بہروپ بدل بدل کر اسلام اور اہل اسلام پر ضربیں لگاتے رہے ہیں۔ لیکن تفصیل میں اس لیے نہیں جا رہا کہ پیش نظر کتاب تاریخ وہابیہ میں تمام ضروری تفصیلات ناظرین خود دیکھ سکتے ہیں۔

مختلف زمانوں میں ظاہر ہونے والے خارجیوں کے افکار و کردار میں اقدار مشترک کی حیثیت سے یکسانیت بدرجۂ اتم موجود ہے۔ ابو الخوارج یا ابو الوہابیہ حرقوص بن زہیر نے اگر تقسیم اموال غنیمت کے موقعہ پر "یا رسول، اللہ اعدل" کہہ کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں تنقیص و توہین کا مظاہرہ کیا تھا تو اس کی لڑی سے بعد میں آنے والے خوارج اور وہابیہ نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ اقدس میں تنقیص و توہین میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اور اگر منافقین نے نحن معہٗ و ما یعر فنا کہہ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کا انکار کیا تھا تو انہی کے بعد میں آنے والوں نے بھی آپ کے علم خداداد میں طرح طرح سے انکار کے پہلو نکالے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم کے زمانہ میں مسلمانوں میں ملے جلے رہ کر اولین خوارج اسلام اور اہل اسلام کی تخریب کے درپے رہے تو اس کے بعد سے آج تک متاخرین خوارج مختلف صورتوں میں مسلمانوں کے راہنما اور لیڈر بن کر در پردہ مسلمانوں کے مفاد کو نقصان پہنچاتے اور اہل اسلام کے دشمن رہے ہیں۔ ۷۰۵ھ میں انہی میں سے ایک شخص حافظ ابن تیمیہ (جسے وہابیہ کے سارے گروہ اپنا امام تسلیم کرتے ہیں) نے اس فتنہ کو بڑا فروغ دیا۔ یہ امام الوہابیہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کو صنم اکبر (بڑا بُت) کہتا اور آپ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر روزانہ صبح و شام صلوٰۃ و سلام پیش کرنے والے ستر ہزار ملائکہ کے متعلق اس نے اعلان کیا کہ یہ سب ملائکہ معصیت میں مبتلا ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذالک) حالانکہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ستر ہزار ملائکہ صبح و شام میرے روضہ پر حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں، اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ لا یعصون اللہ ما امرھم و یفعلون ما یؤمرون۔ —— ملائکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے جس امر کا انہیں حکم ہوتا ہے وہی کچھ کرتے ہیں۔ مگر اس دریدہ دہن نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق

صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات کو رد کرتے ہوئے معصوم فرشتوں کو بھی تعظیم رسول کے جرم میں گنہگار ٹھہرا دیا۔ ملحد ابن تیمیہ نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی شانِ رفیع میں دریدہ دہنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ "چونکہ وہ ایام طفولیت میں مسلمان ہوئے تھے لہٰذا ان کا ایمان مقبول نہیں"۔ اس زمانہ کے علمائے حق نے ابن تیمیہ کو اس کے عقائد باطلہ پر للکارا اور مناظروں میں اسے لاجواب کر کے جھوٹا ثابت کر دیا۔ حکومت اسلامیہ نے اسے ملت میں فتنہ و فساد پھیلانے کے جرم میں قید کر دیا۔ تو اس نے تائب ہو کر رہائی حاصل کی۔ لیکن قید سے رہا ہونے کے بعد اپنی مذموم حرکتوں سے باز نہ رہا تو علمائے حق نے اس پر کفر کا فتویٰ صادر کیا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ جو کوئی ابن تیمیہ کو ملحد نہ سمجھے وہ خود ملحد ہے۔ (فتاویٰ حدیثیہ)

علامہ ابن حجر مکی محدث فتاویٰ حدیثیہ میں فرماتے ہیں۔ "اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ" اللہ تعالیٰ نے ابن تیمیہ کو علم پر فخر کرنے کی وجہ سے گمراہ کر دیا۔ اس کے بعد بارہویں صدی ہجری میں بابائے وہابیت ابن عبد الوہاب نجدی کا فتنۂ عظیم ظہور پذیر ہوا۔ اور اس شخص نے ابن تیمیہ کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اس کا نام محمد اور اس کے والد کا نام عبد الوہاب ہے۔ تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ تحریک وہابیہ بانیٔ تحریک کے نام سے موسوم ہونے کے بجائے اس کے والد کے نام سے مشہور ہوئی۔ حالانکہ اس کے والد عبد الوہاب صحیح العقیدہ سُنّی اور تحریک وہابیت کے کٹر مخالف تھے۔ اور اپنی وفات تک مخالف رہے۔ ابن عبد الوہاب نجدی نے خانہ ساز اصولِ وہابیت کے تحت تمام دُنیا کے مسلمانوں کو کافر قرار دیا اور مسلمانوں کے خلاف جہاد بالسیف کا اعلان کر کے ملتِ اسلامیہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ اور مسلمانوں میں نفاق و عداوتِ باہمی اور افتراق و انتشار کی وہ خطرناک صورت حال برپا کر دی جس کے اثرات بدستور قائم ہیں۔ ابن عبد الوہاب کے بعد تحریک وہابیت کو سید احمد رائے بریلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی کے ذریعہ برصغیر ہند و پاک میں فروغ حاصل ہوا۔ انہوں نے شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کی قائم کی ہوئی تحریک اقامت دین کی عنان قیادت سنبھال کر حکمران انگریز کی اجازت و تائید سے افغان سرحدی علاقہ

میں جہاد کے نام پر قدم جمانے کا منصوبہ بنایا۔ تاکہ پنجاب پر مسلط رنجیت سنگھ کی حکومت سے لڑ بھڑ کر کچھ علاقہ چھین لیں اور ریاست وہابیہ قائم کر سکیں۔ چونکہ یہ چیز حکمران انگریز کے مفاد میں تھی کہ اس طرح بہادر افغانوں کی مزاحمت سے بچنے اور سکھوں کی قوت ٹوٹنے کی اُمید تھی اس لئے انگریزوں نے ان کی حوصلہ افزائی سے دریغ نہ کیا۔ مگر اس کے باوجود سید احمد رائے بریلوی اور اسماعیل دہلوی اپنے مقصد میں بُری طرح ناکام رہے ان کے نام نہاد جہاد اور اس کے انجام کی تفصیل کتاب میں پڑھ کر ناظرین پوری صورت حال سے واقف ہونگے۔ ان کے بعد انکے ہم مسلک وہابی مختلف گروہوں میں بٹ کر ایک طرف نجدی مذہب وہابیت کی ترویج اور دُوسری طرف حکمران انگریز کی زیادہ سے زیادہ خوشنودی حاصل کرنے کی جد وجہد میں مصروف ہو گئے۔ فرنگی حکمران ان وہابی مولویوں کی سرگرمیوں سے مطمئن اور نہایت خوش ہوئے۔ کہ اس طرح ان کے مفادات حکمرانی کو تقویت ملتی تھی۔ چنانچہ حکومت برطانیہ نے وہابی مولویوں پر انعامات کی بارش کر دی۔ ان کے وظیفے مقرر کئے۔ خوشنودی کے سرٹیفکیٹ عطا کئے اور انہیں بڑے بڑے خطابات سے نوازا۔ اور وہابی مولویوں نے بھی فرنگی اقتدار کے استحکام کے لئے کسی جائز و ناجائز کوشش سے دریغ نہ کیا۔ ابن عبدالوہاب نجدی کے اُصول کے تحت۔ بات بات پر مسلمانان اہلسنّت پر بدعت شرک اور کفر کے فتوے لگائے۔ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور اولیاء اللہ کی شان میں گستاخیاں کیں۔ مختلف نزاعی مسائل کھڑے کر کے مسلمانوں میں عظیم انتشار برپا کر دیا اور فرزندان توحید کو باہم گر دست بگریباں کر کے مسلمانوں کی قوت کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ وہابی مولوی گروہی و ذاتی مفادات کی خاطر قرآن وحدیث کی تعلیمات میں تحریف کرنے سے بھی باز نہ رہے۔ ان مفاد پرستوں نے انگریز کی وفاداری کو فرض قرار دیا اور جہاد کو منسوخ ٹھہرایا۔ حتیٰ کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں نہ صرف یہ کہ یہ وہابی اس کے مخالف رہے بلکہ انہوں نے جنگ آزادی کو غدر اور بغاوت ٹھہرا کر مجاہدین آزادی کو شورش پسند اور باغی کہا اور انگریز کی حمایت میں مجاہدین آزادی کے خلاف لڑائیاں بھی لڑیں اور انگریزوں کی حمایت میں لڑتے ہُوئے مرنے والوں کو

شہید کہنے سے بھی نہ شرمائے۔ اور پھر جب مسلم لیگ کے پرچم تلے بابائے قوم محمد علی جناح کی قیادت میں مسلمانوں نے متحد ہو کر پاکستان کا مطالبہ کیا۔ اور پوری قوم نے بابائے قوم کو قائد اعظم تسلیم کیا۔ تو اس وقت بھی وہابیوں نے مسلمانوں کا ساتھ نہ دیا۔ یہ وہابی مولوی ہندو کانگریس کی گود میں جا بیٹھے۔ دُشمنان اسلام کے نمکخوار بن کر قیام پاکستان کے خلاف تقریریں کرتے اور زہر اُگلتے پھرے۔ قائد اعظم کو کافر اعظم کہا۔ یہ لوگ مسلم دشمنی اور کفر نوازی کے جوش میں اس قدر اندھے ہو گئے۔ کہ ان میں حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت ہی نہ رہی۔ یہاں تک کہ ان میں سے جو دو چار مولوی قائد اعظم اور دیگر مسلم لیگی زعماء کے سمجھانے سے تحریک پاکستان میں شامل ہوئے۔ ان کے خلاف بھی انہوں نے طوفان بدتمیزی برپا کر کے قتل کی دھمکیاں دیں۔ اس کے برعکس علمائے حق۔ اہلسنّت وجماعت کا کردار بفضلہ تعالےٰ ازاول تا آخر مبنی برحق وصداقت پاک وصاف رہا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہی وہ پاکباز گروہ ہے جو ہمیشہ اعلاء کلمۃ الحق کے لئے سر بکف اور ہر دور میں اعداء دین کے مقابلہ میں سینہ سپر رہا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران اور تحریک پاکستان کے زمانہ میں علمائے اہلسنّت وجماعت (بریلویہ) کے شاندار کارنامے تاریخ پاکستان میں ایک سنہرے باب کا مقام رکھتے ہیں فقیر نے کتاب تاریخ وہابیہ کا پورے غور سے مطالعہ کیا ہے۔ اس کے مصنف علّامۃ الدہر وحید العصر حضرت مولانا حکیم محمّد رمضان علی صاحب قادری مدظلہ العالی پوری قوم کے شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے تاریخ کے اس اہم موضوع کی جانب توجّہ فرمائی اور بڑی کدّ وکاوش کے ساتھ قومی تاریخ کے اس گمشدہ باب کے منتشر اوراق کو تلاش ومرتّب فرما کر ان حقائق کو محقّقانہ انداز میں بے نقاب کر دیا ہے۔ جنہیں وہابیہ کے زوردار مسلسل پروپیگنڈے نے عوام وخواص کی نظروں سے اوجھل کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صدقے اس محنت کو بارآور فرمائے۔ اور فاضل مصنّف کو دارین میں سرخرو فرمائے۔ آمین

حررہٗ الفقیر عبدالرّحیم سکندری فاضل جامعہ راشدیہ
خطیب غوثیہ مسجد شاہ پور چاکر۔ ضلع سانگھڑ
مورخہ ۶ جمادی الاوّل ۱۳۹۳ھ بمطابق ۸ جون ۱۹۷۳ء

پیش لفظ

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

امّا بعد۔ برادران اسلام کی خدمت میں الفقیر الی الرحمان ابوالحسّان حکیم محمّد رمضان علی قادری قریشی غفرلہ الرحمان خطیب مرکزی جامع مسجد غوثیہ سنجھورو ضلع سانگھڑ سندھ (پاکستان) محض خیر خواہی ملک وملّت اور اظہار حقیقت کے لئے ایک زبردست تاریخی مغالطہ کی تحقیق پیش کرتا ہے۔ تاکہ ہر خاص وعام پر واضح ہو جائے کہ ملک وملّت کے سچّے وفادار خادم اور تحریک آزادی کے ہیرو علمائے اہل سنّت وجماعت ہیں یا وہابی مولوی!

اس امر کی تحقیق میں یہ رسالہ تالیف کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ موجودہ زمانہ کے وہابی صاحبان بدلے ہوئے حالات کے تحت تاریخ کو مسخ کرنے کی منظّم جدّوجہد میں مصروف ہیں۔ تقریر وتحریر کے ذریعہ یہ باور کرانے کی سر توڑ کوشش کی جا رہی ہے کہ ان کے پیشرو ہندو پاک پر انگریز کے غلبہ واقتدار کے مخالف، حکومت برطانیہ کے دشمن اور آزادیٔ ملک واستحکام ملّت اسلامیہ کے علمبردار تھے۔ تحریک آزادی کے بانی اور رہبر تھے۔ انہی کی کوششوں کے نتیجے میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا ہے۔

حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ وہابیوں کے پیشوا از اوّل تا آخر ہمیشہ ملّتِ اسلامیہ کے مخالف رہے ہیں: بحیثیت مجموعی مسلم قوم کو جس قدر نقصان ان کے ہاتھوں برداشت کرنا پڑا ہے۔ اتنا نقصان کسی اسلام دشمن غیر مسلم طاقت سے کم ہی پہنچا ہوگا۔ جماعتِ وہابیہ کی اصل خوارج سے ہے۔ جنہوں نے سب سے پہلے امّتِ محمّدیہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام میں انتشار وافتراق کا بیج بو کر مسلمانوں میں جنگ وجدال کی آگ بھڑکائی۔ انہی کی مذموم سازشوں کے نتیجہ میں حضرت امیر المومنین عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ انہی لوگوں نے حضرت امیر المومنین علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہٗ کو (نعوذ باللہ) کافر قرار دے کر واجب القتل ٹھہرایا۔ ان ہی لوگوں نے علی الاعلان مسلمانوں کے خلاف تلوار بلند کی

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور مسلمانانِ امت کے خلاف صف آرا ہو کر جنگ کی اور مجاہدین اسلام و شیرِ خدا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہزاروں کی تعداد میں مقتول ہو کر جہنم واصل ہوئے۔ اگرچہ حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے خداداد شجاعت و قوت سے انہیں درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا۔ تاہم ان کی زیرِ زمین سرگرمیاں جاری رہیں۔ اور بالآخر آپ نے بدبخت ابنِ ملجم خارجی کے ہاتھوں مسجد میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ اس کے بعد بھی مختلف ادوار میں مختلف صورتوں میں ان کی مذموم کاروائیاں جاری رہیں: تاآنکہ ابتداءِ تیرہویں صدی ہجری میں انہی میں سے ایک شقی ابن عبدالوہاب نجدی نے از سرِ نو منظم طور پر مسلمانوں کے خلاف تلوار کو بے نیام کیا۔ اس نے تمام مسلمانوں کو مشرک و کافر قرار دے کر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ قریہ بہ قریہ شہر بہ شہر اور علاقہ بہ علاقہ بے گناہ مسلمانوں پر وہابیوں کے جارحانہ حملے روز بہ روز شدید سے شدید تر ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ان کے روز افزوں مظالم اور مسلمانوں کے قتلِ عام کو روکنے کی خاطر عثمانی خلیفہ سلطان ترکی نے اپنی افواجِ قاہرہ کو ان کی سرکوبی پر مامور کیا۔ اور پے در پے شکستیں دے کر سنہ ۱۲۳۳ھ میں انہیں کچل کر رکھ دیا۔

اس کے چھ سال بعد سنہ ۱۲۳۹ھ میں ابوالوہابیہ ابن عبدالوہاب نجدی کے متبعین سید احمد بریلوی اور محمد اسمٰعیل دہلوی نے غیر منقسم ہندوستان میں وہابیت کے استحکام کی خاطر "تحریک اقامتِ دین" کے نام سے نام نہاد جہاد کا اعلان کیا۔ لیکن ان کا یہ جہاد غاصب انگریز کے خلاف نہ تھا بلکہ انہوں نے حکومتِ برطانیہ کو اپنی حکومت قرار دیا۔ انگریز کی نیاز مندی اور وفاداری کے پیہم اعلان کئے۔ درحقیقت ان کی تحریک کا مقصد اس ملک میں برطانوی حکومت کا استحکام اور برطانیہ کی مدد و حمایت سے سرحدی پٹھانوں اور پنجاب کے سکھوں سے لڑ بھڑ کر "ریاستِ وہابیہ" کا قیام تھا۔

اس مقصد کے پیشِ نظر انہوں نے مسلمانوں کو انگریز کی وفاداری کا درس دیا۔ مجاہدینِ آزادی کو "باغی" ٹھہرایا۔ انگریز کی حمایت میں لڑ کر مرنے والوں کو "شہید" قرار دیا۔ یہاں تک کہ وہابیوں

نے انگریز کے خلاف جہاد کو ناجائز اور حرام کہہ کر منسوخیِ جہاد کے فتوے صادر کئے اور رسالے شائع کر کے تقسیم کئے۔ اور اس کے صلہ میں انگریزوں سے خوشنودی کی چٹھیاں، خطابات، وظیفے اور جاگیریں حاصل کیں نیز نقد انعامات وصول کئے۔

انہوں نے حکومتِ برطانیہ کی منظوری و اجازت حاصل کر کے سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا اور جہادِ اسلامی کے نام پر سرحدی پٹھانوں کی حمایت و امداد حاصل کر کے سرحدی علاقہ میں اپنی امارت میں ریاست قائم کرنے کے بعد ایک طرف سکھوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کی تو دوسری طرف اپنے معاون و محسن سُنّی پٹھانوں کے خلاف عَلَمِ جہاد بلند کر دیا اور افغان مسلمانوں پر ناقابلِ بیان مظالم ڈھانے شروع کر دئے۔ یہاں تک کہ بمصداق "تنگ آمد بہ جنگ آمد" وہابیہ کی چیرہ دستیوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے غیور پٹھانوں نے ان میں سے اکثر کو تہہِ تیغ کر کے ان کی امارت و ریاست کا خاتمہ کر ڈالا۔ لیکن اس کے باوجود بقیۃ السیف وہابی اپنے مشن کی کامیابی کے لئے جد و جہد کرتے رہے: تاآنکہ حالات نے پلٹا کھایا اور بعض وجوہ کی بنا پر برطانوی حکام بھی ان سے ناراض ہو گئے۔ نیز حکومتِ برطانیہ نے جب دیکھا کہ جس مقصد کے لئے انہیں نواز کر چھوڑا گیا تھا وہ مقصد کافی حد تک پورا ہو چکا ہے تو انگریزوں نے آنکھیں پھیر لیں۔ انہوں نے ایک طرف سرحدی علاقہ میں لُٹیرے وہابیوں کے خلاف عسکری قوت بروئے کار لا کر انہیں کچلا اور دوسری طرف ہندوستان کے مختلف علاقوں سے انہیں امداد پہنچانے والے وہابیوں کو قانون کے شکنجہ میں جکڑ کر اس تحریک کا ڈراپ سین کر دیا۔

اس کے بعد برطانیہ نے اپنے وفادار سرکردہ وہابی مولویوں کو مزید انعامات و نوازشات کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ تر آلہ کار بنانے کی پالیسی پر عمل شروع کیا: تاکہ وہابی مولوی مسلمانوں میں افتراق و انتشار برپا کریں۔ شرک و کفر کے فتوے صادر کر کے انہیں باہم لڑاتے رہیں تاکہ مسلمانوں کی قوت مجتمع نہ ہو سکے مسلمان قوم سُنّی وہابی کے جھگڑے میں باہم دست بگریبان رہے۔ متحد ہو کر

اُٹھانے کے قابل نہ ہو سکے۔ تاریخ شاہد ہے کہ وہابی مولویوں کی بدولت انگریز اپنے اس مقصد میں توقع سے زیادہ کامیاب رہا۔

اور جب ملک میں تحریک آزادی نے زور پکڑا۔ غیر منقسم ہندوستان میں انگریز کا اقتدار ڈانواں ڈول ہونے لگا۔ تو چالاک ہندو لیڈروں نے سارے ملک پر اپنا تسلط جمانے اور رام راج قائم کرنے کا منصوبہ بنا کر پوری شدت کے ساتھ اعلان کیا کہ ہندوستان میں صرف دو ہی قوتیں ہیں۔ حکومت برطانیہ اور کانگریس۔ لہٰذا انتقال اقتدار کا معاملہ انہی دو قوتوں کے مابین طے کیا جا سکتا ہے۔

۱۹۳۴ء میں حضرت قائد اعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کی زمامِ قیادت اپنے ہاتھ میں لے کر سارے ملک کا دورہ کیا اور مسلم لیگ کے تنِ بے جان میں زندگی کی روح پھونک دی اور دو تین برس میں ہی یعنی ۱۹۳۶ء / ۱۹۳۷ء تک مسلم لیگ کو اس قدر منظم و مستحکم کر دیا کہ ہندو کانگریس اور حکمران انگریز پھر اس کو نظر انداز نہ کر سکے۔ قائد اعظم نے حکومت برطانیہ اور ہندو کانگریس کو للکار کر اعلان کیا۔ کہ ہندوستان میں دو نہیں بلکہ تین قوتیں ہیں۔ (۱) حکومت برطانیہ (۲) ہندو کانگریس (۳) مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت آل انڈیا مسلم لیگ۔ لہٰذا انتقال اقتدار کا معاملہ ان تینوں قوتوں کے درمیان ہی طے کیا جا سکتا ہے۔

قائد اعظم کی بے لوث و ولولہ انگیز قیادت میں پورے ملک میں مسلم لیگ کا ڈنکا بجنے لگا۔ حتیٰ کہ مورخہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ نے لاہور میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کر کے دستور کردہ اسلامیان ہند کی نمائندہ حیثیت سے "قرارداد پاکستان" منظور کر لی۔ اور حصول پاکستان کو مسلمانوں کا نصب العین اور مطمح نظر قرار دے دیا۔ مسلم لیگ کی اس جرأت و بے باکی سے دنیا انگشت بدنداں ہو کر رہ گئی اور دنیا کے بیشتر ممالک میں مطالبۂ پاکستان کا مذاق اڑایا جانے لگا۔ ایسے نازک دور میں جبکہ مسلمانانِ ہندو پاک کی قومی زندگی اور موت کا سوال درپیش تھا۔ وہابی مولوی ملت اسلامیہ کا ساتھ دینے کے بجائے ہندو لیڈروں

کی گود میں جا بیٹھے اور انگریزوں کی جگہ ہندو کانگریس کی وفاداری کا جوا گلے میں ڈال کر متحدہ قومیت اور متحدہ ہندوستان کے نعرے لگانے میں مصروف ہو گئے۔

قائد اعظم کی للکار اور مسلم لیگ کی قرارداد پاکستان کی منظوری سے پورے ہندوستان میں ہندوؤں اور اُن کے زر خرید وہابی مولویوں کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ سارے ہندو اور وہابی مولوی ایک قومی نظریہ کے علمبردار بن کر تحریک پاکستان کو ناکام بنا دینے کی خاطر اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئے۔

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں اس وقت بھی پاکستان میں ایسے لاکھوں افراد موجود ہیں جنہوں نے اپنے کانوں سے تحریک پاکستان اور قائدین مسلم لیگ کی مخالفت میں وہابی مولویوں کی اشتعال انگیز و زہریلی تقریریں سنی ہیں۔ اور انہیں اپنی آنکھوں سے ملت اسلامیہ کے خلاف زہر اگلنے اور ہندو لیڈروں کے اشاروں پر رقص کرتے دیکھا ہے۔ پروفیسر محمد خلیل اللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

"ہماری تاریخ کا سب سے المناک باب ان مسلمانوں کا رویہ ہے۔ جو اس مہم میں کانگریس اور ہندوؤں کے ہمنوا بن گئے۔ مسلم سیاستدانوں کا وہ طبقہ جو اپنے آپ کو ظاہری طور پر قوم پرست کہتا اور قوم پرستی کے زعم میں اپنی قوم کے مفاد کو نقصان پہنچانے میں ہمیشہ پیش پیش رہا اس موقعہ پر اپنی ہندو دوستی اور لیگ دشمنی کے ہیجان میں اس شدومد سے شریک ہوا کہ ہندو بھی اس سے پیچھے رہ گئے۔

مسلمانانِ ہند کی یہ تاریخی بدنصیبی ہی کہلا سکتی ہے۔ کہ ان کا سب سے معزز و محترم طبقہ جنہیں علمائے کرام کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس مہم میں سب سے پیش پیش رہا۔ ہندوستان میں "جمعیۃ العلمائے ہند"[1] اس بزرگ طبقے کی سب سے بڑی تنظیم تھی اور اسی تنظیم نے اپنے آپ کو مسلم لیگ اور اس کے مطالبے کی مخالفت کے لئے وقف کر دیا"۔ پھر ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں "۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ نے

[1] واضح رہے کہ جمعیۃ العلمائے ہند دیوبندی وہابیوں کی جماعت کا نام ہے۔ پاکستان میں انہوں نے اپنی جماعت کا نام "جمعیۃ العلمائے اسلام" رکھ چھوڑا ہے۔ (مؤلف)

تقسیم ملک کا مطالبہ پیش کیا اور اس کے دو یا تین ہفتے بعد اپریل ۱۹۴۰ء میں جمعیۃ العلماء
کی سرپرستی اور سرکردگی میں آزاد مسلم کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس کی
تجاویز میں پہلے تو اس نام نہاد کانفرنس کی نمائندہ اور ہندوستان گیر حیثیت
کے دعوے کئے گئے اور پھر یہ اعلان ہوا کہ ہندوستان ایک ناقابل تقسیم وحدت
ہے۔ ہندوستان کے مسلمان لازمی طور پر ہندوستانی قومیت کے اجزا ہیں"۔ نیز
تھوڑا اور آگے چل کر لکھتے ہیں "آگے چل کر یہ مخالفت لیگ کے قائدین کی شخصیت
پر مرکوز ہونے لگی۔ قائد اعظم، ان کے دست راست اور مسلم لیگ کے معتمد عمومی
خان لیاقت علی خان اور دوسرے لیگی زعماء کا اسلام ہی مشکوک قرار دیا گیا بالخصوص
۱۹۴۶ء کے عام انتخابات کے دوران جمعیۃ العلماء کے نام نہاد حامیوں نے جس قسم کے
رکیک اور نا روا حملے مسلم لیگی قائدین اور بالخصوص قائد اعظم اور لیاقت علی خان
کی شخصیت اور ذاتیات پر کئے انہیں کسی بھی معیار سے شریفانہ نہیں کہا جا سکتا"

(ملاحظہ ہو روزنامہ جنگ کراچی یوم پاکستان ایڈیشن ۱۹۶۸ء)

نیز اخبار جنگ رقمطراز ہے "غیر منقسم ہندوستان میں ملت از وطن است
کا نعرہ لگانے والوں کے خلاف حکیم الامت علامہ اقبال کی جدوجہد ہماری تاریخ
کا نہایت اہم اور روشن باب ہے وہ اگر یہ جدوجہد نہ کرتے تو عین ممکن تھا کہ
ہندوستان کی جغرافیائی حدود مسلمانان برصغیر کو ملت اسلامیہ سے علیحدہ کر کے
ان کی انفرادیت ہمیشہ کے لئے ختم کرا دیتیں لیکن ملت اسلامیہ کو جغرافیائی حدود
سے بلند تر قرار دے کر صاحب فکر مسلمانوں نے ہمیشہ کے لئے ہماری قومی انفرادیت
کا تحفظ کر لیا"۔ (اخبار جنگ، مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۶ء)

مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات خواجہ شہاب الدین صاحب نے لاہور
میں طلوع اسلام کے سہ روزہ کنونیشن کے آخری دن مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۶۷ء
کو اپنے خطبہ صدارت میں غلام احمد پرویز کو ان کی خدمات پر خراج تحسین
[illegible] جو انہوں نے تحریک پاکستان کے سلسلہ میں انجام دیں، اور اس کے بعد ا

علماء کے خلاف جدوجہد کی جو نظریہ پاکستان کے سرے سے ہی خلاف تھے"۔
(اخبار جنگ کراچی ۱۴ نومبر ۱۹۶۷ء)

صوبائی مسلم لیگ کے سربراہ اور صوبائی وزیر خزانہ مسٹر احمد سعید کرمانی
نے شاہ عالم مارکیٹ لاہور میں ایک اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے مسلم لیگی کارکنوں
کو ایسے عناصر سے خبردار کیا ہے جو تحریک پاکستان کے دوران کانگریس کے ہاتھ
مضبوط کرتے رہے انہوں نے کہا کہ یہ لوگ کبھی تعمیری سرگرمیوں میں مصروف
نہیں ہو سکتے صرف انہی لوگوں سے مثبت سرگرمیوں کی توقع کی جا سکتی ہے۔ جو
تحریک پاکستان میں سرگرم کردار ادا کر چکے ہیں۔ (جنگ ۷ مئی ۱۹۶۸ء)

چکوال ۱۱ جنوری ۱۹۶۸ء (اپ پ) صوبائی وزیر خزانہ مسٹر احمد سعید کرمانی
وزیر تعلیم خان محمد علی خان اور وزیر تعمیرات مسٹر محمد خان جونیجو نے کہا کہ مسلم لیگ نے قائد اعظم کی قیادت
میں سخت جدوجہد کے بعد پاکستان حاصل کیا تھا اور وہی اس ملک کی دیکھ بھال کر سکتی ہے عوام
کو چاہیئے کہ وہ کسی حالت میں بھی ان لوگوں پر اعتماد نہ کریں جنہوں نے قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی۔
وزیر اطلاعات نے لوگوں سے کہا کہ وہ ان قوتوں پر ہرگز اعتماد نہ کریں جنہوں نے قیام پاکستان کی
جدوجہد میں قائد اعظم کی مخالفت کی تھی۔ (جنگ کراچی ۱۲ جنوری ۱۹۶۸ء)

سنی بریلوی علمائے کرام اور مشائخ عظام نے ہر قدم پر تحریک پاکستان کے
مخالفین وہابی مولویوں کی بھرپور مزاحمت کی۔ ملک گیر طوفانی دورے کر کے ہر
مقام پر ان کے اعتراضات اور پروپیگنڈہ کی مکمل تردید کی۔ قائد اعظم، خان
لیاقت علی خان اور دوسرے مسلم لیگی راہنماؤں پر وہابیہ کی الزام تراشیوں،
بہتان طرازیوں کے دفاع میں ترکی بہ ترکی دندان شکن جواب دئے اور خداداد
صلاحیتوں سے پوری طرح کام لیتے ہوئے مسلمانان ہند کو حصول پاکستان کی
خاطر متحد ہو کر تن، من، دھن کی بازی لگا دینے کی پر زور تلقین کی۔ علمائے اہلسنت و
جماعت اور مشائخ کرام نے بیک وقت۔ ہندو لیڈروں، احراری، خاکساری،
ندوی۔ مودودی پارٹی، غیر مقلدین (نام نہاد اہلحدیث) اور دیوبندی وغیرہم تمام

وہابی پارٹیوں کا سر توڑ مقابلہ کیا۔ فرزندانِ توحید کے سامنے انہیں بے نقاب کرکے
اچھی طرح واضح کردیا کہ یہ جملہ مخالفین پاکستان وہابی، ہندوؤں کے ایجنٹ،
گاندھی، نہرو، پٹیل کے زرخرید غلام اور مسلمانوں کے چھپے دشمن اور ملت اسلامیہ
کے غدار ہیں۔ مسلمان وقت کی نزاکت کو سمجھیں اور ان کے دامِ تزویر میں نہ آئیں
اور متحد و منظم ہوکر قائد اعظم اور مسلم لیگی زعماء کے ہاتھ مضبوط کریں تاکہ تحریک
پاکستان کامیاب ہو اور قافلۂ ملت منزلِ مقصود تک پہنچ جائے۔ مقامِ صد شکر
ہے کہ مسلمان قوم نے علماء و مشائخ اہلسنت کے پیغام کو گوشِ ہوش سے سنا۔ سن کر
سمجھا اور اس پر پوری طرح عمل بھی کیا۔ مسلمان بحیثیت مجموعی مسلم لیگ کے سبز
ہلالی پرچم کے سایہ میں آہنی دیوار بن کر دشمنانِ پاکستان کے سامنے ڈٹ گئے۔ ہر
پیر و جواں کی زبان سے۔ لے کے رہیں گے پاکستان۔ مسلم لیگ زندہ باد اور قائد اعظم
زندہ باد کے فلک شگاف نعرے بلند ہونے لگے۔ اور بالآخر مسلم قوم مسلم لیگ کے
پلیٹ فارم پر قائد اعظم کی بے مثال و فقیدالمثال قیادت میں پوری آن بان اور شان
کے ساتھ منزلِ مقصود پر پہنچ گئی۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت ایک حقیقت بن
کر معرضِ وجود میں آگئی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فرزندانِ توحید اپنا نصب العین
حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے اور غدارانِ ملت وہابی مولوی خائب و خاسر
اور ذلیل و خوار ہوکر رہ گئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک والصلوٰۃ والسلام
علیٰ حبیبہٖ سیدنا محمد وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

اب ان مفاد پرست وہابیوں کی ابن الوقتی دیکھئے کہ یہی لوگ جو پاکستان
کے مخالف اور مسلم لیگ کے کٹر دشمن تھے قیام پاکستان کے بعد ان میں سے اکثر و
بیشتر پاکستان ہی میں آکر پناہ گزین ہوئے اور مسلم لیگ کی حکومت سے ہی۔
مکانوں۔ دوکانوں۔ کارخانوں اور زرعی زمین کے زیادہ سے زیادہ الاٹمنٹ
آرڈر حاصل کرنے میں لگ گئے۔ قائدین مسلم لیگ اور حکام پاکستان نے انہیں

اچھی طرح جاننے پہچاننے کے باوجود دوسرے لاکھوں مہاجروں کے ساتھ ان
وہابیوں کو بھی بلا امتیاز نوازنے اور پناہ دینے میں کچھ دریغ نہ کیا۔ نہایت فراخدلی
کے ساتھ ان کی آبادکاری کی گئی۔ مگر اس کے باوجود یہ وہابی صاحبان اپنے
سابقہ شرمناک کردار پر نادم اور قائدین مسلم لیگ کے احسان مند و شکر گزار
ہونے کے بجائے مذہب کی آڑ میں حکومت کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف
ہوگئے۔ یہ لوگ ایک طرف عوام میں حکومت کے خلاف نفرت و مایوسی پھیلاتے
اور دوسری طرف حسب عادت بات بات پر سُنّی مسلمانوں پر بدعت، شرک اور
کفر کے فتوے لگا کر انتشار و بدامنی برپا کرنے کی وہابیانہ حرکتیں کرنے لگے اور
جب علمائے اہلسنت مجبور ہوکر ان کی خرافات کا جواب دینے اور ان کے بیہودہ
فتاویٰ کی تردید کی جانب متوجہ ہوتے تو جھٹ پکار اٹھتے کہ دیکھو جی یہ سُنّی مولوی
ہمیں برا بھلا کہتے ہیں اور بدامنی پیدا کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ قیام پاکستان سے لے کر
آج تک وہابی مولوی حکومت و اقتدار پر قبضہ جما لینے کی مسلسل سر توڑ کوشش
کر رہے ہیں تاکہ پاکستان کو خالص وہابی اسٹیٹ بنا کر مسلم لیگیوں، سُنّی مسلمانوں
سے اپنی ذلت آمیز شکست کا بدلہ لے سکیں۔
چونکہ وہابیوں کا تحریک پاکستان میں کوئی حصہ نہیں بلکہ یہ لوگ تحریک پاکستان
کے کٹر مخالف رہے ہیں۔ اور ملک میں ایسے کروڑوں افراد تاحال موجود ہیں۔ جو
انہیں اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں۔ اس لئے وہابی صاحبان یہ کہنے کی جرأت تو کر
نہیں سکتے کہ ہم نے جدوجہد آزادی میں اتنا حصہ لیا یا حصول پاکستان کی خاطر
کچھ قربانیاں دی ہیں۔ یہ لوگ اپنے گذشتہ لیڈروں کو مجاہدینِ اسلام اور تحریک
آزادی کے ہیرو مشہور کرکے پاکستان کے عوام پر مفت کا احسان رکھنا چاہتے ہیں۔
ان کا پروپیگنڈہ یہ ہے۔ کہ ہمارے اسلاف کی جدوجہد آزادی کے نتیجہ میں ہی پاکستان
معرض وجود میں آیا ہے۔ لہٰذا پاکستان پر سب سے زیادہ حق ہمارا ہے ؎
برعکس نہند نام زنگی کافور ؟

مقام تعجب ہے کہ بعض تعلیم یافتہ حضرات تک ان کے پروپیگنڈہ کا شکار اور زبردست تاریخی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ سید احمد رائے بریلوی، مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی۔ مولوی نذیر حسین دہلوی۔ مولوی رشید احمد گنگوہی اور دیگر پیشوایانِ وہابیہ جنہیں آج بڑی شدّ و مد کے ساتھ انگریزی اقتدار کے دشمن، مجاہدینِ اسلام اور تحریکِ آزادی کے راہنما قرار دیا جا رہا ہے۔ خود وہابیہ کی تصانیف سے ان کا حکومتِ برطانیہ کا وفادار، جان نثار اور نمک خوار ہونا اظہر من الشمس ہے۔

اس کتاب میں پیشوایانِ وہابیہ کے کارنامے بالتفصیل اور باحوالہ پیشِ خدمت کر رہا ہوں۔ ناظرین ان حوالوں کو مذکورہ کتب میں دیکھ کر تسلّی کر سکتے ہیں۔

خدا گواہ ہے کہ اس کتاب کی تالیف و اشاعت سے کسی کی دل آزاری یا کسی پر بے جا الزام و اتہام مقصود نہیں۔ بلکہ تاریخی حقائق کی روشنی میں آزادانہ تحقیق اور اظہارِ حقیقت مطلوب ہے۔ الغرض میرا حقیقی مقصد محض تاریخی خدمت ہے۔ جبکہ تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کی منظّم کوشش کی جا رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری نئی نسل کے استفادہ کے لئے اس کتاب کی تالیف و اشاعت نہایت ضروری ہے تاکہ ہماری قومی تاریخ کا ریکارڈ درست رہے۔

بقول جناب پیر علی محمّد صاحب راشدی "جب سیاست ایسی کُہر بن کر تاریخ پر چھانے لگے۔ کہ تاریخی حقائق مدھم نظر آنے لگیں تو حقائق کے واقف کاروں کا یہ لازمی فرض ہو جاتا ہے۔ کہ وہ حقائق پر پردہ نہ پڑا رہنے دیں۔"

(روزنامہ جنگ کراچی مورخہ ۴ مارچ سنہ ۱۹۶۷ء)

فقط

الفقیر الی الرّحمان۔ ابوالحسّان حکیم محمّد رمضان علی قادری غفرلہ۔

سنجھورو (سندھ) مورخہ یکم اگست سنہ ۱۹۶۸ء

۷۸۶
۹۲

تمہید

ستیزہ کار رہا ہے اَزل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

برادرانِ اسلام! فتنۂ وہابیت وہ خطرناک فتنۂ عظیم ہے جس کی بنیاد ہی مسلم دشمنی پر قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب دانائے غیوب حضرت محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت مرحومہ کو آج سے تقریباً چودہ[۱۴] سو سال قبل ہی اس فتنہ سے آگاہ فرما دیا تھا اور خوارج و وہابیہ کی علامات بیان فرما کر تاکیداً ارشاد فرمایا "ایّاکم و ایّاھم" (الحدیث) ایسے لوگوں کو اپنے سے دُور رکھنا اور تم ان سے دُور رہنا۔ حضرت ابُوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یمن سے آیا ہُوا مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ فجاء رجل کثّ اللحیة مشرف الوجنتین غائر العینین ناتئ الجبین محلوق الرأس فقال اتّق اللہ یا محمد قال فقال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فمن یطع اللہ اِنْ عَصَیْتُہٗ اَیَأْمَنُنِی علی اھل الارض ولا تأمنونی قال ثم ادبر الرجل فاستأذن رجل من القوم فی قتلہ یُرَوْنَ انّہٗ خالد بن الولید فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّ مِنْ ضِئْضِیٔ ھٰذا قومًا یقرءون القرآن لا یجاوز حناجرھم یقتلون اھل الاسلام ویدعون اھل الاوثان یمرقون من الاسلام کما یمرق السھم من الرمیۃ ۔ الحدیث (مسلم ص ۳۴۰ ج ۱)

پس ایک شخص آیا اُلجھی ہوئی گھنی داڑھی والا۔ بلند رُخساروں، دھنسی ہُوئی آنکھوں والا، پیشانی اُبھری ہُوئی۔ اُسترے سے سَر مُنڈا ہُوا۔ اُس نے کہا۔ اَے محمّد، اللہ سے ڈر (یعنی مال غنیمت تقسیم کرنے میں بے انصافی نہ کر) رسول اللہ صلّی

اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اگر مَیں ہی اللہ کی نافرمانی کروں تو اور کون اللہ کی فرمانبرداری کرے گا؟ اللہ تو مجھے زمین والوں پر امین بناتا ہے۔ آیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے۔ پھر جب وہ شخص پیٹھ پھیر کر مڑا (یعنی واپس جانے لگا) تو جماعت میں سے ایک آدمی غالبًا خالد بن ولید نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اُس شخص کو قتل کر دینے کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ اس کی اصل سے ایک ایسی قوم نکلنے والی ہے کہ وُہ قرآن پڑھیں گے۔ مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔ وہ لوگ مسلمانوں کو قتل کریں گے۔ اور بُت پرستوں سے تعرض نہیں کریں گے۔ وہ لوگ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر نشانہ (شکار) سے پار نکل جاتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے۔ کہ قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم دَعْهُ فَاِنَّ لَهٗ اصحابًا یحقر احدکم صلوٰتہٗ مع صلاتھم وصیامہٗ مع صیامھم ویقرءون القرآن لا یجاوز تراقیھم۔ الحدیث (مسلم ص ۳۴۱ ج ۱) رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ اس (معترض) کو جانے دو۔ یعنی اسے قتل نہ کرو۔ پس یقینًا اس کے ایسے ساتھی پیدا ہوتے ہیں جن کی نمازوں کے سامنے تم اپنی نمازوں کو حقیر جانو گے اور ان کے روزوں کے مقابلہ میں اپنے روزوں کو حقیر سمجھو گے وہ قرآن کے قاری ہوں گے۔ لیکن قرآن ان کی گردنوں سے نیچے نہیں اُترے گا۔

شارح مسلم امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں "محدّث قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے اس کے دو معنے بیان فرمائے۔ ایک یہ کہ یہ لوگ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے دل تعلیمات قرآن کو سمجھ نہیں سکیں گے اور تلاوت قرآن سے کچھ نفع حاصل نہیں کریں گے۔ اور حلق، حنجرہ اور منہ سے ادائگی حروف تقطیع و تلاوت کے سوائے قرآن سے ان کے لئے کچھ بھی حصّہ نہیں ہے۔ اور دوسرے یہ کہ ان کا کوئی عمل اور تلاوت قرآن بارگاہ الٰہی میں نہ پہنچے گا۔ اور نہ قبول کیا جائے گا۔

بخاری جلد دوم ص ۶۲۳ پر اس گستاخِ رسول کے مندرجہ بالا حلیہ کے ساتھ

مشمّر الازار بھی وارد ہے یعنی اس معترض نے تہبند کھینچ کر باندھ رکھا تھا۔ نیز خوارج (وہابیہ) میں سے سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک علامت یہ بیان فرمائی سیماھم التحالق (مسلم ص ۳۴۲ ج ۱) اُسترے سے سر مُنڈانا ان کی خاص علامت ہے۔

شیخ محقق علّامہ عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرہ العزیز کی شرح مشکوٰۃ اشعۃ اللمعات ص ۵۶۱ ج ۴ میں ان علامات کے تحت حاشیہ پر مرقوم ہے "ایں حلیہ دلالت دارد بر شرارت و جہالت و قساوت قلب و ہمہ خوارج ہمچنیں بُودند" یہ حلیہ شرارت و جہالت اور قساوت قلب پر دلالت کرتا ہے اور سارے خارجی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ناظرین۔ خوارج (وہابیہ) کے حالات اور ان کے کارناموں سے بسہولت سمجھ سکتے ہیں۔ کہ یہی وہ گروہ ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ لوگ بہترین نمازی اور روزہ دار ہونے کے باوجود اور حافظ و قاری قرآن ہو کر بھی دین اسلام سے خارج ہوں گے۔ ان کے دل فیضِ قرآن اور نُورِ ایمان سے خالی ہوں گے۔ قرآن ان کی زبانوں پر ہی ہوگا۔ ان کے دلوں تک نہیں اُترے گا۔

نیز فرمایا یتلون کتاب اللہ رطبا لا یجاوز حناجرھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیہ (بخاری ص ۶۲۳ و ۱۰۲۴ ج ۲) اور مسلم ص ۳۴۱ ج ۱ میں ہے یتلون کتاب اللہ لیّنا رطبا۔ الحدیث۔ اس کے تحت حضرت امام نووی فرماتے ہیں ومعناہ سھلاً لکثرۃ حفظتھم وقیل لیّنا ای یلوون السنتھم بہ ای یحرّفون معانیہ وتاویلہ۔ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن کو آسانی سے پڑھ لیں گے۔ اور کثرت سے حافظ قرآن ہوں گے نیز یہ معنے بھی بیان کئے گئے ہیں۔ کہ یہ لوگ قرآن مجید کے معنوں اور تاویل میں تحریف کریں گے۔ یعنی آیات قرآن کے معنوں میں گڑبڑ کریں گے۔ اور غلط مطلب نکالیں گے۔ اس کی تشریح و تصدیق

اس روایت سے ہو جاتی ہے کان ابن عمر یراھم شرار خلق اللہ و قال انّھم انطلقوا الیٰ آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المؤمنین (بخاری ص۱۰۲۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خارجیوں کو اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے زیادہ بُرا جانتے تھے اور فرماتے تھے یہ لوگ ان آیات قرآن کو جو کفّار کے بارے میں نازل ہوئیں مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے۔ کہ خارجیوں (وہابیوں) نے ہمیشہ مسلمانوں پر شرک وکفر کے من گھڑت فتوے لگاکر ان کے خلاف جنگ وجدل کا بازار گرم رکھا ہے۔ لیکن اصل کفّار کے ساتھ ان کی ملی بھگت رہی ہے۔ چنانچہ وہابیہ کے سارے گروہ آج بھی جمہور مسلمانان اہلسنّت وجماعت پر بے بنیاد الزامات کے تحت شرک وکفر کے فتوے داغنے میں متحد ہیں۔ یہ لوگ کفّار کے معبودان باطل بُتوں وغیرہ کی تردید و مذمّت میں نازل شدہ آیات کو انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اللہ پر اور کفّار کے بارے میں نازل شدہ آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ یعنی بُتوں کی جگہ انبیاء و اولیاء کو اور مشرکین وکفّار کی جگہ مسلمانوں کو مُراد لیتے ہیں۔

اس کے علاوہ جس طرح اس ابوالخوارج نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو یا محمّد اعدل کہہ کر اپنے جیسا بشر جان کر عدل وانصاف کا وعظ سُنایا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی شان میں گستاخی وبے ادبی کا مرتکب ہوا اسی طرح سارے وہابی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی شان میں انتہائی گستاخ اور بے ادب ہیں۔ نیز انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اللہ کے بارے میں دریدہ دہنی میں بے باک ومشّاق ہیں۔ اور اس بات کا ثبوت ان کی تقریروں اور تحریروں سے ملتا ہے۔ ان کی کتابیں ایسی بیہودہ کفریہ عبارتوں سے بھری پڑی ہیں۔ جن پر علمائے حق (ہند و پاک، مدینہ منوّرہ اور مکّہ معظّمہ کے علمائے اہلسنّت) کفر کا فتویٰ صادر کر چکے ہیں[1]۔ اور ان کی گستاخانہ

[1] ملاحظہ ہو کتاب "حسّام الحرمین" مُصنّفہ حضرت الامام احمد رضا خانصاحب بریلوی قدس سرّہ العزیز۔

اشتعال انگیز تحریروں کی وجہ سے ملّت اسلامیہ میں انتشار وافتراق برپا ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کی علامات بیان فرماکر ملّت اسلامیہ کو ان کے فتنہ سے خبردار فرمایا اور اپنے ارشادات سے واضح فرمایا کہ ان کے نمازی ہونے، روزہ دار ہونے، حافظ قرآن اور قاریٔ قرآن ہونے سے دھوکہ نہ کھاجانا۔ ان کی مومنانہ صورت ولباس اسلامی اور مولویانہ رنگ ڈھنگ، ان کے جبّہ و دستار کو دیکھ کر ان کے دام تزویر میں پھنس نہ جانا کہ یہ لوگ تمہارے کبھی چھپے اور کبھی ظاہر ظہور حقیقی دشمن ہیں ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہ ہر دستے نہ باید داد دست

چونکہ ان کا فتنہ عظیم اور مسلمانوں کو دھوکہ میں ڈالنے والا تھا۔ اس لئے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی اُمّت کو ہشیار کرنے کی خاطر کہیں فرمایا۔ یمرقون من الاسلام (مسلم ص۳۴۲ ج۱) کہیں ارشاد فرمایا یمرقون من الدین (بخاری ص۶۲۳ و ۶۲۴ ج۲) اور کہیں بالوضاحت فرمایا لا یجاوز ایمانھم حناجرھم (بخاری ص۷۵۶ ج۲) یہ لوگ خارج از اسلام ہوں گے، یہ لوگ دین سے نکل جائیں گے۔ ان کا ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا یعنی ان کا دعوائے اسلام، دعوائے دین اور دعوائے ایمان محض زبانی دعویٰ ہوگا۔ ان کے دل، اسلام، دین اور ایمان سے خالی اور بے بہرہ ہوں گے۔ نیز حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے واضح فرمایا کہ:۔

علاقہ نجد سے شیطانی گروہ کا ظہور ہوگا

ملاحظہ ہو۔ بخاری ص۱۰۵۱ ج۱ نیز مشکوٰۃ کتاب الفتن باب ذکر الیمن والشام میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اللّٰھم بارك لنا فی شامنا۔ اے اللہ ہمارے لئے برکت وفزونی عطا فرما۔ ہمارے شام میں اللّٰھم بارك لنا فی یمننا۔ اے اللہ ہمارے لئے

برکت عطا فرما، ہمارے یمن میں - صحابہ علیہم الرضوان نے عرض کی یا رسول اللہ وفی نجدنا - یا رسول اللہ آپ نجد کے لئے بھی دعا فرماویں - کہ اللہ ہمارے لئے نجد میں بھی برکت عطا فرمائے - حضور نے صحابہ کی عرض سننے کے باوجود پھر دعا فرمائی اللّٰھم بارک لنا فی شامنا اللّٰھم بارک لنا فی یمننا - صحابہ نے پھر عرض کی یا رسول اللہ نجد کے لئے بھی دعا فرمائیں - ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار فرمایا ھنالک الزلازل والفتن وہاں (نجد میں) زلزلے ہیں اور فتنے ہیں - وبھا یطلع قرن الشیطان اور سرزمین نجد میں قرن الشیطان طلوع ہوگا - یعنی نجد سے شیطانی گروہ نکلنے والا ہے -

واضح رہے کہ فتنۂ خوارج کی ابتدا سرزمین نجد سے ہوئی - اس کے بعد یہ فتنہ عراق میں پھیلا - اس کے بعد یہ فتنہ فارس سے اٹھا، پھر خراسان سے اور پھر تاتار سے اور پھر یہی فتنہ سرزمین نجد سے ابن عبدالوہاب کے ذریعہ جماعت وہابیہ کی صورت میں نمودار ہوا - اور وہاں سے پھیل کر دوسرے علاقوں میں پہنچا - برِ صغیر ہندوستان و پاکستان میں سید احمد رائے بریلوی اور محمد اسمٰعیل دہلوی کے ذریعہ فتنۂ وہابیہ کو فروغ حاصل ہوا اور بعد میں یہاں کے وہابی مختلف ناموں سے مختلف گروہوں میں منقسم ہوگئے جو تا حال دونوں ممالک بھارت اور پاکستان میں سرگرم عمل ہیں ۔

تاریخِ وہابیہ

ابنِ عبدالوہاب نجدی

ابو الوہابیہ - محمد بن عبدالوہاب ۱۱۱۴ھ میں بمقام عُیَینہ سرزمین نجد (عرب) میں پیدا ہوا - بچپن میں لکھنا پڑھنا اپنے والد سے سیکھا اور چونکہ اس کی جبلّت سے لاابالی پن اور طبیعت میں سرکشی کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا - چند ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد تعلیم کو خیر باد کہہ دیا اور اس طرح قرآن و حدیث و فقہ وغیرہ علوم ضروریہ سے بے بہرہ رہ گیا - مگر اس کے باوجود خود کو تعلیماتِ اسلامی کا نہ صرف عالم و فاضل بلکہ ماہر و مجتہد سمجھنے لگ گیا اور جہل مرکب میں گرفتار ہو کر قرآن و حدیث کی تفسیر و تشریح میں محض اپنی رائے فاسد و فہم نارسا کو ہی کافی سمجھ بیٹھا حتیٰ کہ اس بر خود غلط شخص نے ائمہ دین، مفسرین، محدثین کے مسالکِ حق کو غلط قرار دے کر دینی مسائل میں اپنی رائے کو حرف آخر قرار دے دیا - ظاہر ہے کہ اس غلط روش اور ایسی بے راہ روی کے نتیجہ میں گمراہی لازم ہے - چنانچہ یہ شخص عقائد باطلہ اور خیالات فاسدہ میں پھنس کر راہِ حق سے بھٹک گیا - مسلک اہلسنت سے کٹ گیا - سبیل المومنین سے پھسل کر ضلالت کے گہرے اندھیرے غار میں جا گرا اور بالآخر اس نے دین اسلام میں فتنہ و فساد کا ایسا خطرناک زہریلا بیج بو دیا - جو بر وقت رنگ لایا اور پھر اس شجر خبیثہ کی شاخیں رفتہ رفتہ عالم اسلام میں پھیلتی چلی گئیں -

ابو الوہابیہ ابن عبدالوہاب نجدی پر مذہبی پیشوا بننے کے ساتھ ساتھ یہ خبط بھی سوار ہوا کہ وہ سیاسی لحاظ سے بھی قوت و اقتدار حاصل کرے اور پھر جس طرح بھی بن پڑے ایک ایسی ریاست قائم کرے جس میں اپنے خانہ ساز اصول رائج کر سکے، اور من مانی کرنے میں مطلقاً آزاد ہو - اس مقصد کے تحت اُس نے ایک منصوبہ تیار کیا اور اُس کی تکمیل کے لئے مسلمانوں کے متفق علیہ مسائل،

کو غلط اور خلافِ اسلام قرار دے کر ملّتِ اسلامیہ میں انتشار پیدا کرنا شروع
کر دیا اور توحید کی آڑ میں سیّد المرسلین محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے ان
فضائل وصفاتِ عالیہ کا انکار کرنے لگا۔ جو نصوصِ قرآن وحدیث سے ثابت
اور علمائے امّت ان پر متفق ہیں۔ انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اللہ
کی شان میں دریدہ دہنی اور توہین وتنقیص میں مصروف ہو گیا۔ حضور علیہ
الصّلوٰۃ والسّلام واولیاء اللہ سے توسّل کو شرکِ صریح قرار دے کر تمام مسلمانوں
کو مشرک وکافر ٹھہرایا اور انہیں واجب القتل قرار دے دیا۔

اس نے برملا اعلان کر دیا کہ اصلی ایمان اور توحید یہی ہے۔ جسے میں پیش
کر رہا ہوں۔ اور جو کوئی میری ان باتوں کو صحیح نہیں مانتا، وہ قطعاً کافر ہے۔
اسے قتل کرنا اور اس کے مال ومتاع کو لوٹ لینا نہ صرف جائز بلکہ واجب
ہے۔ اس طرح اس نے تمام مسلمانوں کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا۔ (۱) بدعتی،
مشرک وکافر مسلمان (۲) موحد مسلمان یعنی صرف وہ مسلمان جو ابن عبدالوہاب
کی من گھڑت توحید کو تسلیم کریں۔ اس طرح اس نے صرف اپنے متبّعین کو موحد
مسلمان قرار دے کر دوسرے جملہ مسلمانوں کو زمرۂ کفّار میں شامل کر کے فتوٰی
صادر کیا کہ مشرک مسلمانوں کا خون اور مال حلال ہے۔ ان کے خلاف جنگ کرنا
واجب ہے۔ رفتہ رفتہ کچھ ناسمجھ سادہ لوح مسلمان اس کے دامِ تزویر میں پھنس کر
اور زیادہ تر لوٹ مار کے شوقین اور لالچی اس کی جماعت میں شامل ہونے لگے۔
اور بالآخر اس کے اور اس کی جماعت کے ہاتھوں ہزاروں بے گناہ مسلمان مقتول
اور لاکھوں تباہ وبرباد ہو گئے۔ سفّاک وہابیوں کے جارحانہ حملوں میں معصوم
بچّوں اور بوڑھی عورتوں تک کو تہہِ تیغ کر دیا گیا اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں
کو غلام اور لونڈیاں بنا لیا گیا۔ مسلمانوں کے مال ومتاع کو لوٹ کر ان کے گھروں
کو جلا دیا گیا اور ان کی بستیوں کو اجاڑ دیا گیا۔ الغرض ان لوگوں نے مسلمانوں پر
اس قدر مظالم ڈھائے جو تا قیامت فراموش نہ کئے جا سکیں گے۔ مگر ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

یہ سب کچھ کر چکنے کے باوجود ابوالوہابیہ کا امیر وبادشاہ بننے کا خواب شرمندۂ
تعبیر نہ ہو سکا اس قدر جور وتشدد کے نتیجہ میں جب ریاست وہابیہ قائم ہوئی
تو اس کا امیر کوئی دوسرا بنا اور خود قرن الشیطان ابن عبدالوہاب نجدی
سنگین جرائم ومظالم کا بوجھ اپنی گردن پر لاد کر آنجہانی ہو گیا۔ اب اس
اجمال کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے :-

تحریکِ وہابیہ کے ابتدائی ایّام

ابن عبدالوہاب نجدی نے جب مسلمانوں
کو بات بات پر بدعتی، مشرک اور
کافر کہنے کی ابتدا کی اور من گھڑت مسائل کی تبلیغ کرنے لگا۔ تو نتیجۃً مسلمانوں
میں سخت اضطراب وہیجان بپا ہو گیا۔ عوام وخواص میں اس کے خلاف نفرت
پھیلنے لگی۔ اس کے والد عبدالوہاب نے (جو شہر عیینہ کے قاضی تھے) اپنے بیٹے
کو باز رکھنے کی بہت کوشش کی۔ مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ تاہم کچھ عرصہ بعد
جب اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کا اشتعال بڑھ رہا ہے۔ تو اس نے اپنی خیر
اسی میں دیکھی کہ اس مقام کو خیر باد کہہ کر کسی دوسرے مقام پر قسمت آزمائی
کرے۔ یہاں سے رخصت ہو کر مکّہ مکرّمہ پہنچا اور حج کے بعد مدینہ منوّرہ آ کر شیخ
عبداللہ بن ابراہیم بن سیف اور شیخ محمّد حیات سندھی سے تعلیم حاصل کرنا
شروع کی۔[1] مگر یہاں بھی اس کی طبیعت نہ لگی۔ اور بگڑے ہوئے طور طریقے درست
نہ ہو سکے۔ دریں اثنا اس کے استاد بھی اس کی افتادِ طبع سے واقف ہو چکے تھے
ایک موقعہ پر تو اس کا مافی الضمیر بالکل ظاہر ہو کر رہ گیا۔ ہوا یوں کہ ایک روز
جبکہ حسبِ معمول عاشقانِ رسولِ مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم روضۂ نبوی پر جمع
تھے اور بارگاہِ رسالت میں صلوٰۃ وسلام عرض کرنے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ
والسّلام سے استمداد وتوسّل میں مصروف تھے اور ابوالوہابیہ نجدی دور کھڑا

[1] ملاحظہ ہو۔ رسالہ عربی۔ "الشیخ محمّد بن عبدالوہاب" مطبوعہ شرکۃ المدینۃ الطباعۃ جدّہ

انہیں دیکھ رہا تھا کہ علامہ سندھی نے اسے اس طرح کھڑا دیکھ کر پوچھا "ان لوگوں کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے"، شیخ نجدی جھٹ بول اُٹھا۔ "اِنَّ هٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَّا فِيهِ وَبَاطِلٌ مَا كَانُوْ يَعْمَلُوْنَ" یقیناً یہ لوگ جس کام میں ہیں۔ قابل تباہی و بربادی اور ان کے اعمال باطل و غلط ہیں۔ شیخ نجدی کے باطل عقائد اور اس کے اس اعلان سے مدینہ منورہ میں ہلچل مچ گئی، فرزندانِ توحید، عشاق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مشتعل ہو گئے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس کا مدینہ منورہ میں ٹھہرنا مشکل ہو گیا۔ اور آخر کار وہ وہاں سے کوچ کر کے بصرہ آ گیا۔ یہاں شیخ محمد مجموعی کے پاس اس کا ایک مدت تک قیام رہا۔ یہاں اس نے شیخ محمد مجموعی کو اپنی اسکیم پر چلانے کی بڑی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اپنے منصوبہ کے مطابق یہاں بھی اس نے مسلمانوں پر۔ شرک و کفر کے فتوے داغنے شروع کر دئے تھے۔ اس لئے یہاں بھی فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اُٹھی۔ بصرہ کے علماء اور عام مسلمان اس کی دریدہ دہنی اور بیہودہ فتویٰ بازی سے اس قدر تنگ آ گئے۔ کہ انہیں بصرہ سے اس کے اخراج کے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی۔ چنانچہ اسے ذلیل و خوار کر کے وہاں سے نکال دیا۔ اب اس کا ارادہ ہوا کہ ملک "شام" کو اپنی سرگرمیوں کی آماجگاہ بنائے مگر اسے اپنی بے سروسامانی کی موجودہ حالت کے پیش نظر اپنا ارادہ بدلنا پڑا اور نہایت سراسیمگی کی حالت میں بمقام حریملا اپنے باپ کے پاس آ گیا (واضح رہے کہ اس کا والد شہر "عیینہ" کا قاضی تھا۔ مگر غالباً اس کے بیٹے کی شر انگیزیوں کی وجہ سے حاکم "عیینہ" نے اسے عہدۂ قضاۃ سے معزول کر دیا تھا۔ اور وہ ۱۱۳۹ھ میں بمقام حریملا قیام پذیر ہو چکا تھا) ابن عبدالوہاب کو چونکہ ابوالوہابیہ بننا تھا اس لئے اس کی شقاوتِ ازلی نے اسے یہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ یہاں بھی اُس نے اپنی نام نہاد توحید کی آڑ میں فتویٰ بازی شروع کر دی۔ مسلمان اس کے انوکھے اور نئے قسم کے عقائد اور قرآن و سنت کے مخالف طریقہ کو کیونکر

قبول یا برداشت کر سکتے تھے لہٰذا اس کی شر انگیزیوں کی وجہ سے یہاں بھی غیظ و غضب کی لہر دوڑ گئی۔ حتیٰ کہ اس کے والد اور بھائی بھی اس کی خانہ ساز توحید کو برداشت نہ کر سکے۔ اُنہوں نے بھی اس سے نفرت و بیزاری کا اعلان کر دیا۔ مگر ابوالوہابیہ اپنی مذموم حرکات سے باز نہ آیا۔ اسی دوران ۱۱۵۳ھ میں اس کے والد کا انتقال ہو گیا۔ تو شیخ نجدی نے اپنی مہم کو اور زیادہ تیز کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں اس قدر ہیجان برپا ہوا۔ کہ مسلمان بے قابو ہو گئے۔ چند جوشیلے مسلمانوں نے اس کے فتنہ سے نجات پانے کے لئے رات کے وقت اس کے گھر پر حملہ کر دیا۔ محلہ میں شور پڑ گیا اور شیخ نجدی افراتفری کے عالم میں بچ کر حریملا سے بھاگ نکلا۔ اور کچھ سوچ کر اپنے آبائی شہر "عیینہ" پہنچ کر دم لیا اور کچھ عرصہ بعد "عیینہ" کے امیر عثمان بن احمد بن معمر تک رسائی حاصل کر کے اس کی خدمت میں اپنا منصوبہ بالتفصیل پیش کیا اور اسے یقین دلا دیا۔ کہ اگر میرے منصوبہ پر عمل کر لیں۔ تو آپ تھوڑی سی جد و جہد کے بعد پورے نجد کے بادشاہ بن سکتے ہیں۔

امیر عثمان اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گیا۔ اور بادشاہت کے خواب دیکھنے لگا۔ اس نے اس کی اسکیم پر عملدرآمد کرنے پر آمادگی کا اظہار کرتے ہوئے اُسے یقین دلا دیا کہ میں تمہارے مشوروں پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔ شیخ نجدی کو چونکہ بہت سی ذلتوں اور ناکامیوں کے بعد بڑی مشکل سے پہلی بار اُمید کی کرن نظر آئی تھی۔ اس لئے اس نے امیر عثمان کو اپنی اسکیم کی کامیابی کا کچھ اس طرح یقین دلایا۔ کہ وہ عالم تصوّر میں خود کو سچ مچ ایک بڑی مملکت کا بادشاہ سمجھنے لگا۔ اور اس موہوم سلطنت کی خوشی میں اس نے عبداللہ بن معمر کی لڑکی جوہرہ کا نکاح ابن عبدالوہاب سے کر دیا۔ امیر کے رویّہ کو دیکھ کر لوگ شیخ نجدی کی علی الاعلان مخالفت نہ کر سکتے تھے لہٰذا وہ اپنی اس کامیابی پر شاداں و فرحاں اور مطمئن تھا۔

اب اُس نے امیر عثمان کے تعاون سے تحریکِ وہابیہ کے فروغ اور اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کی۔ مسلمانوں کو مشرک و کافر کہنے کی مہم تیز تر کر دی گئی۔ انبیاء و اولیاء کی تنقیص و توہین بے باکی کے ساتھ کی جانے لگی۔ عقائدِ حقہ کی نہایت سختی کے ساتھ تردید شروع کر دی گئی۔ اور امیر عثمان کے ماتحت علاقہ کے مسلمانوں کو بالجبر وہابی بنایا جانے لگا۔ انہیں تشدد کے ذریعہ مجبور کیا جاتا۔ کہ وہابی عقائد قبول کر لیں۔ جو شخص اس کی تحریک میں شامل ہو جاتا ظلم و ستم سے بچ جاتا اور جو صاحبِ ایمان و حوصلہ انکار کرتا اس پر بے دریغ تشدد کیا جاتا اس پر بھی وہ نہ مانتا۔ تو قتل کر دیا جاتا۔ اس طرح وہ اپنی ایک جمعیت بنا لینے میں کسی حد تک کامیاب ہو گیا اور اس کے عزائم کو تقویت حاصل ہو گئی۔

شیخ نجدی کا پہلا کارنامہ

ابن عبدالوہاب نے امیر عثمان کو اس بات پر آمادہ کیا۔ کہ اب کوئی ایسا کارنامہ کیا جانا چاہیئے۔ جس سے ہماری تحریک کو خوب شہرت حاصل ہو مخالفین پر مزید رُعب بھی پڑ جائے۔ اُمید ہے کہ اس طرح ہماری کامیابی کے لئے نئی راہیں نکل آئیں گی اور ہماری منزلِ مقصود قریب تر ہو جائے گی، امیر کی رضا مندی پا کر، اُس نے ایک انوکھا تجربہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور امیر عثمان کی معیت میں چھ سَو مسلح آدمیوں کے ہمراہ "جبیلہ" کے مقام پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ (جو ۱۲ھ میں مسلیمہ کذاب کے مقابلہ میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔) کے روضۂ مقدس کو ڈھانے کے لئے جا پہنچا۔ روضۂ مقدس کو بچانے کے لئے جبیلہ کے مسلمان مقابلہ کرنے آئے۔ مگر امیر عثمان کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے۔ اب شیخ نجدی نے امیر عثمان سے کہا۔ "یا امیر حصولِ مقصد کے لئے اس کارِ نیک کو بسم اللہ کہہ کر سر انجام دیجئے۔ کہ آغازِ کار کے لئے یہ بہترین موقعہ ہے۔" امیر عثمان نے شیخ نجدی سے کہا۔ "ہم روضہ کو مسمار کرنے کی ہمت

نہیں کر سکتے ہاں آپ خود جو چاہیں کر لیں۔ ویسے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔" اس پر ابن عبدالوہاب شر الشیطان نے اپنے ہاتھ میں کدال لے کر روضۂ مقدس کو ڈھانا شروع کیا۔ اور زمین کے برابر کر کے دم لیا۔[1] اور اس کے بعد اس شقی ازلی نے حضرت ضرار بن الازور کے مزار شریف کو مسمار کیا[2] اور دوسرے مشاہد کو بھی پامال کر دینے کے بعد خوشی سے جھومتا ہوا واپس لوٹا۔ مگر

سر منڈاتے ہی اولے پڑے

ابوالوہابیہ نجدی کی شر انگیزیوں اور اُس کے شرمناک کارناموں کی خبر جب، والیٔ احساء سلیمان بن محمد تک پہنچی تو اُس نے امیر عثمان کو فوراً وارننگ دے دی۔ کہ تمہارے پاس جو فسادی مولوی ہے۔ اس کی خلافِ اسلام مذموم حرکات کی اطلاع مجھے مل چکی ہے۔ اور یہ خبر بھی پہنچی کہ اس نے تمہاری حمایت و امداد سے حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کے روضۂ مقدس اور دوسرے مزارات و مشاہد کو ڈھا دیا۔ اور سخت توہین کا مرتکب ہوا ہے۔ اس لئے میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں۔ کہ تم اس فسادی لوگوں کو فوراً قتل کر دو ورنہ تمہارا زرِ سالانہ جو ہماری طرف سے مقرر ہے۔ بند کر دیا جائے گا۔ اور ہم تمہیں راہِ راست پر لانے کے لئے بہت جلد فوج لے کر پہنچیں گے۔

اس وارننگ نے امیر عثمان کے ہوش اُڑا دیئے۔ ابوالوہابیہ کے دکھائے ہوئے سبز باغ ذلت و خواری اور بربادی کے گہرے اندھیرے غار دکھائی دینے لگے۔ بادشاہت کا حسین خواب، خوابِ پریشان بن گیا۔ انتہائی پریشانی اور قلق و اضطراب کے عالم میں اس نے ابوالوہابیہ کو طلب کیا اور اسے والیٔ احساء کی وارننگ سے مطلع کیا۔ شیخ نجدی ابوالوہابیہ نے امیر عثمان کو بہت کچھ دم دلاسا دیا اور اسے والیٔ احساء کے مقابلہ پر اُبھارا۔ مگر امیر عثمان جنگ و مقابلہ پر تیار نہ ہوا۔ اُس نے ابوالوہابیہ کو اپنا یہ فیصلہ سُنا دیا۔ "چونکہ والیٔ احساء سلیمان بن محمد نے تمہارے قتل کا مطالبہ کیا ہے۔ اور ہم

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب التوحید کا مقدمہ ص ۱۳

[2] ملاحظہ ہو رسالہ الشیخ محمد بن عبدالوہاب ص ۲۱

(مصنف)

اس کی خلاف ورزی کی ہمت نہیں رکھتے اور نہ ہی ہم اس کے خلاف جنگ اور مقابلہ کی طاقت رکھتے ہیں۔ اور چونکہ ہم تمہیں اپنے علاقہ میں قتل کرنا بھی نہیں چاہتے۔ لہٰذا ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم اس علاقہ سے فوراً نکل جاؤ۔

شیخ نجدی یہ غیر متوقع حکم سننے کیلئے تیار نہ تھا۔ اس لئے امیر عثمان کا یہ حکم اس کے لئے برقِ ناگہانی ثابت ہوا۔ آنکھوں میں تاریکی چھا گئی۔ اور پاؤں تلے کی زمین سرکتی محسوس ہوئی اور اس عالم میں وہ اپنی ساری پھوکڑیاں بھول گیا۔ دوسری طرف امیر عثمان نے اپنے ایک افسر کو خفیہ طور پر حکم دیا کہ چند مسلح سواروں کے ہمراہ اس کا تعاقب کیا جائے۔ اور جب یہ شخص فلاں مقام پر پہنچے تو فوراً قتل کر دیا جائے۔

بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے

امیر عثمان کا قطعی حکم مل جانے پر ابوالوہاب بصد حسرت و یاس نکل کھڑا ہوا اور تعاقب میں آنے والے سواروں کو چکمہ دے کر کسی نہ کسی طرح جان بچا کر ابن سعود کے علاقہ درعیہ کی حدود میں پہنچ گیا۔ اور محمد بن سویلم عریبنی کے ہاں قیام کیا اس نے ابن عبدالوہاب کو ایک مسافر اور نیک آدمی جان کر اپنے ہاں ٹھہرا لیا۔ اور خدمت تواضع کرنے لگا۔ مگر جب اس کی سرگذشت سنی۔ تو سخت خوفزدہ ہوا۔ کہ مبادا ایسے خطرناک شخص کو پناہ دینے کی پاداش میں امیر ابن سعود سزا دے۔

شیخ نجدی بھی بلا کا چالاک شخص تھا۔ اس نے ابن سویلم عریبنی کو چرب زبانی سے مطمئن کر دیا۔ اور پھر رفتہ رفتہ موقعہ بہ موقعہ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اسے طرح طرح کے سبز باغ دکھاتا رہا۔ اور بالآخر اس نے اپنی پوری اسکیم بتا کر کہا اگر تم اس سلسلہ میں میری مدد کرنے کا وعدہ کرو۔ تو میں تمہیں اپنا شریک کار بنا کر امیر ابن سعود تک اس منصوبہ کے پہنچانے اور اسے اس پر رضامند کرنے کی کوئی تجویز نکالوں۔ اگر ہم امیر ابن سعود کو رضامند کرنے میں کامیاب ہو گئے تو میرے ساتھ تمہارا مستقبل بھی درخشاں

اور شاندار ہو جائے گا۔ دولت و عزت تمہارے قدم چومے گی۔ کچھ دنوں بعد ابن سویلم، شیخ نجدی کا ہمراز و دمساز بن چکا تھا۔ اب ان دونوں نے دوسرے لوگوں کو شریک کار بنانے کی جدّ و جہد شروع کر دی۔ جس کے نتیجہ میں چند دوسرے "مخصوص" آدمی بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس طرح ایک مختصر سی جماعت تیار کر لینے کے بعد شیخ نجدی نے براہِ راست ابنِ سعود سے ملنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اس ڈر سے کہ براہِ راست ملاقات اور عرض حال سے امیر ابن سعود کہیں بگڑ ہی نہ بیٹھے۔ اور لینے کے دینے پڑ جائیں۔ لہٰذا

شیخ نجدی نے ابن سعود کو ہمخیال بنانے کے لئے گہری چال سے کام لیا۔

ابن عبدالوہاب نجدی نے ابن سویلم اور دیگر شرکاء کار سے اس مسئلہ پر مشورہ کیا کہ امیر ابن سعود تک اپنی اس اسکیم کو کس طرح پہنچایا جائے۔ اور اسے اس تحریک میں شمولیت پر کیونکر رضامند کیا جائے۔ صلاح یہ ٹھہری کہ براہ راست ابن سعود سے ملنے کے بجائے اس کی بیوی سے مل کر اسے ہم خیال بنانے کی کوشش کی جائے اور پھر اسی کے ذریعہ سے یہ منصوبہ اور اپنا پیغام ابن سعود تک پہنچایا جائے۔ کہ یہ طریقہ نسبتًا کم خطر بھی ہے اور آسان تر بھی۔ ابن سویلم نے یہ کام اپنے ذمّہ لیا۔ اور یقین دلایا کہ وہ ابنِ سعود کی بیوی کو ہم خیال بنانے میں ضرور کامیاب ہو جائے گا۔ اور پھر اس کے ذریعہ ابن سعود کو ہموار کر لینا کوئی مشکل بات نہ رہے گی۔

ابن سویلم نے ابن سعود کی بیوی سے مل کر ابن عبدالوہاب کا تذکرہ کیا۔ اور اس کی تعریف و توصیف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دئے پھر اس کے بعد اس کے منصوبہ پر مفصّل روشنی ڈالی۔ اور کہا کہ شیخ نجدی نے یہ پیغام بھی دیا ہے۔ کہ اگر آپ نے امیر کو اس منصوبہ پر عملدرآمد کے لئے راضی کر لیا تو امیر تھوڑے دنوں میں ہی ایک وسیع و عریض مملکت کا بادشاہ بن سکتا ہے۔

ابن سعود کی بیوی ابنِ سویلم کی گفتگو سے بڑی متأثر ہوئی اور منصوبہ کی تفصیلات سُن کر نہایت خوش ہوئی یہاں تک کہ اس نے وعدہ کرلیا۔ کہ وہ ابن سعود کو اس تحریک میں شمولیت اور منصوبہ پر عملدرآمد کرنے پر جلد ہی رضامند اور تیار کرلے گی۔ اُس نے کہا "میں یہاں تک کوشش کروں گی۔ کہ امیر خود چل کر شیخ کی ملاقات کے لئے شیخ کی جائے قیام تک پہنچے۔ تاکہ عوام و خواص پر شیخ کی عظمت اور بڑائی کی ہیبت طاری ہو جائے" مناسب موقعہ پاکر ابن سعود کی بیوی نے شیخ نجدی کا ذکر بڑے عمدہ پیرایہ میں کیا پھر اس کی اسکیم بیان کی۔ اور اس کی افادیت پر روشنی ڈالی۔ اور شیخ نجدی کا پیغام سُنا کر پُرزور مشورہ دیا کہ "اللہ نے اس شخص کو تیرے پاس بھیج دیا ہے۔ یہ بہت بڑی غنیمت ہے۔ اسے قبول کر، اس کی مدد کو غنیمت جان اور تو خود جاکر اس سے مُلاقات کر تاکہ لوگوں میں اس کی عظمت بڑھے۔"

تحریکِ وہابیہ کا عُروج

محمد بن سعود اور محمد بن عبدالوہاب کی مُلاقات اور تکمیل معاہدہ

ابنِ سعود اپنی بیوی سے ابن عبدالوہاب کے منصوبہ و پیغام کو سُن کر نہایت خُوش ہُوا اور اس کے مشورہ کے مطابق خُود چل کر ابن سویلم عرینی کے مکان پر الوہابیہ سے ملاقی ہُوا[1]۔ علیک سلیک کے بعد ابنِ سعود نے ابن عبدالوہاب سے کہا "خوش ہو جیئے۔ کہ آپ کی ہر طرح عزت و توقیر کی جائے گی۔ اور یہ وطن آپ کو اپنے وطن سے زیادہ عزیز ہوگا" ابن عبدالوہاب نے کہا "میں آپ کو عزت و قوت کی خوشخبری دیتا ہُوں۔ کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ ایسی چیز ہے جو اسے مضبوط پکڑلے۔ اور اس کی حمایت میں کھڑا ہو جائے۔ یہ

[1] ملاحظہ ہو۔ مقدمہ کتاب التوحید ص ۱۴ و ۱۵ اور رسالہ الشیخ محمد بن عبدالوہاب ص ۲۳

اسے ملکوں اور ولایتوں کا مالک بنا دیتا ہے۔" المختصر شیخ نجدی کی پُوری اسکیم سُن اور سمجھ لینے کے بعد ابن سعود نے کہا "شیخ تم نے جو باتیں بتائی ہیں۔ درحقیقت یہی دین و ایمان کی اصلی باتیں ہیں۔ اور بلاشک وشبہ اللہ نے یہی توحید دے کر محمد رسول اللہ[1] کو بھیجا تھا۔ تم یقین کرو اور خُوش ہو جاؤ کہ میں تمہاری ہر طرح مدد و حمایت کروں گا۔ اور تمہاری دعوت و تبلیغ میں جان و مال سے جہاد کروں گا۔ لیکن میں تم سے دو شرطیں طے کرنا چاہتا ہوں۔ ایک یہ کہ جب ہم تمہارے ساتھ ہو جائیں۔ اور توحید و سُنّت کی اشاعت میں حصّہ لیں۔ تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنے وطن نہ جانا۔ دوم یہ کہ میں اپنے ماتحت لوگوں سے ایک معیّن محصُول لیتا ہُوں۔ کہیں آپ اسے لینا ممنوع نہ قرار دیں[2]۔" شیخ نجدی نے پہلی شرط کے متعلق کہا "میں آپ سے سچّا اقرار کرتا ہُوں کہ ہر گز کسی طرح دُرعیہ اور آپ کا ساتھ چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔ اپنا ہاتھ دیجئے۔ میں اس پر پُختہ عہد کرتا ہوں۔ دَمی دَمُكَ هَدَمی هَدَمُكَ (یہ اہلِ عرب میں باہمی معاہدہ کا جُملہ ہے) یعنی میں ہر طرح آپ کے ساتھ ہُوں، میرا خُون تمہارا خُون، میری تباہی تمہاری تباہی۔ دُوسری شرط کے متعلق اللہ سے اُمید ہے۔ کہ وہ اس سے بہتر تم کو دلا دے اور ایسے محصُول کی تم کو ضرورت ہی نہ رہے۔" یعنی جبکہ ہم نے تحریک وہابیہ کے فروغ اور منصوبہ کی تکمیل کے سلسلہ میں مسلمانوں کے خلاف عَلَمِ جہاد بلند کرنا ہے۔ تو ان سے لُوٹا ہُوا مال و متاع اس کثرت سے ہاتھ آنے والا ہے کہ آپ کو اس محصُول کی احتیاج ہی باقی نہ رہے گی۔ اس کے بعد امیر ابن سعود نے شیخ نجدی کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اور اس طرح یہ مسلم کُش وہابیانہ معاہدہ طے پا گیا۔ اور ابن عبدالوہاب کی دیرینہ اُمیدیں بر آنے کی صُورت پیدا ہوگئی۔ بس پھر کیا تھا۔ دعوت توحید و تبلیغ کے نام پر تمام دُنیا کے مسلمانوں پر

[1] صلی اللہ علیہ وسلم [2] ابن سعود کی شرطیں قابل غور ہیں۔

باقاعدہ شرک وکفر کا فتویٰ صادر کر کے علَم جہاد بلند کر دیا گیا۔ سب سے پہلے مسلمانانِ درعیہؔ اور ابن سعود کے سارے ماتحت علاقے کے بے گناہ مسلمان جہادِ وہابیہ کا نشانہ بنے۔ اس بے دردی کے ساتھ ان کا قتلِ عام کیا گیا۔ اور اس شدت سے لوٹ مار کا بازار گرم ہوا۔ کہ الامان والحفیظ۔

ماتحت علاقہ سے نمٹ لینے کے بعد اس جہادِ وہابیہ کا دائرہ وسیع سے وسیع ہوتا گیا۔ رفتہ رفتہ تمام ممالک نجد وحجاز کے بے گناہ مسلمان ان کے ناقابل بیان مظالم کا شکار ہوتے چلے گئے۔ ممکن ہے کہ ناظرین کو اس کا یقین نہ آئے یا ان تاریخی حقائق کو مبنی بر مبالغہ قرار دیا جائے اس لئے مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ اس کی تصدیق میں وہابیہ کی بنیادی کتاب سے شہادت پیش کر دی جائے اور پھر اس کی تائید میں انہی کے عربی رسالہ مطبوعہ جدہ کی چند عبارتیں معہ ترجمہ نقل کر دی جائیں۔

ابوالوہابیہ ابن عبدالوہاب کی تصنیف "کتاب التوحید" کے مقدمہ میں ص۱۷ پر تحریر ہے "شیخ نے اہل درعیہ سے فارغ ہو کر اطراف وجوانب کا رُخ کیا اور ہر طرف دعوت وتبلیغ کا بازار گرم ہو گیا۔ تمام بڑے بڑے امراء و رؤساء وعلماء وقضاۃ کے نام خطوط لکھے اور انہیں "اصل اسلام" کی طرف بلایا۔ موجودہ رسم ورواج اور بدعات وخرافات کی جو آمیزش اسلام میں ہو گئی تھی۔ اُسے واضح طور پر بتایا۔ بعض نے قبول کیا۔ بعض نے سخت مخالفت، وعداوت سے مقابلہ کیا۔ شیخ کو احمق، جاہل، اور جادوگر اور طرح طرح سے متہم کیا۔ جب مخالفت اس حد تک پہنچی اور عداوت وعناد کا سلسلہ انتہا کو پہنچا، حق کے واضح ہونے کے بعد بلند عین وبے دین لوگوں سے جہاد کیا گیا۔ اور مطابق آیہ کریمہ قاتلوا الذین لا یومنون باللہ۔ الآیہ[۱]

[۱] اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ کافروں سے جہاد وقتال کریں۔ وہابیہ کا اس آیہ مبارکہ سے استدلال کرتے ہوئے مسلمانوں سے جہاد وقتال کو فرض

(بقیہ نوٹ ص۴۳ پر)

ایسے نام کے مسلمانوں سے جو نہ حلال کو حلال سمجھتے تھے اور نہ حرام کو حرام، جنگ کی گئی۔ اور اس فریضہ کی ادائیگی میں جو کچھ دشواریاں اور مصائب و آلام تھے سب جھیلے، مہمان اور مہاجرین کا تانتا بندھ گیا اور شیخ کے ذمہ قرض کا بار گراں ہونے لگا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے "فتوحات" کے ذریعہ اسے ادا کرا دیا۔ ابن سعود نے شیخ کی مرضی کا آخر دم تک احترام واعزاز کیا اور ان کی تعلیم و تلقین کی بدولت وہ اور اس کا خاندان تمام ممالک نجد وعراق وحجاز وغیرہ پر رفتہ رفتہ قابض ہو گئے۔" نیز مدینہ منورہ میں "الجامعۃ الاسلامیۃ" کے نائب رئیس عبدالعزیز بن باز کے تالیف کردہ عربی رسالہ "الشیخ محمد بن عبدالوہاب" کے صفحہ ۲۴ پر ہے کہ "ثم بدأ بالجهاد وكاتب الناس الى الدخول في هذا المبدا ان وازالة الشرك الذي في بلادهم۔ وبدأ باهل نجد" الخ۔ ابن سعود کے ساتھ معاہدہ طے پا جانے کے بعد ابن عبدالوہاب نے جہاد کا آغاز کر دیا۔ اور اس نے لوگوں کو خطوط لکھے کہ وہ بھی ان کے اس جہادِ وہابیہ کے میدان میں، ان کے ساتھ شریک ہو جائیں اور ان کے شہروں میں جو شرک پھیل رہا ہے۔ اس کے ازالہ میں جدّوجہد کریں۔

(بقیہ نوٹ ص۴۲) قرار دینا ثابت کرتا ہے کہ وہ صرف وہابیوں کو مسلمان اور باقی تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ اس طرح کا غلط استدلال خارجیوں کا مخصوص طریقہ ہے بخاری شریف کے ص۱۰۲۴ پر روایت ہے کان ابن عمر یراهم شرار خلق الله وقال انهم انطلقوا الى آيات نزلت في الكفار فجعلوها على المؤمنين حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خارجیوں کو بدترین خلائق جانتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ جو آیات کفار کے بارے میں نازل ہوئیں۔ یہ خارجی ان آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ پس وہابیہ کے اس طرز عمل سے ثابت ہوا کہ یہ لوگ حقیقۃً خارجی ہی ہیں۔ اب چاہے یہ لوگ خود کو چھپانے کی خاطر اپنے کچھ بھی نام رکھ لیں۔ ناظرین اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے "تنویر الایمان" اور "تنویر البرہان" دونوں کتابوں کا ضرور مطالعہ کریں۔
(مؤلف)

اور اس جہاد کا آغاز اہل نجد سے کیا گیا"۔ اسی رسالہ کے ص ۲۸ پر ہے واستمر الشیخ فی الدعوۃ والجہاد وساعدہ الامیر محمد بن سعود امیر الدرعیۃ وجد الاسرۃ السعودیۃ علی ذالک ورفعت رأیۃ الجہاد وبدأ الجہاد من عام ۱۱۵۸ بدأ الجہاد بالسیف وبالکلام والبیان والحجۃ والبرہان ثم انتقلت الدعوۃ الی طور الجہاد بالسیف۔" شیخ نے دعوت وجہاد کا سلسلہ پوری قوت سے جاری رکھا۔ اور اس دعوت و جہاد میں امیر درعیہ محمد بن سعود نے اس کی پوری پوری مدد کی۔ اور خاندان سعودیہ نے اس سلسلۂ دعوت وجہاد میں پورا پورا زور لگا دیا۔ ۱۱۵۸ھ میں علم جہاد بلند کر کے جہاد کا آغاز کیا گیا۔ ابتداءً یہ جہاد تلوار اور کلام، بیان، حجۃ اور براہان سے شروع کیا گیا اور پھر آگے چل کر یہ (وہابیت کی) دعوت صرف جہاد بالسیف کی طرف منتقل ہو گئی"۔ رسالہ مذکور کے ص ۲۹ پر ہے۔ "فجد الشیخ رحمۃ اللہ فی الدعوۃ والجہاد وساعدہ انصارہ من آل سعود طیب اللہ ثراہم علی ذالک استمر وافی الجہاد والدعوۃ من عام ۱۱۵۸ الی ان توفی الشیخ فی عام ۱۲۰۶ھ فاستمر الجہاد والدعوۃ قریبا من خمسین عاما"۔ پس شیخ (نجدی) نے دعوت وجہاد میں پورا زور صرف کر دیا۔ اور آل سعود میں سے اس کے مددگاروں نے اس کا پورا پورا ساتھ دیا۔ ۱۱۵۸ہجری سے شیخ کے وفات پانے تک ۱۲۰۶ہجری تک مسلسل تقریباً پچاس برس اس دعوت و جہاد میں مصروف رہے"۔

واضح رہے کہ ۱۱۷۹ھ/۱۷۶۵ء میں محمد بن سعود پورے اکیس (۲۱) برس بے گناہ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل کر وفات پا گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عبدالعزیز بن محمد بن سعود اس کا جانشین ہوا۔ اس نے شیخ نجد کی سرکردگی میں مسلمانوں کے قتل و غارت کرنے میں اپنے باپ سے بڑھ چڑھ کر شدید کاروائیاں کیں۔

متعصب، وہابی مسعود عالم ندوی لکھتا ہے "خود شیخ الاسلام (ابن عبدالوہاب نجدی) بہ نفس نفیس عام تبلیغی کاموں کی دیکھ بھال کرتے اور امیر عبدالعزیز صرف ایک مطیع شاگرد کی طرح ان کے احکام اور ہدایتوں کی تعمیل کرتا"۔ (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۱۷) یہاں تک کہ ۱۲۰۶ھ/۱۷۹۲ء میں، بانوے سال کی عمر میں شیخ نجدی بیشمار بے گناہ مسلمانوں کا خون اپنی گردن پہ لاد کر آنجہانی ہو گیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹوں اور پوتوں نے اس ناپاک مہم کو برابر جاری رکھا۔ عربی رسالہ۔ الشیخ محمد بن عبدالوہاب ص ۳۲ پر ہے۔ ثم بعد وفاۃ الشیخ رحمۃ اللہ علیہ استمر ابناءہ واحفادہ وتلامیذہ وانصارہ فی الدعوۃ والجہاد وعلی رأس ابناءہ الشیخ الامام عبداللہ بن محمد والشیخ حسین بن محمد والشیخ علی بن محمد والشیخ ابراہیم بن محمد ومن احفادہ الشیخ عبدالرحمان بن حسن والشیخ علی بن حسین والشیخ سلیمان بن عبداللہ بن محمد وجماعۃ آخرون"۔ شیخ (ابن عبدالوہاب) کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں، پوتوں، شاگردوں اور مددگاروں نے سلسلۂ دعوت وجہاد کو زور شور کے ساتھ جاری رکھا اس کے سرکردہ بیٹوں میں سے عبداللہ بن محمد، حسین بن محمد، علی بن محمد، ابراہیم بن محمد اور اس کے پوتوں میں سے عبدالرحمن بن حسن، علی بن حسین اور سلیمان بن عبداللہ بن محمد کے نام قابل ذکر ہیں۔ نیز ان کے ساتھ دوسرے لوگوں کی جماعت بھی شریک تھی۔ پھر اس کے شاگردوں کے نام لکھنے کے بعد تحریر ہے"۔ ولیس بین ہؤلاء الدعاۃ وخصومہم شیٔ الا ان ہؤلاء دعوا الی توحید اللہ واخلاص العبادۃ للہ عز وجل والاستقامۃ علی ذالک وہدم المساجد والقباب التی علی القبور"۔ ان دعاۃ (وہابیہ) اور ان کے دشمنوں

(مسلمانوں) کے درمیان سوائے اس کے اور کوئی وجہ خصومت نہ تھی۔ کہ یہ دعاۃ (وہابیہ) ان مسلمانوں کو توحید الٰہی اور اللہ کی خالص عبادت پر استقامت کی دعوت دیتے تھے۔ اور قبروں (مزارات) پر بنے ہوئے قبّوں اور مسجدوں کو ڈھانا دشمنی کی بنیاد تھا۔"

امیر عبدالعزیز نے سرزمین حجاز مقدس پر جارحانہ حملوں کا آغاز کیا اور یلغار کرتا ہوا مکہ مکرمہ پر قابض ہو گیا۔ حرم محترم اور کعبۃ اللہ بھی وہابیہ کی دستبرد سے محفوظ نہ رہا۔ باشندگان مکہ مکرمہ پر ذرہ بھر رحم نہ کیا گیا۔ علمائے کرام اور سادات کو چن چن کر تہہ تیغ کیا گیا۔ مسلمانوں کی جان، مال اور عزت و آبرو کوئی چیز ان کے ہاتھوں محفوظ نہ رہی۔ مکہ مکرمہ کی گلیاں مسلمانوں کے خون سے بھر دی گئیں۔ ان کے لڑکوں کو غلام بنا لیا گیا۔ اور ان کی عفت مآب خواتین و مستورات کو لونڈیاں قرار دے کر ان کی جبراً عصمت دری کی گئی۔ قتل عام کے بعد لوٹ مار کا آغاز ہوا۔ مسلمانوں کا مال و متاع لوٹ لیا گیا۔ حتیٰ کہ حرم کعبہ کا جملہ قیمتی سامان لوٹ لینے کے علاوہ کعبہ کا غلاف تک اتار کر مال غنیمت میں شامل کر لیا گیا۔

جب وہابیوں کی ان سفاکانہ کارروائیوں کی اطلاع سلطان ترکی تک پہنچی تو سلطان ترکی نے ان کی گوشمالی کے لئے اپنی فوج کو فوری کارروائی کا حکم دے دیا۔ یہ فوج قہر الٰہی کی صورت وہابیوں پر ٹوٹ پڑی۔ اور متعدد خونریز لڑائیوں کے بعد انہیں مکہ مکرمہ سے نکال باہر کیا۔ ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء میں جب امیر عبدالعزیز بن محمد بن سعود کو درعیہ میں ایک ایرانی نے قتل کر دیا۔ تو اس کا بیٹا سعود بن عبدالعزیز اس کا جانشین بنا۔ اس نے اپنے باپ اور دادا سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف آتش جنگ کو بھڑکایا۔ اور مکہ مکرمہ پر شدید حملے کر کے ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء میں مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوا۔ اب کی بار مسلمانان مکہ پر پہلے سے بھی زیادہ مظالم ڈھائے گئے اور اندھا دھند

انتقامی کارروائیاں کی گئیں۔ اس کے ساتھ ہی مزارات مقدسہ بے دریغ گرا دیں اور پھاوڑے چلائے گئے۔ یہاں تک کہ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے مزار مقدس کے قبّوں کو بھی ڈھا دیا گیا۔ عربی رسالہ "الشیخ محمد بن عبدالوہاب" کے ص ۳۳ پر ہے۔ وهدموا ما فيها من القباب التي بنيت على قبر خديجة وغيره فازالوا القباب كلها۔"

وہابیوں نے خدیجہ کی قبر پر بنے ہوئے قبّوں کو منہدم کر دیا۔ اور اس کے علاوہ (جنت البقیع کے) تمام مزارات کے قبّے مسمار کر دئے۔" اس سے قبل سعود بن عبدالعزیز طائف کو فتح کر چکا تھا۔ دو سال بعد ۱۲۲۰ھ/۱۸۰۵ء میں اس نے مدینہ منورہ کو بھی فتح کر لیا۔ اور لوٹ مار کی عام اجازت دے دی۔ وہابیوں نے شہر مدینہ میں لوٹ مار کے بعد حرم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خوب لوٹا مسجد نبوی میں بچھے ہوئے قالین جھاڑ فانوس تک لوٹ لئے گئے۔ اور شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس و انور سے غلاف تک اتار کر مال غنیمت میں شامل کر لئے۔ عاشقان رسول کے پیش کئے ہوئے نذرانوں سے جمع شدہ خزانوں کو بھی لوٹ لیا گیا۔ اور اس بیش قیمت مال و متاع سے ساٹھ اونٹ لاد کر اپنے دارالسلطنت لے گئے۔ ان کامیابیوں کے بعد وہابیہ کے حوصلے مزید بلند ہو گئے۔ اور ان کی فوجیں یلغار کرتی ہوئی عراق و شام کی حدود میں داخل ہو گئیں۔ کربلائے معلیٰ پر حملہ کر کے بار الحسین کو تاخت و تاراج کر دیا گیا۔ اب انہیں اپنی قوت پر اس قدر گھمنڈ پیدا ہو چکا تھا۔ کہ تمام دنیا کو فتح کر لینے کے خواب دیکھنے لگے۔ متعصب وہابی مسعود عالم ندوی لکھتا ہے "اس (فتح مکہ) کے بعد اہل نجد کے حوصلے بڑھ گئے۔ ان کی نگاہیں شام کی طرف اٹھنے لگیں۔ اور تمام دنیائے اسلام کو دعوت توحید سے آشنا کرنے کا خیال ان کے دلوں میں گدگدی پیدا کرنے لگا۔ ان کی دینی غیرت اور قومی شجاعت کامیابی کی ضمانت تھی۔ شام اور عراق

کے کئی علاقوں پر کئی کامیاب حملے بھی کئے۔" (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص۱۸)
جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی۔ اور پورے جزیرۃ العرب کے علاوہ عراق اور شام بھی خلافت عثمانیہ (ترکی) کے ہاتھ سے نکلنے لگے۔ تو سلطان محمود نے خدیوِ مصر محمد علی پاشا کو لکھا کہ وہابیوں کا استیصال کیا جائے۔ اور ساتھ ہی ترکی فوجوں کو حکم دیا کہ جتنی جلد ممکن ہو فتنۂ وہابیت کو کچل دیا جائے۔ ۱۲۲۶ھ میں ترکی اور مصری افواج وہابیہ کی سرکوبی کے لئے میدان میں کود پڑیں۔ خدیوِ مصر محمد علی پاشا کے حکم سے اس کا بیٹا طوسون پاشا مدینہ کے محاذ پر اسلامی لشکر لے کر پہنچا۔ لیکن ابن سعود کی فوج سے گھمسان کی جنگ لڑتے کے باوجود شکست کھا گیا۔ دوسرے سال طوسون پاشا تازہ دم فوج لے کر میدان میں اترا ادھر ابن سعود بھی پوری تیاری کے ساتھ مقابل ہوا۔ اس نے اس بار بھی سر توڑ مقابلہ کیا۔ مگر طوسون پاشا کی فوج نے وہابیہ کی فوج پر متواتر کاری ضربیں لگائیں۔ اور انہیں پے بہ پے شکستیں دے کر مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ اور جدہ سے نکال کر دم لیا۔ اسی دوران ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء سعود بن عبدالعزیز کا اڑسٹھ برس کی عمر میں انتقال ہو گیا اور اس کا بڑا بیٹا عبداللہ تخت پر بیٹھا۔ خدیوِ مصر نے عبداللہ کو لکھا کہ روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسجد نبوی کا لوٹا ہوا مال و متاع واپس کیا جائے۔ لیکن عبداللہ نے انکار کر دیا۔ اس پر خدیوِ مصر بنفس نفیس حجاز پہنچا اور مسلسل تین چار لڑائیوں میں عبداللہ کی فوج کو تہس نہس کرتے ہوئے دارالسلطنت درعیہ کا محاصرہ کر لیا۔ انجام کار ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء میں عبداللہ بن سعود نے ہتھیار ڈال دئے۔ عبداللہ بن سعود کو گرفتار کر کے باغی کی حیثیت سے استنبول بھیجا گیا۔ جہاں اسے حکم سلطانی سے سزائے موت دے دی گئی۔ اور دوسری طرف علاقہ نجد میں وہابیہ کی بچی کھچی فوجوں کو خدیوِ مصر محمد علی پاشاہ کے صاحبزادے ابراہیم پاشا نے کچل کر تباہ کر دیا۔ ۱۹۱۷ء کی پہلی جنگ عظیم میں جب فرانس، برطانیہ اور زارِ روس کی متحدہ طاقتوں

نے ترکی کو شکست دے کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے اور مصطفیٰ کمال پاشا نے ۱۹۲۳ء میں باقیماندہ حصے پر لادینی حکومت قائم کی تو حرمین شریفین کا کوئی محافظ نہ رہا۔ میدان خالی پا کر نجدی وہابیہ نے از سر نو اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود نے اپنی قوت مجتمع کر کے لڑائیوں کا سلسلہ پھر سے شروع کر دیا اور علاقۂ نجد میں سے مصری و ترکی فوجی دستوں کو نکال دینے میں کامیاب ہو گیا اور یہ اس لئے ہو سکا کہ ترک فوجیں فرانس، برطانیہ اور روس کے مقابلہ میں مصروف تھیں لہٰذا ترکی حکومت ان فوجی دستوں کو کمک نہ پہنچا سکتی تھی۔ نجدی وہابیہ نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر ۱۲۴۰ھ ہجری میں نجد کے پورے علاقہ پر تسلط جما لیا۔ تاہم علاقۂ حجاز مقدس پر ترکی حکومت کا قبضہ برقرار رہا۔

نجدی وہابیوں نے نجد پر قبضہ جما لینے کے بعد حکومت برطانیہ کی مدد سے اپنی افواج کو از سر نو منظم اور مستحکم کر کے علاقہ حجاز پر حملے شروع کئے۔ طویل مدت کی لڑائیوں کے بعد عبدالعزیز بن عبدالرحمان بن فیصل بن ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود نے انگریزوں کی حمایت و امداد سے ۱۹۲۵ء کے آخر میں حجاز پر بھرپور حملہ کر دیا۔ حجاز کے بادشاہ شریف حسین سے چونکہ بعض سیاسی وجوہ کی بناء پر حکومت برطانیہ کا بگاڑ پیدا ہو چکا تھا۔ اس لئے انگریزوں نے والئی نجد کو سیاسی جوڑ توڑ اور مالی و فوجی امداد و اعانت کے ذریعہ اس حملہ کی ترغیب دی تھی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں چند مختصر لڑائیوں کے بعد نجدی وہابیوں نے سلطنت حجاز پر قبضہ کر لیا۔ شریف حسین گرفتار ہوا اور انگریزوں نے اسے جزیرہ قبرص میں لے جا کر نظر بند کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد شریف حسین کا اسی حالت نظر بندی میں انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا شریف علی تخت پر بیٹھا لیکن جلد ہی اسے ابن سعود کے ہاتھوں مکمل شکست اٹھانی پڑی اور فرار ہو گیا۔ اس طرح نجدی وہابی حرمین شریفین (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) اور سارے حجاز مقدس پر ۱۳۴۳ھ ہجری میں قابض ہو گئے۔
مکہ مکرمہ اور مدینہ کے قبرستان جنت المعلیٰ اور جنت البقیع کے مقابر و مآثر کو

منہدم کرا دیا گیا۔ اور مساجد کو منہدم کرانے سے بھی دریغ نہ کیا گیا۔ مکہ معظمہ کے آثار مقدسہ مثلاً مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مولد فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور دوسرے مقامات مقدسہ کو بالکل پامال کر دیا گیا۔ سیدہ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے مزار پاک کو نہایت توہین کے ساتھ مسمار کیا گیا۔ اور اس پر گولیاں چلائی گئیں۔ فائر نگ کرتے وقت وہابی یوں کہتے "اب تک اپنی پوجا کراتی رہی ہے اب اٹھ اور اٹھ کر ہمارا مقابلہ کر۔" اس کے علاوہ حضرات اہل بیت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور شہداء اور اولیاء کے مزارات مقدسہ کی سخت توہین اور بے ادبی کے مرتکب ہوئے اور سب ڈھا دئے۔ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزارات مطہرہ کو بھی پامال اور منہدم کرا دیا گیا۔ نیز مسجد ابو قبیس، مسجد بلال، مسجد نور، مسجد جن اور مسجد کوثر وغیرہم مساجد کو بھی مسمار کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہابیہ نے روضۂ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو مسمار کرنے کا بھی ارادہ کر لیا۔ مگر بعض ایسے مواقع پیش آئے کہ وہ اپنے اس ناپاک ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکے (ملاحظہ ہو ماہنامہ رضوان لاہور ماہ جولائی سنہ ۱۹۶۲ء و دیگر کتب تاریخ و رسائل)

نجدی وہابیوں کی ان مذموم کارروائیوں کے خلاف تمام ممالک اسلامیہ اور پوری دنیا کے مسلمانوں میں غم و غصہ کی شدید لہر دوڑ گئی۔ ان کی سخت مذمت کی گئی اور ان کے خلاف بڑی زوردار تحریکیں چلائی گئیں۔ تو تب جا کر یہ معاملہ بند ہو سکا۔ اگر یقین نہ آئے تو اس وقت کے اخبارات و رسائل اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ انشاء اللہ تسلی ہو جائے گی۔ عربی رسالہ "الشیخ محمد بن عبد الوہاب" صفحہ ۳۸ پر مقتدر وہابی کا بیان ہے "الا ان الحرمین لبقیا مفصولین عن الدولۃ السعودیۃ دھرا طویلا ثم عاد الیھم فی عام ۱۳۴۳ھ واستولی علی الحرمین الشریفین الامام عبد العزیز بن عبد الرحمان بن فیصل بن ترکی بن عبد اللہ بن محمد بن سعود رحمۃ اللہ علیہ

ولم یزل الا بحمد اللہ تحت ولایۃ ھذہ الدولۃ الی یومنا ھذا"۔

ایک طویل مدت (تقریباً ایک سو دس سال) تک حرمین (حرم مکہ معظمہ اور حرم مدینہ منورہ) مملکت سعودیہ سے باہر رہے پھر ۱۳۴۳ ہجری میں عبد العزیز بن عبد الرحمٰن بن فیصل بن ترکی بن عبد اللہ بن محمد بن سعود نے پلٹ کر حرمین شریفین پر اپنا تسلط قائم کیا اور اس وقت سے لے کر آج تک یہ علاقہ اسی حکومت سعودیہ کے تحت چلا آ رہا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین کی خدمت میں

امام الوہابیہ ابن عبد الوہاب نجدی اور اسکے متبعین کے عقائد کا مختصر نمونہ

بھی پیش کر دیا جائے۔ شیخ الاسلام علامہ سید احمد زینی دحلان مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "محمد بن عبد الوہاب نجدی کی برائیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد پڑھنے، اذان کے بعد منارہ پر درود شریف پڑھنے اور نماز کے بعد دعا مانگنے سے منع کرتا تھا۔ اور درود خوانی سے جلتا تھا۔ بلکہ ایسا کرنے والوں کو سخت تکلیف دیتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے اذان کے بعد منارہ پر درود پڑھنے والے ایک نابینا خوش الحان مؤذن کے قتل کا حکم دے کر اسے شہید کرا دیا۔ اور کہا کہ رنڈی کے گھر میں اس کی گانے بجانے والی چھوکری کی بہ نسبت مناروں پر درود پڑھنے والوں کا گناہ زیادہ ہے"۔ (الدرر السنیہ صفحہ ۴۲) ابن عبد الوہاب نجدی نے اپنے پیروؤں کو کتب فقہ دیکھنے سے منع کر دیا تھا اور بہت سی کتابیں جلا ڈالیں اس نے اجازت دے دی کہ ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق معنے گھڑ لیا کرے۔ جب کوئی شخص اس کے بہکانے میں آ کر یا اس کے ظلم و ستم سے عاجز آ کر مذہب وہابیہ میں داخل ہوتا تو پہلے اس سے کلمہ پڑھوایا جاتا اور پھر اسے کہا جاتا کہ تو اپنے آپ پر گواہی دے کہ تو اب تک کافر تھا۔ اب مسلمان ہوا ہے۔ اور اپنے ماں باپ پر گواہی دے کہ وہ کافر مرے۔ اکابر ائمہ سلف سے ایک جماعت کے نام لے کر کہا جاتا کہ تو ان پر

گواہی دے کہ یہ سب کافر تھے پھر اگر اس نے یہ سب گواہیاں دے دیں۔ تو مقبول ورنہ مقتول ہوتا ذراسی پس و پیش کرنے پر بھی قتل کر دیا جاتا۔ ابوالوہابیہ صاف کہتا کہ چھ سو برس سے پوری اُمّت کے سارے مسلمان کافر تھے۔ اسے سر مُنڈانے میں اس قدر غلو تھا[1] کہ جب کوئی مسلمان مذہب وہابیہ قبول کرتا تو اس کے سر کے بال اُسترے سے مُنڈا دیتا۔ یہاں تک کہ کوئی عورت وہابن بنتی تو اُس کے سر کے بال بھی مُنڈاتا اور کہتا کہ یہ کفر کے زمانہ کے بال ہیں۔ ایک عورت نے اس کی اس روش پر کہا کہ جو مرد تیرے مذہب میں داخل ہوتے ہیں۔ تو اُن کی داڑھیاں بھی مُنڈا دیا کر۔ کہ یہ بھی تو زمانہ کفر کے ہی بال ہیں۔ مگر یہ داڑھیاں کیوں مُنڈاتا۔ جب کہ سرکار دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کی علامات میں داڑھی مُنڈانا نہیں فرمایا تھا۔ بلکہ صرف سر مُنڈانا ہی ان کی علامت قرار دیا تھا۔ ابن عبدالوہاب نجدی ائمہ کے مذہب اور علماء کے اقوال پر طعن کرتا اور اس کے باوجود بطور تقیہ عنبلی ہونے کا دعویٰ بھی کرتا۔ شیخ نجدی انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اللہ سے توسّل کرنے والوں کو صراحتہً کافر کہتا۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے حاضری دینے کو شرک صریح قرار دیتا۔ چنانچہ مقامِ احساء کے چند حضرات جو نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے روضۂ انور کی زیارت کے لئے مدینہ منوّرہ گئے۔ تو ان کی واپسی پر اُس نے سخت سزا دی۔ اُن کی داڑھیاں مُنڈا کر انہیں اُلٹا سوار کر کے درعیہ سے احساء پہنچایا گیا۔ ابن عبدالوہاب نجدی مشرکین کفّار کے بارے میں نازل شدہ آیات قرآن کو مسلمانوں پر چسپاں کر کے ان پر شرک و کفر کا فتویٰ لگاتا۔ (یہ خارجیوں کی مخصوص علامت ہے) دلائل الخیرات اور درود شریف کی دوسری کتابیں پڑھنے سے روکتا تھا۔ اور ان کتابوں کو جلا دیتا تھا۔ حضرت محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم

---

[1] اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ مخبر صادق رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ سیماھم التحلیق۔ ان کا نشان خصوصیت کے ساتھ سر مُنڈانا ہے۔ (مؤلف)

کی شانِ اقدس میں تنقیص کرتا اور کہتا کہ وہ تو محض ڈاکیہ ہیں۔ نیز وہابیہ کا مقولہ ہے کہ ہمارا عصا محمّد رسول اللہ سے بہتر ہے کیونکہ اس سے سانپ کو مارنے اور دیگر ضروریات میں نفع حاصل کیا جاتا ہے۔ اور محمّد تو مر چکے ہیں۔ ان میں اصلاً کوئی نفع باقی نہیں رہا۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

نیز وہابیوں کا عقیدہ ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے زنا کے وسوسے سے اپنی بیوی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے۔ کسی ولی اللہ، یا محمّد رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا تصوّر گدھے اور بیل کے خیال میں مستغرق ہونے سے زیادہ برا ہے۔ نیز ان کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا علم، ملک الموت اور شیطان کے علم کے برابر بھی نہیں۔ ملک الموت اور شیطان کے علم غیب کی وسعت نصّ قرآن سے ثابت ہے مگر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لئے علم غیب ماننا اور ثابت کرنا شرک و کفر ہے۔ وہابی مولوی اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔ کہ سارے انسان بشر ہونے کے لحاظ سے برابر ہیں مگر چونکہ اللہ نے اولیاء و انبیاء کو بڑائی دی ہے اس لئے وہ ہمارے بڑے بھائی ہوئے۔ ان کی تعظیم بڑے بھائی کی سی کرنی چاہیئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ نعوذ باللہ من ھفوات الوہابیہ۔

اگر وہابیہ کے عقائد تفصیل سے دیکھنے ہوں تو ان کی کتابیں۔ کتاب التوحید، تقویۃ الایمان۔ صراطِ مستقیم۔ براہین قاطعہ۔ وغیرہ دیکھنی چاہئیں۔ اس کے بعد اب

وہابیوں کے متعلق چند ناقابل تردید شہادتیں

ملاحظہ ہوں۔ تفسیر الصاوی علی الجلالین۔ مطبوعہ مصر ص۲۵۵ زیر آیہ۔ ان الشیطان لکم عدوٌّ فاتخذوہ عدوًّا۔ الآیۃ۔ تحریر ہے۔ وقیل ھذہ الآیۃ نزلت فی الخوارج الذین یحرّفون تاویل الکتاب والسنّۃ ویستحلّون بذالک دماء المسلمین واموالھم کما ھو مشاھد الآن فی نظائرھم

وهم فرقة بارض الحجاز يقال لهم الوهابية يحسبون انهم على شئ الا انهم هم الكاذبون استحوذ عليهم الشيطان فانساهم ذكر الله اولئك حزب الشيطان هم الخاسرون نسأل الله الكريم ان يقطع دابرهم" علماء نے فرمایا کہ یہ آیت ان خارجیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جو قرآن اور حدیث کی تاویل میں تحریف کرتے ہیں اور پھر اس تحریف کے ذریعہ مسلمانوں کے خون بہانے اور مال و متاع لوٹ لینے کو جائز ٹھہراتے ہیں۔ جیسا کہ انہی جیسے لوگوں سے اس زمانہ میں مشاہدہ میں آیا۔ یہ لوگ ارض حجاز میں ایک فرقہ ہے جنہیں وہابی کہا جاتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ وہی حق پر ہیں۔ حالانکہ درحقیقت یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ شیطان نے انہیں بہکا کر اللہ کی یاد سے بھلا دیا ہے۔ یہ لوگ شیطانی گروہ ہیں اور حقیقتاً شیطانی گروہ کے لوگ ہی گھاٹے میں رہنے والے ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کی جڑ کاٹ دے۔

حضرت العلامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ کا ارشاد

صاحب موصوف ملّت اسلامیہ کے باغیوں کے ذکر میں فرماتے ہیں "کما وقع فی زماننا فی اتباع ابن عبد الوهاب الذین خرجوا من نجد وتغلّبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذهب الحنابلة لکنّهم اعتقدوا انّهم هم المسلمون وانّ من خالف اعتقادهم مشرکون واستباحوا بذالك قتل اهل السنّة وعلماءهم حتّی کسر الله شوکتهم وخرّب بلادهم وظفر بهم عساکر المسلمین عام ثلاث وثلاثین ومأتین والف" جیسے کہ ہمارے زمانہ میں ابن عبد الوہاب کے متبعین کا واقعہ ہوا کہ یہ لوگ، نجد سے اٹھے اور انہوں نے حرمین (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) پر غلبہ حاصل کر لیا۔ یہ لوگ خود کو حنبلی مذہب کی طرف منسوب کرتے تھے۔ لیکن ان کا عقیدہ تھا۔ کہ صرف وہی مسلمان ہیں۔ اور جو کوئی ان کے

عقیدہ کے خلاف ہے۔ وہ مشرک (کافر) ہے۔ اسی بناء پر ان لوگوں نے مسلمانان اہل سنّت اور علمائے اہلسنّت کے قتل کو جائز ٹھہرایا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت کو توڑ دیا۔ ان کے شہروں کو برباد کر دیا اور اسلامی افواج کو ان پر فتح دی۔ یہ واقعہ ۱۲۳۳ھ ہجری میں ہوا۔

دیوبندیوں کے مایۂ ناز مولوی عبیداللہ صاحب سندھی کی گواہی

موصوف اپنی کتاب "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" ص۲۹ پر لکھتے ہیں "شیخ محمد بن عبدالوہاب ابن سلیمان ہیں۔ شیخ موصوف ۱۱۱۵ھ ہجری میں نجد کی بستی عیینہ میں پیدا ہوئے اور آپ ہی کی طرف وہابی جماعت منسوب کی جاتی ہے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب نے جب دعوت و تبلیغ شروع کی تو موصوف درعیہ تشریف لے گئے۔ اور وہاں کے امیر محمد بن سعود نے آپ کی اطاعت کر لی۔ یہ واقعہ ۱۱۵۹ھ ہجری کا ہے۔ اس کے بعد وہابی تحریک کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ اور نجد اور عمّان تک اس کا اثر پھیل گیا۔ ۱۲۲۰ھ ہجری تک حجاز اور یمن پر بھی وہابیوں کی عملداری ہو گئی۔ امام شوکانی کے شاگرد محمد بن ناصر حازمی لکھتے ہیں۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب صاحب علم بزرگ تھے۔ آپ کا طبعاً دینی قیادت کی طرف رجحان تھا۔ موصوف کے رسالے مشہور خاص و عام ہیں۔ ان میں سے بعض تو قابل قبول ہیں اور بعض ایسے ہیں جو رد کئے جاتے ہیں۔ شیخ موصوف کی دو باتیں ہیں۔ جو پسند نہیں کی جاتیں۔ ایک تو یہ ہے کہ انہوں نے چند بے اساس امور (بے بنیاد باتوں) کی بناء پر تمام دنیا کے مسلمانوں کو کافر قرار دیا ہے۔ چنانچہ داؤد بن سلیمان نے شیخ موصوف کے اس دعویٰ کا نہایت مناسب رد لکھا ہے۔ اور ان کی دوسری زیادتی یہ تھی کہ بلا کسی دلیل و حجّت کے انہوں نے بے گناہوں کو قتل کرنے کی اجازت دی چنانچہ شیخ موصوف یہ اعلان کیا کرتے تھے۔ کہ جس نے اللہ کے سوا کسی اور سے دعا کی یا کسی نبی، بادشاہ، عالم کو اس میں وسیلہ بنایا

تو وہ مشرک ہے خواہ دل سے چاہے یا انکار کرے اور اس کا عقیدہ رکھتا ہو یا نہ مانتا ہو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے رُوئے زمین کے سب مسلمانوں کو تکفیر کا نشانہ بنا دیا چنانچہ جو مسلمان اولیاء اللہ سے دُعا کراتے ہیں۔ ان کو موصوف نے کافر قرار دیا اور جو ان کے کفر میں شک کرے۔ شیخ موصوف نے ان شک کرنے والوں کو بھی کافر ثابت کیا۔ آپ ان لوگوں سے جو آپ کے مخالف تھے جہاد کرنا ضروری سمجھتے تھے اور جس طرح بھی بس چلے ان کے قتل کو رَوا جانتے تھے۔ اور ان کے مال و دولت کو لوٹنے کی اجازت دیتے تھے۔ موصوف نے اس طرح دُنیا جہان کے مسلمانوں کو زمرۂ کفار میں داخل کر دیا۔ گو شیخ نے شریعت کے ایک حصّہ کو جانا تو ضرور لیکن آپ نے اس میں امعانِ نظر سے کام نہ لیا۔ دراصل شیخ موصوف نے کسی ایسے اُستاد سے علم حاصل نہ کیا تھا۔ جو انہیں صحیح ہدایت پر لگاتا۔ اور تنقیح مند علوم کی طرف ان کی راہنمائی کرتا۔ اور دین کے معاملات میں ان میں تفقّہ اور سمجھ پیدا کرتا۔ طلب علم کے سلسلہ میں موصوف نے صرف اتنا کیا کہ شیخ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیمؒ کی بعض کتابیں پڑھ لیں۔ اور اُن کی تقلید کی درانحالیکہ یہ دونوں بُزرگ تقلید کو جائز نہ سمجھتے تھے۔ محرّم کی آٹھویں تاریخ ۱۲۱۸ھ ہجری میں ہفتہ کے روز دن دہاڑے انہوں نے حرم محترم پر حملہ کیا تھا۔ شیخ محمّد بن عبدالوہاب اس سے پہلے ۱۲۰۶ھ ہجری میں انتقال کر چکے تھے یہ حملہ شیخ موصوف کے صاحبزادے عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب کے عہد میں ہُوا۔ ابجد العلوم ص ۱۸۷ ثابت ہُوا کہ:۔

(۱) ابن عبدالوہاب نجدی کی پیروی کرنے والے وہابی ہیں (۲) شیخ نجدی اور ابن سعود نجدی کے باہمی معاہدہ کے بعد بے گناہ مسلمانوں کے قتل عام اور باقاعدہ لُوٹ مار کا آغاز ہُوا (۳) وہابیوں کا قُرآن پر ایمان نہیں اس لیے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے۔ من یقتل مومنا متعمّدًا فجزآءہٗ جھنّم خالدًا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہٗ، واعدّ لہٗ عذابًا

الیما ہ جس نے کسی ایک مومن کو عمداً قتل کیا۔ تو اس کی جزا ہمیشہ کے لیے جہنّم ہے۔ اللہ نے اس پر غضب کیا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ دردناک عذاب"۔ اگر وہابیہ کا قُرآن پر صحیح معنوں میں ایمان ہوتا تو شرعی جواز کے بغیر محض حصول دُنیا و اقتدار کے لیے مسلمانوں کے قتل عام کو جائز نہ ٹھہراتے (۴) وہابیہ کا حدیث رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر بھی ایمان نہیں۔ اس لیے کہ سرکار دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان ہے۔ لا یحل دم امرئ مسلم یشھد ان لا الٰہ الا اللہ و انی رسول اللہ الّا باحدی ثلاث الثیّب الزان والنفس بالنفس والتارك لدینه المفارق للجماعة (مسلم ص $\frac{59}{2ج}$) زانی محصن، قاتل اور مُرتد کے سوا کسی لا الٰہ الا اللہ محمّد رسول اللہ کی گواہی دینے والے مسلمان کو قتل کرنا حلال نہیں۔ اگر وہابیہ کا حدیث پر ایمان ہوتا تو مسلمانوں کو بے بنیاد حیلوں بہانوں سے بلا کسی دلیل و حجّت شرعی کے قتل کرنے کے فتوے نہ دیتے، اہل اسلام کے قتل و غارت کرنے کو حلال نہ ٹھہراتے اور ان کا قتل عام نہ کرتے (۵) وہابیوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے احکام کی کچھ بھی قدر اور احترام نہیں اس لیے کہ قرآن اور حدیث میں حرم کعبہ میں قتل و قتال کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ قُرآن کا ارشاد ہے مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (پ۴ ع۱) جو اس حرم میں آئے امان میں ہو۔" اور حدیث میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا وانّہٗ لم یحلّ القتال فیه لِاَحَدٍ قبلی ولم یحلّ لی اِلّا ساعة من نھار فھو حرامٌ بحرمة اللہ اِلیٰ یوم القیامة۔

مجھ سے پہلے حرم مکہ میں کسی کے لئے قتال حلال نہ ہوا۔ اور میرے لیے بھی دن کی ایک ساعت کے سوا حلال نہ ہُوا۔ پس اللہ کے حرام ٹھہرانے سے حرم مکّہ میں قیامت تک قتال حرام ہے۔ (مشکوٰۃ کتاب المناسک باب حرم مکّہ فصل اوّل) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلّی اللہ علیہ وسلّم نے

حرم محترم میں قتل، و قتال کو تا قیامت حرام کیا۔ مگر وہابیوں نے حلال ٹھہرایا اور حرم مکہ
میں جنگ، و جدال اور قتل و قتال کرتے رہے (۶) وہابیوں کی مسلمانوں کے خلاف
ظالمانہ و سفاکانہ کارروائیوں سے ان کا مقصد محض حصول اقتدار تھا۔ مسلمانوں
کے علاقوں شہروں اور آبادیوں پر تسلط جما کر ہوس ملک گیری کو پورا کرنا تھا۔ اور
چونکہ مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف وسیع پیمانہ پر برسرپیکار کر دینا مشکل تھا۔ اس
لئے شیخ نجدی نے توحید و شرک کی آڑ میں کچھ بے بنیاد من گھڑت اُصول بنا کر
ان کے تحت صرف اپنی جماعت کو مسلمان اور باقی سارے مسلمانوں کو مشرک کافر
قرار دے کر ان کے قتل و غارت کو واجب ٹھہرایا اور پھر جن آیات قرآن میں مسلمانوں
کو کفار کے خلاف جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ ان آیات کے تحت جماعت وہابیہ پر
مسلمانوں کے خلاف جہاد کو فرض قرار دے دیا۔ اور اس طرح ان وہابیوں پر
رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان صادق آیا یقتلون اھل الاسلام
و یدعون اھل الاوثان (مسلم ص۳۴۱ ج۲) یہ لوگ مسلمانوں کو قتل
کریں گے اور بت پرستوں سے تعرّض نہ کریں گے۔" (۷) مولوی عبید اللہ صاحب
سندھی کے بیان سے بھی یہی واضح ہوا کہ وہابیہ کا امام دین اسلام کی تعلیمات
سے بے بہرہ تھا۔ دین کے معاملات میں سمجھ بوجھ سے عاری اور کوتاہ نظر تھا۔
(۸) نجدی وہابی بنیادی طور پر جہل مرکب میں گرفتار ہیں۔ کہ ایک طرف تو ان
لوگوں نے ائمہ مجتہدین کی تقلید کو ناجائز، حرام اور وسیلہ کفر و ضلالت ٹھہرایا۔
اور دوسری طرف خود کو امام مجتہد احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا مقلد بھی بتایا
پھر تماشا یہ کہ انہوں نے حنبلی ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے حنبلی مسلک کے مطابق
عمل کرنے کے بجائے تقلید کی بھی تو ابن قیم اور ابن تیمیہ کی جو بجائے خود تقلید کو
حرام و ناجائز کہتے ہیں۔

وہابیوں کی تقیہ بازی کا نمونہ

ملاحظہ ہو۔ ابن عبدالوہاب نجدی کی کتاب "التوحید" کے مقدمہ میں ص۱ پر

تقلید ائمہ مجتہدین کو دین کی تباہی و بربادی کا ذریعہ اور وسیلۂ شرک و کفر قرار دیا
گیا ہے اور ائمہ مجتہدین کا مذاق اُڑاتے ہوئے لکھا ہے" یہ بارہویں صدی ہجری
کے آخر کا واقعہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نجات کے اسباب غیب سے
مہیا کئے اور چند نیک نفوس کی بدولت دین کے بچے کھچے حصّہ کو بربادی سے بچا لیا۔
یہ جماعت مدینہ منورہ سے نکل کر متفرق ممالک و دیار میں پہنچی اور اسلام کے زنگدار
تلوار کو صیقل و جلا کے ذریعہ پھر سے چمکدار و آبدار کیا قلب عرب میں شیخ محمد
بن عبدالوہاب کو اللہ تعالیٰ نے یہ خدمت عطا کی، ہند میں شاہ ولی اللہ محدث
دہلوی کو، بلاد مغرب میں شیخ سنوسی کو غرض اس طرح سے ایک اصلاحی لہر تمام
عالم میں پھیل گئی۔ مُردہ قوم میں زندگی کے آثار شروع ہو گئے۔ بدعات و رسوم
شرک و کفر جہل و نفاق کے علامات بدلنے لگے۔ ان لوگوں نے علمی و عملی ہر حیثیت
سے اصلاح کی اور اسلام کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو پھر سے روشن کر دیا ان
کی بدولت تحقیق و اتباع سُنّت کا دروازہ کھلا جسے اہل بدعت و مقلدین
عرصہ سے بند کر چکے تھے حتمی اور آخری فیصلہ جو قرآن کے نص سے زیادہ صحیح اور
واضح سمجھا جاتا ہے "اجماع" کے نام سے مشہور کر چکے تھے" اجتہاد کا دروازہ بند
ہو گیا۔ کتاب و سنّت کے سمجھنے والے مر چکے اور تمام اُمّت محمدیہ میں صرف یہ
چار شخص ایسے ہوئے ہیں جنہیں یہ فہم نصیب ہوتی باقی سب پر تقلید
فرض ہے۔" اس غلط اور پُر از افک و بہتان دعویٰ نے دین کو انتہائی پستی
اور تحقیق و تدبّر کو بیکار کر دیا تھا اس حصن باطل اور وسیلہ کفر و ضلالت
کو انہوں نے پوری کوشش سے مٹایا اور برباد کر دیا۔" مندرجہ بالا عبارت
میں ابن عبدالوہاب نجدی، شاہ ولی اللہ دہلوی، اور شیخ سنوسی کو نہ صرف
غیر مقلد بلکہ تقلید کو مٹانے والے بیان کیا گیا ہے۔ اور مقلدین اور ائمہ مجتہدین
پر کمال بیحیائی کے ساتھ پھبتی کسی گئی ہے۔ مگر یہ تماشہ دیکھئے کہ اسی مقدّمہ میں
ہی ص۷ پر یہ بتایا گیا ہے کہ ابن عبدالوہاب نجدی تقلید کو مٹانے والا غیر مقلد

نہیں تھا بلکہ امام مجتہد احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا مقلد تھا کمال ڈھٹائی کے ساتھ صاف لکھ دیا کہ "شیخ (ابن عبد الوہاب) اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔" منجملہ ان کے ایک بیت یہ ہے ؎

وبالنعمة العظمیٰ اعتقاد ابن حنبلٍ علیها اعتقادی یوم کشف السرائر

یعنی میں اللہ کا شکر کس زبان سے کروں جس نے مجھ پر یہ عظیم نعمت فرمائی کہ مجھے احمد بن حنبل کا معتقد بنایا جو سلف صالحین کا اعتقاد ہے یہی میرا عقیدہ روزِ محشر ہوگا۔ غور کا مقام ہے کہ وہابی مضمون نگار نے صنا پر تقلید کو وسیلۂ ضلالت و کفر اور دین کی تباہی و بربادی کا موجب لکھا لیکن صنا پر شیخ نجدی ہی کی زبان سے کہلوا دیا کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید، اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے امام احمد بن حنبل کا مقلد بنایا۔ سچ ہے اِذْ لَمْ تَسْتَحِیْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ (بخاری) بےحیا باش و ہرچہ خواہی کن۔

اس کے علاوہ وہابی مقدمہ نویس نے شاہ ولی اللہ صاحب کو بھی غیر مقلد، تقلید کو مٹانے والا۔ اور تحریک وہابیہ کے بانیوں میں شمار کیا ہے۔ تو اس کے متعلق واضح رہے کہ یہ بات شاہ صاحب موصوف کی زندگی کے آخری دور کے متعلق کسی حد تک درست کہی جا سکتی ہے۔ لیکن انہیں تحریک وہابیہ کے بانیوں میں شمار کرنا صریحاً غلط اور ظلم عظیم ہے۔ چونکہ شاہ صاحب موصوف کے متعلق صحیح صورت حال سے بہت کم لوگ واقف ہیں اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ

شاہ ولی اللہ صاحب کے سُنّی حنفی یا غیر مقلد وہابی ہونے کی تحقیق

مختصراً بیان کر دی جائے تاکہ ناظرین صحیح نتیجہ تک پہنچ سکیں۔ واضح رہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی زندگی کے پہلے دور میں پکے حنفی اور عقائد اہل سنت و جماعت کے نہ صرف حامل بلکہ مبلغ و داعی تھے۔ مگر افسوس کہ زندگی

کے دوسرے دور میں یعنی نجد و حجاز میں ابن عبد الوہاب نجدی سے ملنے کے بعد وہابیت سے متاثر ہو گئے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی زندگی کا پہلا دور

مولوی عبید اللہ صاحب سندھی "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" کے صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳ پر لکھتے ہیں "بات دراصل یہ ہے کہ امام ولی اللہ اگرچہ اپنے والد کی طرح حنفی مذہب کے پابند تھے۔ مگر وہ حنفی اور شافعی دونوں مذہبوں کی کتابیں محققین کی طرح پڑھاتے تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب "فیوض الحرمین" میں فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں توجہ کی اور ان سے یہ معلوم کرنا چاہا کہ وہ مذاہب فقہ میں سے کس مذہب کی طرف زیادہ میلان رکھتے ہیں۔ تاکہ میں اس کو مضبوطی سے پکڑوں۔ چنانچہ مجھ پر یہ کھلا کہ ان کے نزدیک سب مذاہب برابر ہیں۔ اور ان کی روح اقدس کو اس حالت میں فروعات کے معلوم کرنے کا خیال نہیں ہے۔" اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شاہ ولی اللہ صاحب مقلد حنفی تھے۔ نیز شاہ صاحب موصوف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نجدی وہابیوں کی طرح (نعوذ باللہ) مردہ اور بے خبر نہیں جانتے تھے۔ بلکہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر یقین و اعتقاد رکھتے تھے کہ حل مشکلات کیلئے بارگاہ رسالت میں متوجہ ہوتے اور کامیاب بھی ہوتے تھے۔ حالانکہ وہابی اس عقیدہ کو شرک و کفر قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ شاہ صاحب موصوف "فیوض الحرمین" میں کئی مقامات پر اپنے مشاہدات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر آن مخلوق کی طرف متوجہ ہیں۔ خلقِ خدا پر رحم فرماتے ہیں۔ اور مظلوموں اور مصیبت زدوں کی فریاد رسی اور مدد فرماتے ہیں۔ درود شریف پڑھنے والے کے درود کو سنتے ہیں۔ اور درود پڑھنے والے کو جانتے پہچانتے ہیں اور اس سے

خوش ہوتے ہیں۔ نیز یہ کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہر مومن نمازی کے وجود میں موجود ہوتے ہیں۔ تمام مخلوق کے نہایت قریب اور نگہبان ہیں۔ محتاجوں کی دستگیری فرماتے ہیں۔ روضۂ انور پر حاضر ہونے والوں کو دیکھتے اور پہچانتے ہیں۔ سائلوں کے سوالات پورے فرماتے اور بعض خوش نصیبوں سے کلام بھی فرماتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہابی صاحبان ان میں سے کسی بات کو صحیح تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ ایسے عقائد رکھنے والوں کو قطعاً مشرک، کافر اور گردن زدنی قرار دیتے ہیں۔

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

نیز شاہ صاحب موصوف اپنی تالیف "قول الجمیل" میں بیعت طریقت کو قرآن و حدیث سے ثابت کر کے سنّت قرار دیتے ہیں۔ اور راہِ سلوک کی وضاحت فرماتے ہوئے ذکر نفی و اثبات، پاس انفاس، طریق مراقبہ، طریقہ ربط قلب بہ شیخ، تصوّر شیخ، کشف قبور اور مزارات مقدّسہ اولیاء اللہ سے فیوض و برکات حاصل کرنے کا طریقہ تعلیم فرماتے ہیں۔ اس کے برعکس وہابی صاحبان ان جملہ اُمور کی تردید کرتے اور عین شرک و کفر ٹھہراتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی اور ابن عبدالوہاب نجدی کے عقیدہ و تعلیم کا موازنہ

ملاحظہ ہو شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل ص ۷۴، ۷۵ شاہ صاحب موصوف فرماتے ہیں "وقالوا اذا دخل مقبرۃ قرأ سورۃ انّا فتحنا فی رکعتین ثم یجلس مستقبلا الی المیّت مستدبر الکعبۃ فیقرأ سورۃ الملک ویکبّر یہلّل ویقرأ سورۃ الفاتحۃ احدی عشر مرّۃ ثم یقرب من المیّت فیقول یا ربّ احدی وعشرین مرۃ ثم یقول یا روح یضربہ فی السماء ویا روح الروح یضربہ فی القلب حتّی یجد انشراحا ونورا ثم ینتظر لما یفیض من صاحب القبر علی قلبہ۔ ترجمہ:۔ مشائخ چشتیہ نے فرمایا کہ جب قبرستان میں داخل ہو تو

سورہ انّا فتحنا دو رکعت میں پڑھے اور میّت کے سامنے ہو کر کعبہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھے۔ پھر سورہ مُلک پڑھے اور تکبیر و تہلیل کہے اور گیارہ بار سورہ فاتحہ پڑھے۔ پھر میّت کے قریب ہو جائے پھر کہے یا ربّ یا ربّ اکیس ۲۱ بار۔ پھر کہے یا رُوح اور اس کو آسمان کی طرف ضرب کرے اور یا روح الرّوح کی دل میں ضرب لگائے۔ یہاں تک کہ کشائش و نور پائے۔ پھر اس فیضان کا منتظر رہے۔ جو صاحب قبر سے حاصل ہو سکے اس کے دل پر۔" شاہ صاحب کا بیان محتاج بیان نہیں۔ اب اس کے مقابلہ میں ابن عبدالوہاب نجدی کا فتویٰ دیکھئے "یہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ نُوح کی قوم نے جو کام کیا (یعنی قبر پرستی کی) وہ بہترین عبادت ہے پس جس چیز کو اللہ و رسول اللہ نے حرام کیا اس کا اعتقاد رکھا حالانکہ یہ ایسا صریح کفر ہے جس سے مال اور خُون حلال ہو جاتا ہے۔" (کتاب التوحید ص ۶۲) شاہ صاحب جو تعلیم دیتے ہیں ابن عبدالوہاب نجدی اسے ایسا صریح کفر کہتا ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو اسے قتل کرنا اور اس کے مال و متاع کو لُوٹ لینا جائز ہو جاتا ہے۔

نیز شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی نے سرکار دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں ایک مدحیہ قصیدہ "اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم" بزبان عربی لکھا ہے۔ اس کے صرف پانچ اشعار بطور نمونہ درج کرتا ہُوں :۔

۱۔ وصلّی اللہ علیک یا خیر خلقہ ؛ و یا خیر مأمول و یا خیر واہب

اے بہترین کائنات آپ پر اللہ تعالیٰ کا درُود ہو۔ اے بہترین اُمید گاہ اور اے بہترین صاحب عطا۔

۲۔ فاشہدُ انّ اللہ راحم خلقہٖ ؛ و انّک مفتاح لکنز المواہب

میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک آپ ہی بخشش کے خزانوں کی کنجی ہیں یعنی آپ کے وسیلہ کے بغیر اللہ تعالےٰ کے خزانوں میں سے کسی کو کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

۳- ومعتصم المکروب فی کلّ غمرۃ ؛ ومنتجع الغفران من کلّ تائب

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بغیر مجھے دوسرا کوئی نظر نہیں آتا۔ جہاں کہ مصیبت زدہ امداد کے لئے ہر سختی کے وقت ہاتھ مارے اور جہاں سے ہر توبہ کرنے والا طلب مغفرت کر سکے۔

۴- انت مجیری من ھجوم ملمۃ ؛ واذا انشبت فی القلب شر المخالب

یا رسول اللہ سختی کے حملوں سے آپ ہی مجھے پناہ دینے والے ہیں جب دل میں پنجہ ڈال دے مصیبت بلا کی۔

۵- فما انا اخشی ازمۃ مدلھمۃ ؛ ولا انا من ریب الزمان براھب

پس چونکہ آپ میرے حامی ہیں۔ اس لئے میں سختیوں کی تاریکیوں سے نہیں ڈرتا اور نہ مجھے گردش زمانہ کا خوف ہے۔

شاہ صاحب موصوف رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو حاضر ناظر جان کر حرف خطاب "یا" سے ندا کرتے ہیں۔ آپ کو مخلوق کے لئے اُمید گاہ، عطا فرمانے والے، پناہ دینے والے اور مددگار سمجھ کر آپ سے فریاد و استغاثہ کرتے ہیں اور اس امر کی گواہی دیتے ہیں۔ کہ رحمت و بخشش الٰہی کے خزانوں کی آپ کنجی ہیں۔

اس کے بالمقابل ابن عبدالوہاب نجدی کہتا ہے "شرک اکبر۔ اصل اور بڑا شرک یہی ہے کہ انسان غیر اللہ کو پکارے اور اس سے مدد طلب کرے" (کتاب التوحید ص۵۶) حتّٰی کہ وہابیوں کا یہ پیشوا شیخ نجدی حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق لکھتا ہے "جب حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کسی کے کام نہیں آسکتے تو اور کون کام آسکتا ہے" (کتاب التوحید ص۵۹) اس موازنہ سے ثابت ہوا کہ شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی اور ابوالوہابیہ شیخ نجدی ابن عبدالوہاب کے عقائد میں زمین آسمان کا فرق ہے دونوں کے نظریات مختلف ہیں اور دونوں کے راستے جدا ہیں۔ جن اُمور کو شاہ صاحب

موصوف عین اسلام سمجھتے ہیں انہی اُمور کو شیخ نجدی عین شرک و کفر قرار دیتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اگر شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی۔ مقلّد، حنفی اور عقائد اہل سنّت و جماعت کے حامل تھے تو پھر ان کی بعض کتابوں میں ایسی عبارتیں کیوں موجود ہیں جنہیں موجودہ وہابی اپنے عقائد باطلہ و خیالات فاسدہ کی تائید اور عقائد اہل سنّت کی تردید میں پیش کرتے ہیں۔ تو اس کے متعلق عرض ہے کہ شاہ صاحب موصوف کی بعض کتابوں کی یہ عبارتیں ان کے وہابیت سے متأثر ہو جانے کے بعد کی ہیں یعنی ان کی زندگی کے دوسرے دَور کی ہیں۔

شاہ ولی اللہ کی زندگی کا دُوسرا دَور

شاہ ولی اللہ صاحب کا نام احمد ہے آپ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب مقلّد، حنفی اور مشہور اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے تمام علوم اپنے والد سے حاصل کئے اور جیسے کہ آپ ابھی پڑھ چکے ہیں آپ بھی مقلّد، حنفی اور علوم شریعت و طریقت کے عالم باعمل تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد آپ ان کے جانشین بنے۔ آپ کو اس قدر شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی کہ آپ کو شاہ ولی اللہ اور قطب الدین جیسے معزز القاب سے نوازا جانے لگا۔ واضح رہے کہ شاہ صاحب موصوف ابن عبدالوہاب نجدی کے ہمعصر ہیں۔ جس زمانہ میں آپ ہندوستان میں دینی خدمات سرانجام دے رہے تھے اسی زمانہ میں شیخ نجدی نجد و حجاز میں وہابیت کے فروغ، قتل و غارت اور لوٹ مار میں مصروف تھا۔ جب شاہ ولی اللہ صاحب فریضۂ حج ادا کرنے حجاز مقدّس پہنچے تو وہاں آپ کی ملاقات ابن عبدالوہاب سے ہو گئی۔ شیخ نجدی یہ جان کر کہ آپ عالم شہیر اور مسلمانان ہند کے ذی اثر راہنما ہیں آپ سے بڑی گرمجوشی کے ساتھ پیش آیا اور میل جول بڑھتے بڑھاتے ان دونوں میں بے تکلّفی کی حد تک دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے۔ شاہ صاحب تحریک وہابیت کی سیاسی کامیابیوں کو دیکھ کر بڑے متأثر ہوئے اور ہمعاً ہندوستان میں سلطنت

قائم کئے ہوئے تھے اور سکھا شاہی پنجاب کے مسلمانوں کو کچلنے میں مصروف تھی۔ مغل تاجدار انگریزوں کا دست نگر اور وظیفہ خوار بن کر رہ چکا تھا۔ اس وقت کی سیاست عملاً یہ صورت اختیار کر چکی تھی۔ کہ "ملک اللہ کا حکومت بادشاہ کی اور حکم ایسٹ انڈیا کمپنی بہادر کا۔" اس پُرآشوب دور میں ضرورت اس امر کی تھی کہ راہنمایان قوم، ایسٹ انڈیا کمپنی کے اس بڑھتے ہوئے خطرہ کے سدِ باب کی منظم و مؤثر تدابیر اختیار کرتے اور ملک و ملت کی صحیح راہنمائی کر کے غاصب انگریز کے قدم جماتے ہوئے اقتدار کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکنے اور مسلمانوں کی متزلزل حکومت کو سہارا دینے کی خاطر قوم کو دشمنانِ ملک ملت کے خلاف صف آرا کر دینے کی جد و جہد کرتے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی قائم کردہ تحریکِ اقامت دین جو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی کوششوں سے کافی شہرت و مقبولیت حاصل کر چکی تھی۔ اس مقصد کے حصول کا مؤثر ذریعہ بن سکتی تھی۔ اگر اس تحریک کے موجودہ قائدین ملک و ملت کے اجتماعی مفاد میں اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کر لیتے۔ مگر افسوس کہ اس تحریک کی زمام قیادت ایسے افراد کے ہاتھوں میں آگئی تھی۔ جنہیں مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے بجائے ذاتی و گروہی مفاد عزیز تھا۔ اس لئے انہوں نے انگریزی سامراج کے خلاف مجاہدانہ کاروائی کرنے کے بجائے انگریزی سامراج کی غلامی اور وفاداری کو بہتر سمجھا۔ ان لوگوں نے انگریزی حکام کو اپنی مکمل وفاداری کا یقین دلا کر ان سے اپنی تحریک کے لئے تائید و حمایت کا وعدہ لیا۔ سید احمد اور اسمٰعیل دہلوی نے انگریز سے ساز باز کرتے ہوئے یہ اچھی طرح واضح کر دیا۔ کہ ان کی تحریک کا مقصد کسی بھی طرح انگریز کے اقتدار کی مخالفت یا انگریزی حکومت کو کسی قسم

کا نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اس تحریک کے تحت نعرۂ جہاد کا مقصد یہ ہے کہ ہم پٹھانوں کے سرحدی علاقہ میں اپنا فوجی ہیڈ کوارٹر قائم کر کے سکھوں کے خلاف جنگ کریں۔ اور پٹھانوں کو اپنے ساتھ ملا کر یا انہیں بزورِ طاقت زیر کر کے لڑ بھڑ کر پٹھانوں اور سکھوں سے کچھ علاقہ چھین کر اپنی ایک چھوٹی موٹی ریاست وہابیہ قائم کریں۔ چونکہ ان کا یہ منصوبہ انگریز کے مفاد میں تھا۔ اس لئے اس نے ان کی تائید و حمایت سے دریغ نہ کیا۔" متعصب وہابی مرزا حیرت دہلوی لکھتا ہے۔ "سید صاحب کے پاس مجاہدین جمع ہونے لگے۔ سید صاحب نے مولانا اسماعیل کے مشورے سے شیخ غلام علی رئیس الہ آباد کی معرفت لفٹننٹ گورنر ممالک مغربی شمالی کی خدمت میں اطلاع دی کہ ہم لوگ سکھوں پر جہاد کرنے کی تیاری کرتے ہیں۔ سرکار کو تو اس میں اعتراض نہیں ہے؟ لفٹننٹ گورنر صاحب نے صاف لکھ دیا۔ کہ ہماری عملداری میں اور امن میں خلل نہ پڑے تو ہمیں آپ سے کچھ سروکار نہیں۔" (حیات طیبہ ص۳۲۳) نیز محمد جعفر تھانیسری جو اس تحریک کا سرگرم رکن تھا۔ لکھتا ہے۔" اس سوانح اور نیز مکتوبات متسلکہ سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ سید صاحب کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا۔ وہ اس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار انگریزی اس وقت سید صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی۔" (تواریخ عجیبہ ص۱۸۲) نیز متعصب وہابی مسعود عالم ندوی کا بیان ہے۔" کمپنی کی حکومت نے پہلے پہل مجاہدین کے آنے جانے میں کوئی روک ٹوک نہیں کی۔ ہنٹر ایک جگہ لکھتا ہے۔ کہ بعض کارخانوں کے مسلمان ملازم اپنے انگریز مالکوں سے چھٹی لے کر جہاد کو جایا کرتے تھے۔ سرسید نے ایک دلچسپ واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ دہلی کے ایک ہندو مہاجن نے جس کے پاس جہادیوں کی امدادی رقمیں جمع تھیں کچھ

نہ ہوئے تھے اور وہابیوں کی تعداد انتہائی قلیل تھی۔ لہٰذا آپ مسلمانوں کی روزافزوں
مخالفت کی تاب نہ لا سکے۔ اور دل برداشتہ ہو کر دوبارہ ملک عرب کو چلے گئے۔
متعصب غیر مقلد وہابی مرزا حیرت دہلوی اپنی کتاب "حیات طیبہ" صفحہ ۲۶ تا ۲۹
میں ان کے خلاف مسلمانوں کی برانگیختگی کا اپنے ڈھنگ سے ذکر کرنے کے بعد
لکھتا ہے "اسی شب تمام کنبہ کے ممبر جمع ہوئے۔ اور انہوں نے مشورہ کیا
کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ یہ صاف معلوم ہو گیا تھا۔ کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے
ملّا نے جانی دشمن ہو گئے ہیں۔ اور انہیں شیعہ سرداروں نے بھی اکسایا ہے۔
کہ وہ شاہ صاحب کو یا تو شہید کر ڈالیں یا شہر دہلی سے نکال دیں۔ قصّہ
مختصر یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے سفر عرب اختیار کیا اور منافقانِ
اسلام کو دانت پیستا ہوا اور ہاتھ سے ہاتھ ملتا ہوا چھوڑ گئے۔" شاہ صاحب
کچھ مدّت تک نجد و حجاز میں رہ کر آخیر عمر میں پھر ہندوستان واپس آئے۔
اور "تحریک اقامت دین" کے نام سے ایک تنظیم کا آغاز کیا۔ مگر عمر نے وفا نہ
کی۔ اور اس تحریک کو نامکمل حالت میں چھوڑ کر اس عالم فانی سے انتقال
کر گئے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب
محدّث دہلوی اور شاہ رفیع الدین صاحب اپنے جدّ امجد شاہ عبدالرحیم
صاحب کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے عقائد اہلسنّت و جماعت اور حنفی
مذہب کے پابند رہے۔ اگرچہ ان پر بھی شاہ ولی اللہ صاحب کا معمولی سا
رنگ چڑھا تو سہی مگر علمائے عصر نے بروقت مناسب اور کافی جواب دے دیا۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے بعد شاہ عبدالعزیز صاحب نے تحریک اقامت دین
کی قیادت سنبھالی اور تحریک کو صحیح اصولوں پر چلانے کی طرف توجہ مبذول
فرمائی۔ جس کے نتیجہ میں یہ تحریک کافی مشہور اور مقبول ہو گئی۔ مگر افسوس کہ آپ
کو زیادہ عرصہ تک کام کرنے کی مہلت نہ ملی۔ اور داعئ اجل کو لبّیک کہتے ہوئے
رحلت فرما گئے۔

سیّد احمد رائے بریلوی اور مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کے جہاد کی حقیقت

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ کے بعد "تحریک اقامت دین"
کی عنان قیادت مولوی محمد اسحاق اور سیّد احمد رائے بریلوی کے ہاتھوں میں
آگئی۔ مولوی عبیداللہ صاحب سندھی اپنی کتاب "شاہ ولی اللہ اور ان کی
سیاسی تحریک" صفحہ ۹۷ پر لکھتے ہیں۔ "سنہ ۱۲۳۹ ہجری میں امام عبدالعزیز محدّث دہلوی
فوت ہوئے تو آپ نے اپنا مدرسہ مولانا محمد اسحاق صاحب کے سپرد کیا۔ یہ حزب
ولی اللہ کی امامت کا عرفی دستور تھا۔

سیّد احمد شہید کا قافلہ جب حج سے واپس آیا۔ تو انہوں نے
امام عبدالعزیز کے بعد شاہ محمد اسحاق صاحب کی امامت کو تسلیم کیا۔ اس
زمانہ میں اگر جمعیّت کا اجلاس مدرسہ میں ہوتا تو مولانا محمد اسحاق صدارت
کرتے اور سیّد احمد شہید حلقے میں بیٹھتے اور جب مدرسہ سے باہر مجلس منعقد
ہوتی۔ سید احمد صدر بنتے اور مولانا محمد اسحاق حلقہ میں شریک ہوتے۔ اس
طرح حزب ولی اللہ کی اساسی مصلحت کی حفاظت اور رجال و اموال جمع
کرنے کے لئے دعاۃ کا سلسلہ امام عبدالعزیز کے مدرسہ سے متعلق رہا۔ اور
عسکری و سیاسی قیادت سید احمد شہید کی جماعت سے وابستہ ہوئی۔"

واضح رہے کہ جہاد کے نام پر لشکر اور روپیہ کی فراہمی مولوی محمد اسحاق
کے سپرد تھی اور سیاسی امور اور لشکر کی قیادت سیّد احمد کے ہاتھ میں تھی۔
اور مولوی اسمٰعیل دہلوی سیّد احمد کے نائب اور لشکر کے کمانڈر انچیف تھے۔
ملاحظہ ہو کتاب "حیات طیبہ" صفحہ ۲۹۳۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ہندوستان میں ایسٹ
انڈیا کمپنی کافی زور پکڑ چکی تھی۔ سلطنت مغلیہ زوال پذیر تھی۔ ملک میں سخت
انتشار اور غیر یقینی حالات پیدا ہو چکے تھے۔ پنجاب کے علاقہ پر سکھ اپنی حکومت

مغلیہ کے تزلزل اور انحطاط کا نقشہ تصوّر میں گھوم گیا۔ مسلمانوں کی اس ڈگمگاتی
حکومت کے خلاف انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی کی سازشوں اور ریشہ
دوانیوں کو یاد کر کے بیقرار ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے پختہ فیصلہ کر لیا کہ آپ ہندوستان
واپس پہنچ کر ابن عبدالوہاب نجدی کے طریقے اور اصولوں پر مسلمانوں کی تنظیم اور
"تحریک اقامت دین" چلا کر پورے ہندوستان میں ایک مضبوط اسلامی حکومت
قائم کرنے کی جدّوجہد میں لگ جائیں گے۔ آپ نے شیخ نجدی کے طریقۂ کار اور اس کے
اصولوں کو اسلامیان ہند کی زبوں حالی کا مکمّل علاج قرار دے کر ابن عبدالوہاب
کی ہدایات اور مشورہ سے ایک منصوبہ بنایا اور اس پر غور و خوض کرنے کے
بعد لائحہ عمل مرتب کر کے مراجعت فرمائے ہند ہوئے۔

مگر چونکہ شیخ نجدی کی تحریک و سیاست کی بنیاد اصول وہابیت پر قائم
تھی۔ اس لئے شاہ صاحب موصوف نے جب مسلمانان ہند کی تنظیم و اصلاح
کے پیش نظر اس کے اصولوں کو اپنایا تو گویا اصول وہابیت کو ہی اپنا لیا اور
اس طرح آپ پر باایں ہمہ علم و فضل وہابیت کا رنگ چڑھ گیا اپنے والد ماجد
کی تعلیم و تربیت سے آپ ان بلند مقامات تک پہنچے تھے تو ابوالوہابیہ ابن عبدالوہاب
نجدی کی صحبت کے اثر سے غیر ارادی طور پر ان مقامات سے آپ کی نظر اٹھ
گئی اور انہوں نے مسلمانانِ ہند کی سیاسی کامیابی۔ حکومتِ اسلامیہ کے استحکام
اور ایسٹ انڈیا کمپنی کو شکست دینے کے جوش اور جذبہ میں مغلوب اور ابن
عبدالوہاب نجدی کی کامیابیوں سے مرعوب ہو کر اصول وہابیت کو قبول اور
اختیار کرتے ہوئے اس امر پر غور نہ فرمایا کہ وہابیت کے اصول و عقائد جمہور
اہلسنّت و جماعت کے اصول و عقائد سے یکسر مختلف اور حقیقتاً اصل
اسلام ہی کے خلاف ہیں اور در حقیقت ایک فتنۂ عظیم کی حیثیت رکھتے ہیں۔
اور اس پر بھی توجّہ نہ کی کہ ہندوستان میں اصول وہابیت کے تحت تحریک
اقامت دین' کو مسلمانانِ ہند قبول و برداشت نہیں کریں گے اور ان کی شخصیت

پر بھی برا اثر پڑے گا۔ بس ان پر جو دھن سوار ہو گئی تھی اسی دھن میں ترویج و
فروغ وہابیت کا پختہ فیصلہ کر بیٹھے۔ ہندوستان واپس پہنچنے پر آپ کی حالت
ہی بدلی ہوئی تھی نہ وہ عالمانہ رنگ تھا۔ اور نہ ہی طریقت کے اطوار
باقی تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں "حجاز سے واپس آنے کے
بعد والد ماجد کی نسبتِ باطنی اور علم و تقریر کی حالت کچھ اور ہی ہو گئی
تھی۔ جو آپ کے پرانے شاگرد تھے وہ آپ کی حالتِ حاضرہ کا حالت سابقہ
سے مقابلہ کرتے تو ان کو اس کی نوعیّت میں نمایاں فرق نظر آتا" (حیات
شاہ ولی اللہ ص۱۳۱) پس جب آپ کے شاگردوں اور آپ کے والد محترم
کے تربیت یافتہ اور سلجھے ہوئے عقیدتمندوں نے خلاف توقع آپ کے منہ
سے نامانوس باتیں اور عقائد اہلسنّت کے خلاف آپ کی گفتگو سنی تو حیران و
ششدر رہ گئے اور رفتہ رفتہ آپ سے بے تعلق ہوتے چلے گئے۔ تاہم شاہ صاحب
اپنے طے کردہ پروگرام کے مطابق اصول و عقائد وہابیت کی ترویج میں کوشاں
رہے نیز اس سلسلہ میں بھی چند کتابیں بلاغ المبین اور تحفۃ الموحدین وغیرہ
تصنیف کیں (انہی کتابوں کو وہابی صاحبان بکثرت شائع کرتے اور مفت
تقسیم کیا کرتے ہیں) مسلمانوں نے شاہ صاحب کے ان انوکھے وہابیانہ خیالات
و عقائد کو قبول نہ کیا۔ دہلی اور اطراف و جوانب میں شور برپا ہو گیا کہ ولی اللہ
وہابی ہو گیا۔ علمائے اہلسنّت شاہ صاحب کی اس غلط روی کے خلاف کمربستہ
ہو گئے اور انہوں نے وہابیانہ عقائد کی نہایت فرض شناسی کے ساتھ برمحل
تردید کی۔ شاہ صاحب نے خود کو بجائے اہلسنّت کے محمّدی کہلانا شروع کیا
اور دوسرے وہابی بھی ان کی پیروی میں محمّدی کہلانے لگے۔ اس طرح شاہ ولی اللہ
صاحب کے ذریعہ اس ملک میں بھی وہابیت کی داغ بیل پڑ گئی اور مسلمان
قوم سنّی و وہابی کے جھگڑے میں پھنس کر باہم دست بگریباں ہو گئی اور یہ
سلسلہ آج تک جاری ہے۔ چونکہ ابھی آپ کی تبلیغ سے کچھ زیادہ لوگ متاثر

غبن کیا۔ تو مولانا شاہ محمد اسحاق نے مسٹر ولیم فریزر کمشنر دہلی کے اجلاس میں نالش کی اور مدعی کے حق میں ڈگری ہوئی وصول شدہ رقم پھر دوسرے ذریعہ سے سرحد کو بھیجی گئی اس مقدمے کا اپیل صدر کورٹ الہ آباد میں ہوا۔ وہاں بھی عدالت ماتحت کا فیصلہ بحال رہا۔" (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۱۳۵ و ۱۳۶)

مندرجہ بالا کتب وہابیہ سے ثابت ہوا کہ تحریک اقامت دین کے قائدین انگریزی حکومت سے مکمل ساز باز کر چکے تھے۔ ان کی تحریک انگریزوں کے خلاف ہرگز نہ تھی۔ یہ لوگ انگریز کی حکومت کو اپنی حکومت سمجھتے تھے اور انگریز حکام بھی ان کی مدد اور پشت پناہی کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ انگریز کارخانہ دار خود چھٹی دے کر مسلم ملازمین کو اس نام نہاد جہاد میں بھیجتے تھے سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر سید احمد اور اسماعیل دہلوی اور ان کے نام نہاد مجاہدین وہابی ملک و ملت کی آزادی کی خاطر لڑ رہے ہوتے یا انکی تحریک حکومت برطانیہ کے خلاف ہوتی تو انگریز انہیں کچل دینے کے بجائے ان کی امداد اور پشت پناہی کیوں کرتے؟

قائدینِ تحریک اقامت دین کی انگریز سے ملی بھگت کا مزید ثبوت

ملاحظہ ہو۔ وہابی مولوی ابو الحسن ندوی لکھتا ہے۔" اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ انگریز گھوڑے پر سوار چند پالکیوں میں کھانا رکھے کشتی کے قریب آیا اور پوچھا کہ پادری صاحب (سید احمد صاحب) کہاں ہیں۔ حضرت نے کشتی پر سے جواب دیا۔ کہ میں یہاں موجود ہوں۔ انگریز گھوڑے پر سے اترا اور ٹوپی ہاتھ میں لئے کشتی پر پہنچا اور مزاج پرسی کے بعد کہا کہ تین روز سے میں نے اپنے ملازم یہاں کھڑے کر دئے تھے۔ کہ آپ کی اطلاع کریں آج انہوں نے اطلاع کی کہ اغلب یہ ہے کہ حضرت قافلہ کے ساتھ تمہارے مکان کے سامنے پہنچیں۔ یہ اطلاع پاکر غروب آفتاب تک میں کھانے کی تیاری میں مشغول رہا،

تیار کرانے کے بعد لایا ہوں۔ سید صاحب نے حکم دیا۔ کہ کھانا اپنے برتنوں میں منتقل کر لیا جائے، کھانا لے کر قافلے میں تقسیم کر دیا گیا۔ اور انگریز دو تین گھنٹہ ٹھہر کر چلا گیا۔" (سیرت سید احمد ج ۱ ص ۱۹۰) غور کا مقام ہے کہ اگر سید احمد رائے بریلوی، اسماعیل دہلوی اور ان کے ساتھی، انگریزوں کے واقعی دشمن تھے تو کیا انگریز ان سے خوف زدہ ہو کر ڈر کی وجہ سے مجبور ہو کر ان کے ساتھ ایسے دوستانہ یا خوشامدانہ برتاؤ کر رہے تھے؟ یا یہ کہ انگریز حکام اس قدر بیوقوف تھے۔ کہ وہ ان کی انگریز دشمنی سے بیخبر اور ان کی پالیسی کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ اور اپنے دشمنوں کو دوست سمجھ رہے تھے یا پھر وہ اس قدر کمزور تھے کہ وہ ان کی سرگرمیوں کو روک نہیں سکتے تھے اس لئے ان کی خوشامد کر رہے تھے۔ کہ شاید اسی طرح یہ نام نہاد مجاہدین انگریزوں کی حالت پر رحم فرما دیں۔

ظاہر ہے کہ ایسی کوئی بات نہ تھی۔ بلکہ درحقیقت سید احمد اور ان کے رفقاء اپنے ذاتی و گروہی مفادات کے پیش نظر انگریز کی گود میں بیٹھ چکے تھے اور برطانوی حکومت کے آلہ کار بن چکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انگریز ان کی سرپرستی اور مدد کر کے اپنی خوشنودی اور تعاون کا اظہار کر رہے تھے اور اس کے جواب میں قدم بہ قدم انگریزی حکام کو مزید مطمئن کرنے کے لئے

سید احمد اور اسمٰعیل دہلوی انگریزوں کی وفاداری کے اعلانات کرنے میں مصروف تھے

وہابی مولوی محمد جعفر تھانیسری کا بیان ہے کہ" یہ بھی صحیح روایت ہے کہ اثنائے قیام کلکتہ میں جب ایک روز مولانا محمد اسماعیل وعظ فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا کہ سرکار انگریزی پر جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے رو ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں ہے۔" (سوانح احمدی مطبوعہ فاروقی دہلی ص ۵۷) نیز دیکھئے کتاب" حیات طیبہ" مطبوعہ فاروقی دہلی ص ۲۹۶" کلکتہ میں جب مولانا

پندونصائح کا عملی شرعی معاشرت کے ساتھ یہ اثر ہوا کہ امیر خان معہ اپنے کل
بھائی بندوں اور اولاد کے سچا محمدی (وہابی) بن گیا۔ اور اس نے تمام ناروا
باتوں سے توبہ کی جب لشکر نے یہ کیفیت دیکھی تو وہ بھی پورا محمدی بن گیا۔" (حیات
طیبہ ص۵۱۲) ان سیدھے سادے اہلسنت وجماعت مسلمانوں کے دین و ایمان
پر ڈاکہ ڈالا اور پھر بکمال چالاکی ان کے جذبۂ جہاد اور جوش شجاعت کو بھی کچل کر
رکھ دیا۔ اور شیران اسلام کو انگریزی اقتدار کے پنجرہ میں مقیّد بنا دیا متعصّب
وہابی مرزا حیرت دہلوی لکھتا ہے" سیّد احمد صاحب نے امیر خان کو بڑی
مشکل سے شیشہ میں اُتارا تھا۔ آپ نے اسے یقین دلا دیا تھا۔ کہ انگریزوں سے
مقابلہ کرنا اور لڑنا بھڑنا اگر تمہارے لئے بُرا نہیں ہے۔ تو تمہاری اولاد کے لئے
سمّ قاتل کا حکم رکھتا ہے۔ یہ باتیں امیر خان کی سمجھ میں آگئی تھیں۔ اور اب
وہ اس بات پر رضامند تھا۔ کہ گزارہ کے لئے کچھ ملک مجھے دے دیا جائے۔
تو میں بہ آرام بیٹھوں امیر خان نے ریاستوں اور ان کے ساتھ انگریزوں کا
بھی ناک میں دم کر دیا تھا۔ آخر ایک بڑے مشورے کے بعد سیّد احمد صاحب
کی کارگزاری سے ہر ریاست میں سے کچھ کچھ حصّہ دے کر امیر خان سے
معاہدہ کر لیا جیسے جے پور سے ٹونک دلوا دیا اور بھوپال سے سرونج اسی طرح
سے متفرّق پرگنے مختلف ریاستوں سے بڑی قیل و قال کے بعد انگریزوں سے
دلوا کر بپھرے ہوئے شیر کو اس حکمت سے پنجرہ میں بند کر دیا۔" (حیات طیبہ ص۵۱۳)
اگر اس قدر تاریخی شہادتوں اور ثبوت کے بعد بھی کوئی شخص انہیں انگریزوں
کے وفادار و تابعدار نہیں سمجھتا تو اس کے متعصّب یا کج فہم ہونے میں کونسا شک
باقی رہ جاتا ہے۔ اگر بالغ نظری سے غور کیا جائے تو اصل حقیقت بالکل واضح
ہو جاتی ہے۔ کہ ان کا اصلی جہاد نہ انگریزوں کے خلاف تھا اور نہ سکھوں کے
اگر وہ سکھوں کے خلاف جنگ کرنے کی بات کرتے بھی تھے۔ تو محض اس لئے کہ
مسلمانوں سے چندہ وصول کرنے میں آسانی ہو اور بھولے بھالے مسلمان جہاد
کے پرکشش نعرہ سے متاثر ہو کر ان کے رضاکاروں میں شامل ہوتے رہیں اور سرحدی

پٹھان بھی انکی تحریک میں شامل ہو کر ان کے حصولِ مقصد میں ممد و معاون بن سکیں ورنہ درحقیقت ان کا اصل جہاد
مسلمانوں کے ہی خلاف تھا۔ انہیں ہندوستان، افغانستان اور دوسرے علاقوں
کے مسلمان مشرک و کافر نظر آرہے تھے اور اصولِ وہابیت کی رُو سے ان کی
اصل جدّ و جہد ان مسلمانوں کے ہی خلاف تھی اور سکھوں کے خلاف جنگی نعرہ
ان کے منزل مقصود تک پہنچنے کی ایک کڑی تھی۔ امیر تحریک سیّد احمد صاحب
کے اعلانات اور بیانات سے یہ امر اظہر من الشمس ہے" کسی کا ملک چھین
کر ہم بادشاہت کرنا نہیں چاہتے نہ انگریزوں کا نہ سکھوں کا۔" (سوانح
احمدی ص۹۱) سید احمد صاحب کے اس اعلان کے بعد ملاحظہ فرمایئے کہ ان کا
اصل مقصد کیا تھا" نواب وزیرالدولہ کی روایت ہے۔ کہ سیّد صاحب
بار بار فرمایا کرتے تھے کہ فیض ایمانی جو خلقت کو مجھ سے پہنچا ہے روز بروز
ترقی پر رہے گا اور انشاء اللہ تعالیٰ ہندوستان اور خراسان چرک شرک
اور پلیدئی بدعت سے میرے ہاتھ سے یکسر پاک و صاف ہو کر انوارِ اسلام
سے منوّر اور دیانت و امانت سے مالا مال ہو کر رشک افزائے زمین بن جائیگا۔"
(سوانح احمدی ص۹۲) نیز اسی کتاب کے اسی صفحہ پر ہے" سیّد محمد یعقوب آپ کے
بھانجے سے روایت ہے کہ بروقت روانگی ملک خراسان آپ اپنی ہمشیرہ یعنی والدہ
سیّد محمد یعقوب سے رخصت ہونے گئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے میری بہن میں نے
تم کو خدا کے سپرد کیا اور یہ یاد رکھنا جب تک ہند کا شرک اور ایران کا رفض
اور چین کا کفر اور افغانستان کا نفاق میرے ہاتھ سے محو ہو کر ہر مردہ سنّت
زندہ نہ ہولے گی۔ رب العزّت مجھ کو نہیں اُٹھائے گا۔" لیجئے امیر تحریک وہابیہ
سیّد احمد صاحب نے خود ہی واضح کر دیا۔ کہ ان کی جنگی تیاریاں اور نعرہائے
جہاد انگریزوں یا سکھوں کے خلاف نہیں بلکہ بزعمِ، مشرک اور کافر مسلمانوں
کے خلاف ہیں۔ ثابت ہوا کہ وہابیوں کے ان نام نہاد مجاہدین کے پیش نظر صرف
ابن عبدالوہاب نجدی کے مشن کی تکمیل تھی۔ اور یہ لوگ ابوالوہابیہ شیخ نجدی
کے نقش قدم پر چل کر برطانوی حکومت کی سرپرستی میں ان کی طفیلی ریاست

آگئے۔ تقریباً دو سال بعد سنہ ۱۲۲۳ ہجری میں وہاں سے رُخصت ہو کر اپنے وطن رائے بریلی لوٹ آیا۔ مگر طبیعت کی پریشانی نے ٹھہرنے نہ دیا۔ تو پھر قسمت آزمائی کے لئے "مالوہ" کو روانہ ہُوا۔ سنہ ۱۲۲۴ ہجری میں "مالوہ" کے امیر خان پنڈوری کی فوج میں سوار کی حیثیّت سے ملازمت اختیار کر لی۔ اور کچھ عرصہ بعد امیر خان پنڈوری نے اس کی خدمات اور وفاداری کے پیش نظر اسے اپنے باڈی گارڈ کا افسر بنا دیا۔ پھر رفتہ رفتہ سیّد احمد نے امیر خان پنڈوری کا یہاں تک اعتماد حاصل کر لیا۔ کہ امیر خان پنڈوری نے اسے اپنا مشیر بنا لیا۔ حتیٰ کہ کوئی کام اس کے مشورہ کے بغیر نہ کرتا۔

مگر افسوس کہ سیّد احمد نے امیر خان پنڈوری کے اس اعتماد سے ناجائز فائدہ اُٹھایا کہ ایک طرف تو اس وفاداری اور خیر خواہی کا دَم بھرتا رہا۔ اور دُوسری طرف انگریز کا ایجنٹ بن کر انجام کار امیر خان پنڈوری کو انگریز کے شکنجۂ غلامی میں جکڑ کر دَم لیا۔ اسے کہتے ہیں نمک خُوردن و نمک دان شکستن۔

امیر خان نہایت شجاع اور جنگجو تھا۔ اس کے بے پناہ حملوں سے جے پُور،

(بقیہ نوٹ ص۷۵) تو یہ بڑا ذہین تھا۔ کتاب میں اسے کیا ہو گیا۔ بہتیرا سر پٹکا اور مغز پچی کیا مگر بزرگ سیّد کے کان پر جُوں بھی نہیں رینگی یہ نہیں تھا کہ پیارا اور واجب الاحترام سیّد سبق کے یاد کرنے میں محنت نہ کرتا ہو اور شرارت سے ڈھیٹ بنا خاموش بنا بیٹھا رہتا ہو۔ نہیں وہ بہ خوبی محنت بھی کرتا تھا میاں جی کے کہنے کے موافق مکتب وقت کی بھی پابندی کرتا تھا اس پر بھی اسے یاد نہ ہوتا تھا اس کے ذہن اور یادداشت کا یہ اُتار چڑھاؤ دیکھ کر یہ خیال آتا تھا کہ جیسے چلتی گاڑی میں کوئی روڑا اٹکا دیتا ہے۔ اور پھر وہ بیلوں کی طاقت سے بھی نہیں چلتی سوائے اس کے کہ اس پر انتہا درجہ کا زور لگا دیا جائے پہیہ دو چار انچ زمین سے رگڑ کھاتا ہُوا بہ مشکل آگے بڑھے گا۔ یہی کیفیت بزرگ سیّد کی تھی جب وہ ایک ایک جملہ کو گھنٹوں چیے جاتا۔ جب کہیں کسی قدر یاد ہوتا تھا اور دوسرے دن تماشہ یہ تھا کہ وہ بھی چوپٹ۔" الخ (حیات طیبہ صفحہ ۴۸۶-۴۸۷)

جودھپُور، اور دُوسری ریاستوں پر ہیبت طاری تھی۔ اور اُس نے انگریزوں کا بھی ناک میں دَم کر رکھا تھا۔ جب انگریزوں کو اس مصیبت سے نجات کی اور کوئی صُورت نظر نہ آئی تو انہیں سیّد احمد کے ذریعہ امیر خان کو پھانسنے کی سُوجھی۔ انگریز حکام کی طرف سے یہ مہم سیّد احمد صاحب کو سونپی گئی اور سیّد احمد صاحب نے اس مہم کو اس خوش اسلوبی کے ساتھ سَر کیا کہ انگریز خوش ہو گیا۔ اور سیّد احمد صاحب انگریزوں کے منظورِ نظر بن گئے۔ مرزا حیرت دہلوی لکھتا ہے "سنہ ۱۲۳۱ھ تک سید احمد صاحب امیر خان کی ملازمت میں رہے۔ مگر ایک ناموری کا کام آپ نے یہ کیا کہ انگریزوں اور امیر خان کی صلح کرا دی۔ اور آپ ہی کے ذریعہ جو شہر بعد ازاں دئے گئے اور جن پر آج تک امیر خان کی اولاد حکمرانی کرتی ہے، دیتے طے پائے تھے لارڈ ہیسٹنگ سیّد احمد صاحب کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا۔ اور اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہُوا۔ امیر خان، لارڈ ہیسٹنگ اور سیّد احمد صاحب۔" (حیات طیبہ ص۵۱۳)

غور کا مقام ہے کہ سید احمد صاحب کے دل میں اگر جذبۂ ایمانی ہوتا یا آزادئ وطن کی تڑپ ہوتی۔ تو وہ دُشمن اسلام انگریزی حکومت کے استحکام کی خاطر ہرگز ان کا آلہ کار نہ بنتا۔ بلکہ ملک کو فرنگی اقتدار سے آزاد کرانے کی جدّ و جہد کرتا امیر خان کو انگریزوں کی غلامی پر رضامند کرنے کے بجائے اسے انگریزوں کے خلاف جہاد میں اور زیادہ تیزی و تُندی اختیار کرنے کا مشورہ دیتا۔ امیر خان کے پاس پچّیس تیس ہزار کا لشکر جرّار موجود تھا۔ اس میں ترقّی و اضافہ کی کوشش کرتا مگر اس کے برعکس اس نے ناموسِ اسلام اور آزادئ ملک کی کچھ بھی پرواہ نہ کرتے ہُوئے دُشمن ملک و ملّت انگریز کا منظورِ نظر بننا پسند کیا۔ اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر پہلے تو امیر خان اور اس کے لشکریوں کو وہابی مذہب کی تبلیغ کر کے وہابی بنایا جیسے کہ مرزا حیرت دہلوی کا بیان ہے "اس مستعدی اور زبانی

اسمٰعیل صاحب نے جہاد کا وعظ شروع کیا ہے اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی ہے تو ایک شخص نے دریافت کیا کہ آپ انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے جواب دیا کہ ان پر جہاد کسی طرح واجب نہیں ہے۔"

ناظرین۔ ذرا اس "کسی طرح بھی" اور "کسی طرح" کے عموم و اطلاق کو ذہن میں رکھتے ہوئے اسماعیل دہلوی کا مندرجہ ذیل فتویٰ بھی دیکھیں اور اندازہ لگائیں کہ موجودہ دیوبندی وہابی اور دوسرے وہ صاحبان جو سید احمد اور اسماعیل دہلوی کے نام نہاد جہاد کا رات دن ڈھنڈورہ پیٹتے ہیں اس میں کہاں تک صداقت ہے۔ اسماعیل دہلوی کس ڈھٹائی کے ساتھ اعلان کرتا ہے "بلکہ ان پر (برٹش پر) کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس (حملہ آور) سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں"[1] (حیات طیبہ) اسی سلسلہ میں تحریک اقامت دین کے امیر سید احمد صاحب کا اعلان بھی قابل دید ہے۔ کہ فرماتے ہیں "ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور خلاف اصول مذہب طرفین کا خون بلا سبب گرا دیں۔" (تواریخ عجیبہ ص۷۱) سید احمد اور اسمٰعیل دہلوی کے ان واضح اعلانات سے صاف ظاہر ہے۔ کہ ان کی جدّ و جہد انگریزوں کے خلاف ہرگز نہیں تھی۔ وہابیہ کے یہ امام و پیشوا حکومت برطانیہ کے مخالف نہیں تھے۔ بلکہ یہ لوگ تو انگریز کے اقتدار کو اپنا اقتدار اور برٹش گورنمنٹ کو "اپنی گورنمنٹ" قرار دے کر مسلمانوں کو یہ تلقین کرتے رہے ہیں۔ کہ برطانوی حکومت کی حفاظت میں اپنی جانیں قربان کر دیں۔ ناظرین بہ نظر انصاف فیصلہ کریں کہ

[1] واضح رہے حیات طیبہ مطبوعہ فاروقی دہلی کی یہ دونوں عبارتیں کتاب شمع ہدایت سے ماخوذ ہیں۔ مکتبۃ السلام لاہور کی شائع کردہ کتاب حیات طیبہ میں یہ عبارتیں موجود نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر مصلحتاً انہیں حذف کر دیا گیا ہے۔ تاہم ص۲۹ پر یہ اعلان موجود ہے۔ سرکار انگریزی سے ہمارا مقابلہ نہیں اور نہ ہمیں اس سے کچھ مخاصمت ہے۔ (مؤلف)

جو لوگ سید احمد اور اسماعیل دہلوی کو مجاہدین اسلام۔ مجاہدین آزادی۔ انگریز دشمن اور تحریک آزادی کے ہیرو قرار دیتے اور ان کی شان میں قصیدہ خوانی کرتے نہیں تھکتے وہ کہاں تک حق بجانب ہیں۔ پھر لطف کی بات تو یہ ہے کہ امیر تحریک سید احمد نے اپنے اعلان میں انگریزوں کے خلاف جہاد کو خلاف اصول مذہب کہہ کر اپنے ہر اُس حمایتی و مداح کا منہ بند کر دیا ہے۔ جو یہ کہے کہ ان لوگوں نے سیاسی اور وقتی مصلحت کے پیش نظر انگریزوں کی حمایت میں یہ بیانات دیئے تھے اور اگر اس کے باوجود بھی کوئی یہ کہتا ہے۔ تو اس کی دیانت پر سوائے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھنے کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔

پھر اگر ان کے اعلانات کو نظر انداز بھی کر دیا جائے۔ تو اس کا کیا علاج کہ ان کے عمل سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ لوگ حقیقتہً انگریزوں کے وفادار اور خیر خواہ تھے۔ یہاں تک کہ انہیں انگریزوں کے معتمد خصوصی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ ایک واقعہ ذیل میں پیش خدمت ہے۔ جسے پڑھ کر آپ بھی یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ :۔

سید احمد انگریزوں کا وفادار ایجنٹ تھا

سید احمد صاحب نے اپنے والد کی وفات کے بعد تلاش معاش میں لکھنؤ کا سفر کیا مگر کچھ کام نہ بنا تو سنہ ۱۲۲۱ھ میں دہلی آیا اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی قدس سرہٗ کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر تعلیم حاصل کرنا چاہی مگر غبی اور کند ذہن ہونے کے باعث کچھ بھی پڑھ نہ سکا[1]۔ حتیٰ کہ شاہ عبدالعزیز صاحب بھی اس کو پڑھانے سے عاجز

[1] سید احمد صاحب کے ذہن اور حافظہ کی کیفیت کا اندازہ ان کے معتقد و مداح مرزا حیرت دہلوی کے بیان سے کیجئے۔ "کریما کا پہلا مصرعہ خاصا دُعائیہ ہے۔ مگر یہ بھی بزرگ سید کو تین دن میں یاد ہوا تھا اس پر بھی کبھی کریما بھول گئے تو کبھی برحال ما کو دل سے محو کر دیا۔ اب تو میاں جی (استاد صاحب) کے ہوش اڑے کہ قرآن پڑھنے میں

(بقیہ نوٹ ص۷۶ پر دیکھئے)

وہابیہ کی تشکیل کے لئے کوشاں تھے۔ یہی بات ان کے عمل و کردار اور ان کے کارناموں سے ثابت ہوتی ہے جو انہوں نے سرانجام دئیے۔ لیجئے ملاحظہ فرمائیے:۔

سید احمد و اسمٰعیل دہلوی کی حکومت کا قیام اور وہابیوں کے کارنامے

مسلک دیوبندیہ کے مایۂ ناز مولوی محمد عبید اللّٰہ صاحب سندھی کا بیان ہے "سید احمد شہید معہ اپنے ہمراہیوں کے ۲۹ شعبان ۱۲۳۹ھ ہجری کو دو سال گیارہ ماہ بعد سفر حج سے واپس آئے تھے۔ ذوالحجہ ۱۲۳۹ھ ہجری سے جہاد کی تیاری شروع کر دی گئی۔ مولانا محمد اسمٰعیل اور مولانا عبدالحیٔ نے تربیت جہاد کے لئے اطراف ہند کا دورہ کیا۔ جب تقریباً دو ہزار مجاہدین کا اجتماع ہو گیا۔ تو امیر شہید نے ان کے تین حصے کر دئیے اور کوچ کا حکم دیا۔" (شاہ ولی اللّٰہ اور اُن کی سیاسی تحریک ص ۹۸) سید احمد صاحب کے حکم سے ان کے رضاکار پشاور کے علاقہ میں پہنچ گئے۔ خود سید احمد صاحب کچھ عرصہ ٹونک رہ کر پہلے اجمیر، اور پھر دہلی آئے۔ ۱۲۴۱ھ ہجری کے آغاز میں دیوبند، سہارنپور، پانی پت، کرنال اور تھانیسر وغیرہ سے گذرتے ہوئے مالیر کوٹلہ پہنچے۔ وہاں سے ممدوٹ، بہاولپور، حیدر آباد سندھ، شکار پور، جاگن، خان گڑھ، درہ ڈھاڈر، درہ بولان، پشین، قندھار اور کابل سے گزر کر براستہ خیبر پشاور آئے۔ پشاور سے ہشت نگر گئے۔ اور وہاں موضع خویشگی میں قیام کیا۔ سید احمد، اسماعیل دہلوی اور ان کے کارکنوں نے اقامت دین اور غلبۂ اسلام کے نعرے بلند کر کے اپنی تحریک کا خوب پروپیگنڈہ کیا۔ اور مسلمان پٹھانوں کو ترغیب دی کہ وہ بھی اس جہاد میں شامل ہو جائیں۔

سیدھے سادے پٹھانوں کو کیا خبر تھی کہ یہ اسلامی نعرہ یا زُو ہائی ہیں۔ اور اپنی ریاستِ وہابیہ قائم کرنے کی فکر میں ہیں۔ اُنہوں نے اُنہیں مجاہدینِ اسلام سمجھ کر ان کی خاطر مدارات اور مدد کی اور اسلام کی سربلندی کے پیشِ نظر ان سے

ہر ممکن تعاون پر رضامند ہو گئے۔ حتیٰ کہ سید احمد کی امارت کو تسلیم کر کے جذبۂ اسلامی کے تحت سکھوں کے خلاف لڑنے کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ مولوی عبید اللّٰہ صاحب سندھی لکھتے ہیں "۔ الغرض ۱۲۴۱ھ ہجری میں ہجرت شروع ہوئی اور ۱۲ جمادی الاُخریٰ ۱۲۴۲ھ ہجری (۱۰ جنوری ۱۸۲۷ء) کو افغان قبائل نے بھی ہُنڈ[1] کے مقام پر سید احمد کو اپنا امیر مان لیا۔" (شاہ ولی اللّٰہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۹۹) تحریک میں پٹھانوں کی شمولیت سے سید احمد و اسمٰعیل دہلوی کی جماعت کو بڑی تقویت حاصل ہوئی اس کے بعد اس مختصر علاقہ پر مشتمل باقاعدہ نظام حکومت کے استحکام کی تجاویز عمل میں لائی گئیں۔ مگر افسوس کہ سید احمد صاحب اور اسماعیل دہلوی نے تمام محکموں میں بالخصوص اپنے ساتھیوں کو ہی عہدے تقسیم کر دئیے اور خود اسماعیل دہلوی فوج کے حاکم اعلیٰ یعنی کمانڈر انچیف بن گئے۔ اس کے نتیجہ میں وہابی صاحبان خود کو حاکم اور مقامی باشندوں کو محکوم سمجھنے لگ گئے۔ تاہم ایک سال بخیر و خوبی گزر گیا مولوی عبید اللّٰہ صاحب سندھی لکھتے ہیں "اس کے بعد ایک سال تک مولانا عبدالحیٔ زندہ رہے ان کی موجودگی میں کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوا۔ سید احمد شہید ان کے سامنے اپنی ذاتی رائے پر عمل نہیں کر سکتے تھے بلکہ اجتماعی فیصلہ پر حکومت کا تمام تردارومدار تھا۔" (شاہ ولی اللّٰہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۹۹-۱۰۰) مولوی عبدالحیٔ صاحب کی وفات کے بعد سید احمد اور اسماعیل دہلوی نشۂ اقتدار میں اس قدر مست ہو گئے کہ اجتماعی مشورہ اور فیصلوں کا نظام درہم برہم ہو گیا اور نوزائیدہ حکومتِ وہابیہ کا نظام ڈکٹیٹر شپ کے تحت آ گیا۔ ان کی ذاتی رائے کو آئین مملکت اور ان کے ہر فرمان کو قانون کا مقام حاصل ہو گیا۔ مزید برآں یہ خرابی واقع ہوئی کہ یہ وہابی صاحبان جو مصلحت اور دیاو

[1] ہُنڈ۔ دریائے سندھ کے کنارے ایک مشہور مقام ہے اور اٹک سے پندرہ میل کے فاصلہ پر لاہور و پشاور کی قدیم شاہراہ سے تیس ۳۰ میل دور ہے۔ (مؤلف)

کی وجہ سے عقائد و اعمال وہابیہ کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھے۔ اس حالت پر قائم
نہ رہ سکے۔ اپنی طاقت و اقتدار کے زعم میں یہ سمجھ بیٹھے کہ اب ہمارا کوئی کیا بگاڑ سکتا
ہے۔ انہوں نے یہاں بھی رفتہ رفتہ عقائد وہابیہ کی تبلیغ شروع کر دی۔ اور اپنے
وہابیانہ خیالات و عقائد کا علی الاعلان اظہار کرنے لگے۔ اور ساتھ ہی اعمال
وہابیہ کا آغاز بھی کر دیا اور تھوڑی ہی مدت بعد یہ جماعت وہابیہ، سنیت کا
مصنوعی لبادہ اتار کر اپنی اصلی صورت میں نمودار ہو گئی۔ سنی پٹھان جو ان کی دعوت

ﮯ واضح رہے کہ اسماعیل دہلوی کے عقائد و اعمال کی تبلیغ اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ
والسّلام و اولیاء اللہ کی شان میں دریدہ دہنی کی وجہ سے شہر دہلی اور دوسرے شہروں
میں شورش بپا تھی۔ فتنہ و فساد کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اسماعیل دہلوی نے فتنہ و فساد کو
اور تیز تر کرنے کی خاطر بڑے بڑے غنڈوں پر مشتمل اپنی "مخصوص جماعت" تیار کر لی تھی جس کے ذریعہ
وہ سنی مسلمانوں پر رعب جمانے کی غرض سے ہر روز نیا جھگڑا اور ہر شب جدید فتنہ کھڑا کرتے
رہتے تھے۔ مرزا حیرت دہلوی لکھتا ہے "آپ (اسمٰعیل صاحب) نے پہلے چند بڑے بڑے
بدمعاشوں کے سرغناؤں کو اپنی جادو بھری تقریر سنا کر مرید کیا انہیں اپنا ایسا معتقد بنایا
کہ وہ اپنی جان قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے۔" (حیات طیبہ ص۸۶) اور جب سید احمد صاحب اور اسمٰعیل دہلوی نے
علاقہ پشاور میں جانے کا فیصلہ کیا تو سید احمد صاحب نے سوچا کہ سرحدی پٹھان سب کے سب اہلسنت
ہیں۔ اگر اسمٰعیل صاحب اور اس کی "مخصوص جماعت" نے وہاں پہنچ کر بھی اپنی یہی حرکتیں شروع
کر دیں تو غیور پٹھان ہمیں وہابی جان کر ہم سے متنفر ہو جائیں گے اور ہمارا سارا کھیل بگڑ کر رہ
جائیگا اور کیا عجب کہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔ اس خدشہ کے پیش نظر انہوں نے اسمٰعیل صاحب کو سمجھا
بجھا کر ان حرکتوں سے روک رکھا تھا۔ مولوی عبید اللہ صاحب سندھی لکھتے ہیں " بعد میں جب
افغانی علاقہ میں ہجرت کا فیصلہ ہوا تو امیر شہید نے مولانا اسمٰعیل سے دریافت کیا کہ مولانا
آپ رفع یدین کیوں کرتے ہیں، مولانا نے کہا رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے۔ امیر شہید نے
کہا مولانا اب رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے رفع یدین کرنا چھوڑ دیجئے۔ اور اس کے بعد مولانا
شہید کی خاص جماعت نے بھی ان کی اطاعت میں یہ اعمال چھوڑ دئے۔"
(شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص۱۰۶)

جہاد پر لبیک کہتے ہوئے اُن کی تحریک میں شامل ہوئے تھے۔ ان کی وہابیت کو دیکھ
کر حیران و ششدر رہ گئے۔ افغان علمائے اہلسنت نے بھی جب یہ دیکھا کہ یہ
لوگ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء اللہ قدسنا اللہ باسرارہم کے
انتہائی بے ادب اور گستاخ وہابی ہیں تو ان کی مخالفت اور تردید پر کمربستہ ہو گئے
انہوں نے پٹھان مسلمانوں کو بر محل خبردار کیا کہ ~ خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم!
اب صورت حال یہ ہو گئی کہ ایک طرف سنی مسلمان وہابیت قبول کر لینے
کسی طرح رضامند نہ تھے۔ اور دوسری طرف یہ نجدی وہابی اپنی مذموم حرکتوں
ے باز رہنے پر تیار نہ تھے۔ اس کشمکش کے نتیجہ میں پٹھانوں میں سیّد احمد اسمٰعیل
ہلوی اور ان کی جماعت کے خلاف نفرت اور بیزاری بڑھنے لگی اور اس کے
واب میں وہابیوں کی حاکمانہ اکڑفوں اور زیادہ سخت ہو گئی۔ سیّد احمد صاحب
اس بگڑتی ہوئی صورت حال کو سنبھالنے کی خاطر اپنے ہمراہیوں کو سمجھانے
بڑی کوشش کی۔ مگر یہ لوگ اپنی روش سے باز رہنے پر تیار نہ ہوئے انہیں
ن ہٹ پر قائم دیکھ کر سید احمد صاحب افغان علماء اور عوام کو سمجھانے بجھانے
رف متوجہ ہوئے۔ انہوں نے کہا آپ حنفی ہوں، اہلسنت ہوں۔ آپ لوگ
عت میں شامل وہابیوں کی باتوں پر نہ جائیں۔ انہیں ان کے حال پر رہنے
ا اور تحریک سے علیحدہ نہ ہوں۔ مگر یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہابی تو اپنی وہابیانہ
ت میں مصروف رہیں۔ اور سنی مسلمان ان کی خرافات اور بیہودگیوں کو
شت کرتے رہیں۔ جس طرح روشنی اور تاریکی یا نور و ظلمت کا اجتماع محال
اسی طرح غیور اور باادب سنی کا کسی دریدہ دہن اور گستاخ وہابی
اشتراک ناممکن ہے۔ لہٰذا سیّد احمد صاحب کی مصلحت نوازی کا کچھ بھی
نتیجہ برآمد نہ ہو سکا اور فریقین میں رنجش بڑھتے بڑھتے عداوت کی حد
ک پہنچ گئی۔
مولوی عبید اللہ صاحب سندھی لکھتے ہیں " اس اساسی تغیر سے یہ ہوا کہ

حزب ولی اللہ کی خصوصیّات پر زور نہ دیا جاتا۔ بلکہ نجدی اور یمنی طریقوں پر کام کرنے والے ہندوستانی تو حنفی فقہ کی پابندی بھی اپنے لئے ضروری نہ سمجھتے اس کی وجہ سے افغانوں کی ان مجاہدین سے مذہبی عداوت[1] ہوگئی۔ امیر سید احمد شہید نے بارہا علمائے افاغنہ وعوام کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ امیر اور ان کا خاندان ہمیشہ محققین حنفیہ کے طریقہ کا پابند رہا ہے۔ مگر یہ لوگ (وہابی) تھے کہ حزب ولی اللہ کی امتیازی خصوصیّات کی پابندی کو قبول نہ کرتے اور اس طرح معاملہ روز بروز بگڑتا ہی چلا گیا۔" (شاہ ولی اللہ اور انکی سیاسی تحریک ص۱۰۲)

سُنّی پٹھانوں پر وہابیوں کے ظُلم وستم کا آغاز

سید احمد صاحب کے ساتھی وہابیوں نے مذہبی مخالفت پیدا کر چکنے کے بعد اب اپنی حاکمانہ شان کا عملی مظاہرہ کرتے ہُوئے اپنے محسن و میزبان سُنّی پٹھانوں پر طرح طرح کی سختیوں اور ظلم وستم کا آغاز بھی کر دیا۔ حیلوں بہانوں سے انہیں ذلیل و رسوا اور تنگ کیا جانے لگا۔ ان کے حوصلے یہاں تک بڑھ چکے تھے۔ کہ یہ لوگ حاکمانہ قوّت دکھا کر

غیوّر پٹھانوں کی عفّت مآب بیٹیوں کو جبراً اُٹھا لے جانے لگے۔

مولوی عبیداللہ صاحب سندھی لکھتے ہیں "فکری اعتبار سے ایک تو یہ نزاع تھا جو اس وقت ایک طرف افغانوں میں اور دُوسری طرف نجدی اور یمنی ذہنیت سے متأثر ہندوستانیوں میں پیدا ہو گیا۔ لیکن عملی زندگی میں بھی اس کی وجہ سے بعض قباحتیں ظاہر ہوئیں۔ اس میں شک نہیں کہ افغان شرفا دُوسری مسلم قوموں کے شرفا سے رشتہ ناطہ معیوب نہیں سمجھتے چنانچہ ہندوستانی مہاجرین اپنے ساتھ اہل وعیال

[1] موجودہ وہابیوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ افغان سرداروں نے طمع اور لالچ میں آکر سکھّوں کی سازش میں شریک ہو کر سیّد احمد اور ان کی جماعت سے غدّاری کی تھی سچ ہے۔ بے حیا باش وہر چہ خواہی کن۔ (مؤلّف)

تو لے نہیں گئے تھے۔ اس لئے جب یہ لوگ مستقل طور پر افغانی علاقوں میں رہنے لگے تو ان کی شادی بیاہ افغانوں کے ساتھ ہوتے لگے۔ مگر خرابی یہ ہوئی کہ امیر شہید کے دعوائے خلافت کی اشاعت کرنے والے ہندوستانی اپنی حاکمانہ قوّت دکھا کر بہ جبر افغان لڑکیوں سے نکاح کرتے لگے۔" (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص۱۰۸) اب متعصّب وہابی مرزا حیرت کی گواہی بھی ملاحظہ ہو۔" احکام شریعت ناگوار صورت میں پبلک کے آگے پیش کیے جاتے تھے۔ سیّد صاحب نے صدہا غازیوں کو مختلف عہدوں پر مقرر فرمایا تھا۔ کہ وہ شرع محمّدی کے موافق عمل درآمد کریں۔ مگر ان کی سختیاں حد سے زیادہ بڑھ گئی تھیں۔ اور بعض اوقات بیوہ خواتین کو مجبور کرتے تھے کہ ان سے نکاح کر لیں۔ اکثر بیوائیں جو بعض حالات میں نکاح ثانی کرنا پسند نہ کرتیں زبردستی مسجد میں لے جا کر نکاح پڑھا جاتا۔" (حیات طیبہ ص۳۵۵) واضح رہے کہ مذہب وہابیہ میں "شرع محمّدی" کی اصطلاح سے ان کے وہ خانہ ساز اور من گھڑت اُصول مُراد ہیں۔ جو وہ حسب ضرورت و موقعہ گھڑ لیں۔ پھر خواہ وہ قرآن وحدیث کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں یہ اپنے انہی اُصولوں کو شرع محمّدی کہے جائیں گے۔

ان کی "شرع محمّدی" کا یہی نمونہ کیا کم دلچسپ ہے، جو آپ ان کی نکاح خوانی کے متعلق دیکھ رہے ہیں۔ شریعت کی رُو سے انعقاد نکاح کے لئے بالغ طرفین کی رضامندی اور گواہوں کے رُوبرو بلا جبر واکراہ ایجاب وقبول شرط ہے لیکن وہابیہ کی "شرع محمّدی" میں انعقاد نکاح کی کیفیت بھی آپ کے سامنے ہے۔ کہ اگرچہ لڑکی نکاح کرنے پر راضی نہیں۔ انکاری ہے اور وہ وہابی مجاہد صاحب اسے کھانپ رہا ہے۔ اس سے متنفّر ہے۔ اور خود کو اس کی زوجیت میں دینے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ لڑکی کے والدین بھی اپنی لڑکی کو اس کے نکاح میں دینے سے شدّت کے ساتھ انکار کر رہے ہیں۔ مگر وہابی مجاہد صاحب ہیں کہ لڑکی اور اس کے والدین کو قتل وغارت کی دھمکیاں دیتے ہوئے اپنے خونخوار

مسلح ہمراہیوں کی مدد سے تلواروں کے سایہ میں لڑکی کو زبردستی اُٹھا کر یا کھینچ کھانچ کر مسجد میں لاتے ہیں اور خود ہی یک طرفہ اعلان فرما دیتے ہیں کہ ہم نے اس لڑکی سے نکاح کر لیا اور اپنی زوجیت میں لے لیا ہے۔ اور سارے موجود وہابی تصدیق کر دیتے ہیں کہ بس نکاح منعقد ہو گیا۔ اس جبری کارروائی کے بعد وہابی مجاہد صاحب اس بے بس لڑکی کو بطور بیوی کے استعمال کرنے لگتے ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ مرزا حیرت دہلوی لکھتا ہے " ایک نوجوان خاتون نہیں چاہتی کہ میرا نکاح ثانی ہو۔ مگر مجاہد صاحب زور دے رہے ہیں۔ کہ نہیں، ہونا چاہیئے آخر ماں باپ اپنی نوجوان لڑکی کو حوالہ مجاہد کرتے تھے۔ اس کے سوا ان کو کچھ چارہ نہ تھا" (حیات طیبہ ص ۳۵۵) ناظرین غور فرمائیں۔ کہ ایک وہابی مؤرخ کی اس مختصر سی عبارت میں کس قدر دردناک داستانیں اور وہابیوں کی کتنی شرمناک کارروائیاں مضمر ہیں۔

یاد رہے کہ یہ تو بطور مشتے نمونہ از خروارے بیان کیا گیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سید احمد اور اسماعیل دہلوی کی اس چند روزہ حکومت کے بے گناہ مسلمانوں پر مظالم کی داستان طویل، جگر پاش اور ناقابل تحریر و بیان ہے۔ تاہم وہابی مؤرخ مرزا حیرت دہلوی کی کتاب سے گواہی پیش خدمت ہے " ایک ایک چھوٹے ضلع، قصبہ، گاؤں میں ایک ایک عامل (عہدہ دار) سید صاحب کی طرف سے مقرر ہوا تھا۔ وہ بیچارا جہانداری کیا خاک کر سکتا۔ اُلٹے سیدھے شریعت کی آڑ میں نئے نئے احکام بیچارے کسانوں پر جاری کرتا تھا اور وہ اُف نہ کر سکتے تھے۔ کھانا پینا۔ بیٹھنا اُٹھنا۔ شادی کرنا سب ان پر حرام ہو گیا تھا۔ نہ کوئی منتظم، نہ کوئی دادرس۔ معمولی باتوں پر کفر کا فتویٰ ہو جانا کچھ بات ہی نہ تھا۔ کاش مولانا سید پشاور کے عامل ہوتے تو پشاوریوں پر یہ ظلم نہ ہوتا۔ کسی کی لبیں بڑھی ہوئی دیکھیں۔ اس کے سب بال کترا دیئے۔ ٹخنوں کے نیچے تہبند دیکھی۔ ٹخنہ اُڑا دیا تمام ملک پشاور پر آفت

چھا رہی تھی" (حیات طیبہ ص ۳۵۶) پھر ذرا آگے چل کر اسی صفحہ پر ہے " اور پھر سبب یہ تھا کہ ان پر کوئی حاکم مقرر نہ تھا کہ پبلک ان کی اپیل اعلیٰ احکام کے آگے پیش کرے۔"
اسی سلسلہ میں شیخ محمد اکرام صاحب ایم۔ اے کا بیان بھی ملاحظہ ہو " اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سید صاحب کے بعض ساتھیوں کا رویہ ہمدردی اور معاملہ فہمی کا نہ تھا بلکہ وہ جلد ہی فاتحانہ تشدد پر اُتر آئے۔ مثلاً خان اللہ بخش ہی سید صاحب کے مقرر کردہ ایک قاضی صاحب کی نسبت لکھتے ہیں۔ ایک موقعہ پر جب مذکورہ جماعت کے ایک قاضی سید محمد جہاں کے اس ارشاد پر کہ جو اہل رسوم خدا و رسول کے حکم کے خلاف باپ دادا کی ریت پر چلتے ہیں۔ وہ عملاً کافر ہیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ منیۃ المصلی میں اہل رسوم کو کافر نہیں کہا گیا تو اس کا جواب گھونسوں سے دیا گیا اور قاضی موصوف نے اس وقت تک معترض کو نہ چھوڑا جب تک اُس نے دوبارہ کلمہ نہ پڑھ لیا یا بہ الفاظِ واضح تر اسے دوبارہ مسلمان بنایا گیا" نیز ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں " لیکن مجاہدین اور مقامی باشندوں میں تو بنیادی نقطۂ نظر کا اختلاف تھا۔ قبائل کو جو رسمیں عزیز تھیں وہ مجاہدین کے نزدیک کفر تھیں" (موج کوثر ص ۳۱) ناظرین غیر جانبداری کے ساتھ فیصلہ کریں۔ کہ سید احمد اور اسماعیل دہلوی اور ان کے عمال حکومت کے ناقابل مظالم اور تشدد اور ان کی شرمناک کارروائیوں کو غیور اور بہادر سنی پٹھان کہاں تک برداشت کرتے۔ اور کیا اگر کوئی بھی حکومت ہم آپ کے ساتھ ایسا برتاؤ اور یہی سلوک کرے تو ایمان سے کہیئے کہ ہم آپ ایسی بدکردار۔ ظالم و جابر حکومت کو بہ رضا و رغبت برداشت کریں گے؟ پس جب پٹھانوں پر وہابیہ کے مظالم کی انتہا ہو گئی۔ اور انہیں یقین ہو گیا کہ جن لوگوں کو ہم نے مجاہدینِ اسلام سمجھ کر محض جذبۂ اسلامی کے تحت اقامتِ دین کی خاطر ہر ممکن مدد دی وہ ہماری جان۔ مال۔ عزت و آبرو لوٹنے اور ہمارے دین و ایمان کو تباہ و برباد کر دینے کے درپے ہیں۔ اور افہام و تفہیم اور اصلاحِ احوال کی کچھ گنجائش بھی باقی نہیں

رہی تو اُنھوں نے ان نام نہاد مجاہدین، خونخوار و ظالم وہابیوں کے منحوس غلبہ و تسلّط سے نجات حاصل کرنے کی خاطر ایک بھرپور مدافعانہ تدبیر کی جس کے نتیجہ میں

سیّد احمد اور اسماعیل دہلوی کی حکومتِ وہابیہ کا خاتمہ ہوگیا۔ مولوی علیداللہ صاحب

سندھی لکھتے ہیں "چنانچہ ایک معیّن رات میں امیر شہید (سیّد احمد) کے تمام مقرّر کردہ اہل مناصب (حکام و عہدیدار) قتل کر دیئے گئے اور حکومت کا خاتمہ ہوگیا امیر شہید اس واقعہ سے کہ قاضی، مفتی، حاکم، سپاہی غرض ساری جماعت قتل کر دی گئی تھی۔ بہت متأثّر ہوئے۔"

(شاہ ولی اللہ اور اُن کی سیاسی تحریک)

موجودہ وہابی صاحبان پروپیگنڈہ کے زور سے یہ باور کرانا چاہتے ہیں۔ کہ سیّد احمد اور اسماعیل صاحب اور ان کے ہمراہی اسلام کے سچّے مجاہد تھے۔ ملک کی آزادی کے لئے انگریزوں کے خلاف برسرِ پیکار تھے اور محض پٹھانوں کی غدّاری کی وجہ سے ناکام ہوئے۔ حالانکہ حقیقت سراسر اس کے برعکس ہے۔ ان کے کارنامے تاریخ سے محو نہیں کئے جا سکتے۔ تاریخ کو بدلا نہیں جا سکتا۔ خصوصًا اس صورت میں کہ ان نام نہاد مجاہدین کے حالات، اقوال اور اعمال خود وہابی مصنّفین اور سوانح نگاروں کی کتب اور رسائل میں بھی محفوظ ہیں۔

تعجّب ہے کہ مُستیٰ مظلوم پٹھانوں کو غدّار ٹھہرانے والے پروپیگنڈہ باز وہابی صاحبان اپنے پیشواؤں کے کرتوت کیونکر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ یہی لوگ سیّد احمد اور اسماعیل دہلوی کو اپنی تقریروں اور تحریروں میں بڑے التزام کے ساتھ "شہید" قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ انہیں کسی بھی لحاظ سے "شہید" قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ناظرین ان کے جہاد کی حقیقت سے تو واقف ہو چکے اب

سیّد احمد اور اسماعیل دہلوی کے شہید ہونے کی تحقیق بھی ملاحظہ فرمائیں۔

شرعًا شہید وہ ہے جو دین اسلام کی سربلندی کے لئے خالصتہً لوجہ اللہ لڑے اور کفّار کے ہاتھوں قتل ہو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سیّد احمد اور اسماعیل دہلوی کو جو وہابی بڑی شدّ و مد کے ساتھ شہید کہتے ہیں۔ وہ کہاں تک حق بجانب ہیں۔ گذشتہ اوراق میں بالتحقیق واضح کیا جا چکا ہے۔ کہ سیّد احمد اور اسمٰعیل دہلوی کی تمامتر جدّ و جہد کا مقصد استحکام سلطنتِ برطانیہ اور گورنمنٹ برطانیہ کے زیر سایہ ریاستِ وہابیہ کا قیام تھا۔ اور ان کا سکھوں کے خلاف نعرۂ جنگ منجملہ دیگر مقاصد کے ریاست وہابیہ کی توسیع اور مسلمانوں کی توجّہ کو انگریزوں کی طرف سے ہٹانے کا ایک حیلہ تھا۔ پھر اس کے علاوہ انہیں سکھوں سے زیادہ بدعتی، مشرک اور کافر مسلمانوں کے استحصال و استیصال کی زیادہ فکر تھی۔ جیسے کہ ان کے اعلانات سے بھی واضح ہے۔ اور واقعات بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ مسلک دیوبندیہ کے مولوی رشید احمد گنگوہی کا بیان ہے "حافظ جاتی ساکن انبیسٹھہ نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ ہم قافلہ میں ہمراہ تھے بہت کرامتیں وقتاً فوقتاً حضرت سیّد صاحب سے دیکھیں۔ مولوی عبدالحیٔ صاحب، مولوی محمّد اسماعیل صاحب دہلوی اور مولوی محمّد حسن صاحب رامپوری بھی ہمراہ تھے۔ اور یہ سب حضرات سیّد صاحب کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے۔ سیّد صاحب نے پہلا جہاد مسمّی یار محمّد خان حاکم یاغستان سے کیا تھا" (تذکرۃ الرشید صفحہ ۲۷ ج ۲) یہ لوگ پہلا جہاد یار محمّد خان سے کیوں نہ کرتے جبکہ یہ لوگ مسلک وہابیہ کے تحت ہر اس مسلمان کو گردن زدنی قرار دیتے ہیں۔ جو ان کی تاویلات فاسدہ اور ان کے عقائد باطلہ کو قبول نہ کرے۔ چنانچہ اسماعیل دہلوی کے حالات میں لکھا ہے "دوران زمانہ جہاد میں آپ (اسمٰعیل دہلوی) کی عادت تھی کہ گلے میں حمائل اور کمر میں تلوار لٹکائے رکھتے کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تو قرآن سے حل فرماتے اور آیت نکال کر دکھاتے اور سُنّت سے اس کی تائید فرماتے پھر بھی اگر کوئی کج فہم اپنی ہٹ پر قائم رہتا تو تلوار

سے اُس کا سر قلم کر دیا کرتے تھے۔" (مقدمہ تقویۃ الایمان ص ۸) بتائیے اسمٰعیل دہلوی کی اس خونریزی اور مسلم کشی کا کیا جواز ہے؟ پھر جب ان کی جدّو جہد اور ان کے تمام نہاد جہاد کی یہ کیفیّت ہے تو ان کی جنگی کارروائیوں کو "جہاد فی سبیل اللہ" کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے۔ نیز لُطف کی بات تو یہ ہے کہ سیّد احمد صاحب کے متعلق خود ان کے معتقدین و متبّعین کا اس پر اتفاق نہیں کہ وہ سکھّوں کے ہاتھوں معرکۂ بالاکوٹ میں مارے گئے یا مفرور ہو کر رُوپوش ہو گئے تھے۔ اس سلسلہ میں مختلف روایات ملاحظہ ہوں مسلک دیوبندیہ کے مایہ ناز مولوی عبیداللہ صاحب سندھی فرماتے ہیں "چنانچہ موصوف (سیّد احمد) نے اپنا فوجی مرکز کشمیر میں منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔ بالاکوٹ راستہ کی ایک منزل تھی یہاں سکھّوں کے ولیعہد سلطنت شیر سنگھ نے حملہ کر دیا۔ مجاہدین ایسے میدان میں گھر چکے تھے کہ نہ کوئی سردار باقی رہا تھا اور نہ کوئی سپاہی۔ تحقیق سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ امیر شہید کا سر کاٹ کر رنجیت سنگھ کو دکھانے کے لئے لاہور لایا گیا اور بغیر سر کے آپ کا جنازہ مولانا محمد اسمٰعیل شہید کے جنازے کے ساتھ بالاکوٹ میں دفن ہُوا۔" (شاہ ولی اللہ اور انکی سیاسی تحریک)

مولوی عبیداللہ صاحب سندھی سیّد احمد کا سکھّوں کے ہاتھوں مقتول ہونا بیان کرتے ہیں۔ اب اس کے بعد صاحب سوانح احمدی (تواریخ عجیبہ) کی روایت دیکھئے "وعدۂ فتح پنجاب کے الہام کا آپ کو ایسا وثوق تھا کہ آپ اس کو سراسر صادق اور ہونہار سمجھ کر بار ہا فرماتے اور اکثر مکتوبات میں لکھا کرتے تھے کہ اس الہام میں وسوسۂ شیطانی اور شائبہ نفسانی کو ذرا بھی دخل نہیں ہے۔ ملک پنجاب ضرور میرے ہاتھ پر فتح ہوگا اور اس سے پہلے مجھ کو موت نہ ہوگی۔ لیکن معاملہ بالاکوٹ خواہ شہادت ہو یا غیوبت بظاہر سراسر اس یقینی الہام کے خلاف ہُوا۔"

اس روایت سے معلوم ہُوا کہ سیّد صاحب کو ماشاء اللہ الہام بھی ہُوا کرتا

تھا اور انہیں اصرار تھا کہ یہ الہامات منجانب اللہ ہیں نہ کہ شیطانی یا نفسانی۔ مگر ؎ اے بسا آرزو کہ خاک شُدہ۔

واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ الہامات من گھڑت تھے۔ چنانچہ ان کے معتقد و مدّاح قلم روکتے روکتے لکھ ہی گئے کہ "بظاہر سراسر اس یقینی الہام کے خلاف ہوا"۔ خیر ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ اس روایت سے سیّد احمد کے معرکہ بالاکوٹ (۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) میں مقتول ہونے کی توثیق نہیں ہوتی بلکہ مقتول ہونے یا مفرور۔ دونوں باتوں کا احتمال ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن سوانح احمدی ص ۱۷۵ کی روایت سے اس کے غائب ہونے کی شہادت ملتی ہے لکھا ہے "سیّد صاحب مثلِ شیر آپ کی جماعت میں کھڑے تھے کہ اس وقت یک بیک آپ نظروں سے غائب ہو گئے۔" اس کے بعد مندرجہ ذیل روایتوں سے توثیق اور تصدیق ہو جاتی ہے کہ سیّد احمد صاحب معرکۂ بالاکوٹ میں یقیناً مقتول نہیں ہوئے بلکہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے۔ چنانچہ "سوانح احمدی کے ص ۱۷۵ پر ہی موجود ہے" مولوی جعفر علی نقوی جو آپ کا باڈی گارڈ تھا اور آپ کے کندھے سے کندھا ملائے کھڑا تھا کہتا ہے "جناب حضرت امیر المؤمنین در ہمہ جماعت از نظر من غائب شدند۔ یہ واقعہ جگر سوز ۲۴ ذیقعد ۱۲۴۶ھ ہجری میں واقع ہُوا اُس وقت بوجہ آپ کے غائب ہو جانے کے سارے لشکر اسلام میں ہلچل پڑ گئی۔ غازیوں نے سارا میدان ڈھونڈ مارا۔ مگر سیّد صاحب کا پتہ نہ ملا۔" پھر اس کے آگے ص ۱۷۹ پر ہے "ایسی بھی بہت روایتیں ہیں کہ اس واقعۂ بالاکوٹ کے بعد متعدد لوگوں نے سیّد صاحب اور اُن کے رفیقوں کو دیکھا ہے۔" پھر اسی کتاب کے ص ۱۸۵ پر یہاں تک وضاحت ہے کہ "مولوی حیدر علی صاحب دہلوی ثم ہوشیار پوری اور اُن کے بیٹے نے ۱۳۱۲ھ ہجری میں ہی سیّد صاحب کی زیارت کی ہے۔" اس کے علاوہ دیوبندی مولوی عاشق الٰہی کی کتاب "تذکرۃ الرشید ص ۲۷۱،۲۷ پر ہے" جب لاشیں سنبھالی گئیں تو سیّد صاحب اور اُن کے ساتھیوں کا پتہ نہ لگا۔ لوگ تلاش

میں نکلے اور ادھر اُدھر جستجو کرنے لگے۔ چند آدمی مختلف دیہات اور پہاڑوں میں جا کر ڈھونڈا کرتے تھے اور کسی کو نہ ملتے تھے۔ گاؤں میں برابر پتہ چلا جاتا۔ کہ یہاں تھے وہاں تھے۔ ایک شخص نے بیان کیا کہ "مجھے سخت بخار تھا۔ اسی حالت میں مَیں نے تین شخصوں کو جاتے دیکھا۔ جن میں ایک سیّد صاحب تھے"۔ نیز اسی کتاب کے اسی صفحہ پر مندرجہ ذیل روایت ہے انشاء اللہ ناظرین کی تسلّی ہو جائے گی"۔ دوسرے شخص نے بیان کیا۔ کہ ہم ان ہی دنوں سیّد صاحب کو ایک پہاڑ میں تلاش کر رہے تھے۔ دفعتًہ کچھ فاصلہ پر کچھ گڑگڑاہٹ سنا۔ میں وہاں گیا۔ تو دیکھوں کیا کہ سیّد صاحب اور ان کے دو ہمراہی بیٹھے ہیں۔ مَیں نے سلام و مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حضرت کیوں غائب ہو گئے۔ سب لوگ بغیر آپ کے پریشان ہیں۔ مجبور ہو کر ہم نے فلاں شخص کو اپنا خلیفہ بنا لیا ہے اور ان سے بیعت کی ہے۔ آپ نے اس پر تحسین کی اور فرمایا ہم کو اب غائب رہنے کا حکم ہُوا ہے۔ اس لئے ہم نہیں آسکتے"۔ میدان جنگ سے مفرور ہو جانے کے بعد رُوپوشی کے دوران بھی سیّد احمد صاحب کے وہابیانہ عزائم اور کارناموں کی ایک جھلک ملاحظہ ہو"۔ تیسرے ایک اَور شخص نے بیان کیا کہ سیّد صاحب کو ڈھونڈتے ہم ایک گاؤں میں ایک جگہ اُترے وہاں دریافت کرنے پر معلوم ہُوا کہ یہ قبر ڈھئی ہوئی تازہ پڑی ہے اس کو سیّد صاحب ابھی ڈھوا کر گئے ہیں۔ کیونکہ اُونچی تھی اِدھر اُدھر دیکھا تو کہیں پتہ نہ لگا"۔ (تذکرۃ الرشید ص۲۷)

اب ناظرین غیر جانبداری کے ساتھ فیصلہ کریں کہ سیّد احمد کو "شہید" قرار دینے والے کس قدر دیانت دار ہیں۔ ان روایات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ کہ سیّد احمد صاحب معرکۂ بالاکوٹ میں مقتول نہیں ہوئے۔ بلکہ جب انہیں شکست کے آثار دکھائی دئیے تو اپنے جان نثاروں سے کمال بیوفائی کرتے ہوئے چُھپ چھپاتے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ میدانِ جنگ سے فرار ہو گئے۔ اور مدّت تک مُنہ چھپائے اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہے۔ رہی یہ بات کہ ان کی وفات کب اور کہاں واقع ہوئی اور کس جگہ مدفون ہوئے۔ یہ یا تو کسی کو معلوم نہیں یا یہ مسئلہ مصلحتًا رازِ درون پردہ ہے۔

خیر ہمیں اس سے کچھ سروکار نہیں۔ مقصود تو یہ ثابت کرنا ہے۔ کہ سیّد احمد کو "شہید" سمجھنا۔ شہید کہنا اور شہید لکھنا شرعًا ناجائز اور دیانت کے خلاف ہے۔ اب رہا سیّد احمد صاحب کے دست راست اسماعیل دہلوی کے شہید ہونے کا مسئلہ تو یہ بھی صاف ہُوا جاتا ہے۔ غیر مقلد وہابی مرزا حیرت دہلوی کا بیان ملاحظہ ہو"۔ بہت سے لوگوں کا یہ بھی منقولہ ہے کہ سیّد صاحب کے ساتھ مولانا محمّد اسماعیل بھی آسمان پر چلے گئے"۔ یہ لوگ آسمان پر تو کیا گئے ہوں گے البتّہ اس سے یہ ضرور واضح ہو گیا کہ اسماعیل صاحب بھی سیّد صاحب کے ہمراہ میدان جنگ سے فرار ہو گئے تھے۔ میدان جنگ سے سیّد احمد صاحب کے فرار کے بعد ان کے لشکریوں کو اسماعیل دہلوی بھی نظر نہ آئے اور نہ مقتولین میں ان کی لاش ملی ورنہ یہ بات "بہت سے لوگ" کیونکر کہہ سکتے تھے۔ کہ سیّد صاحب کے ساتھ مولانا محمّد اسماعیل بھی آسمان پر چلے گئے۔ اس کے ساتھ ہی مرزا حیرت نے یہ حیرت انگیز بات بھی لکھ ماری کہ" مگر یہ خبر معتبر معلوم ہوتی ہے کہ دُوسرے دن شیر سنگھ نے ان دونوں بُزرگوں کی نعشوں کو شناخت کرا کر نہایت عزّت کے ساتھ انہیں بالاکوٹ ہی میں دفن کرا دیا۔ مولانا شہید کی قبر تو موجود ہے۔ اور سیّد صاحب کی قبر حضرت موسٰی اور حضرت علی کی قبر کی طرح مشتبہ[1] ہے"۔ (حیات طیبہ ص۵۳۴، ۵۳۵) سوچنے کی بات ہے کہ اگر بقول اس کے یہ خبر معتبر ہے کہ اسماعیل صاحب اور سیّد احمد دونوں کی نعشوں

---

[1] سیّد احمد رائے بریلوی کی قبر کو حضرت مُوسٰی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی قبُورِ مقدّسہ سے تشبیہ و نسبت دینا انتہائی گستاخی اور بیہودگی ہے یہ جسارت قابل مذمّت ہے ؎

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

(مؤلّف)

کو شناخت کرا کر بالاکوٹ ہی میں دفن کرا دیا تھا تو پھر یہ کیونکر لکھ مارا کہ مولانا شہید کی قبر تو موجود ہے اور سیّد صاحب کی قبر مشتبہ ہے۔ بھلا خبر مشتبہ خبر معتبر کیونکر ہو سکتی ہے۔ خبر تو وہی معتبر ہو گی جس خبر کو بہت سے لوگ بیان کریں۔ خصوصًا وہ لوگ جو ان کے ساتھ معرکۂ بالاکوٹ میں شریک تھے اور خوش قسمتی سے قتل ہونے سے بچ گئے تھے۔ اور سیّد احمد صاحب کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض اشخاص نے سیّد احمد صاحب کو ان کے میدان جنگ (معرکہ بالاکوٹ) سے فرار ہو جانے کے بعد رُوپوش ہو جانے کے زمانہ میں دیکھا۔ بعض نے ان سے ملاقات اور گفتگو بھی کی۔ یہاں تک کہ معرکہ بالاکوٹ سے چھیاسٹھ سال بعد مولوی حیدر علی اور اُس کے بیٹے نے سیّد احمد صاحب سے ملاقات کی اور ان باتوں کی گواہی خود وہابی صاحبان اور ان کی کتابیں دے رہی ہیں۔ تو پھر آنکھیں بند کر کے اندھیرے میں تیر چلانے سے کیا فائدہ۔ پھر جب سیّد احمد صاحب اور اسماعیل دہلوی کے ساتھیوں میں سے ہی۔ "بہت سے لوگوں کا یہ بھی مقولہ ہے۔ کہ سیّد صاحب کے ساتھ مولانا اسماعیل بھی آسمان پر چلے گئے"۔ یعنی دونوں مفرور اور رُوپوش ہو گئے تو پھر اِن دونوں کے بالاکوٹ میں مقتول اور مدفون ہونے کی خبر کچھ بھی معتبر نہ رہی۔ بلکہ یوں کہنا مبنی بر حقیقت اور صحیح ہو گا۔ کہ یہ خبر سراسر غلط اور قطعًا خلاف واقعہ ہے۔ الغرض خود وہابیہ کی تحریروں سے ہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ سیّد احمد اور اسماعیل دہلوی معرکہ بالاکوٹ میں مقتول نہیں ہوئے۔ اور نہ ہی وہاں دفن کئے گئے۔

ہاں یہ دُوسری بات ہے کہ شیر سنگھ نے از رُوئے مغالطہ یا کسی مصلحت سے دُوسرے مقتول وہابیوں کی نعشوں میں سے دو نعشوں کو سیّد احمد اور اسماعیل دہلوی کی نعشیں قرار دے کر دفن کرا دیا ہو۔ جو بعد میں انہی کی قبریں مشہور ہو گئیں۔ واللّٰہ اعلم بالصّواب۔

اب اس سلسلہ میں ۱۸۹۰ء میں مطبوعہ گواہی ملاحظہ ہو۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ

اسمٰعیل دہلوی بمقام پنجتار مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہوئے مسلمانوں کے ہاتھوں مقتول ہوئے

"مسلمانوں کی تاریخ گواہ ہے کہ جب کبھی ملّت اسلامیہ پر بُرا وقت آیا۔ تو کچھ لوگ اُمّت مرحُومہ کی پریشانیوں سے وقتی فائدہ اُٹھانے کے لئے میدان میں آ گئے اور اپنے خُود ساختہ نظریات وعقائد کی تبلیغ شروع کر دی۔ ہندوستان میں بھی یہی ہُوا۔ مغل سلطنت کا چراغ گُل ہو رہا تھا۔ مسلمان حیات وموت کی کشمکش میں تھے۔ اسی زمانہ میں مولوی اسماعیل دہلوی ظاہر ہوئے اور اپنے غیر اسلامی خُود ساختہ عقائد کی ترویج و اشاعت میں مشغول ہو گئے۔ اللّٰہ رب العزّت اور اس کے محبوب محمّد مصطفٰے صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم اور دیگر تمام انبیاء و رُسل علیہم السّلام اور اولیاء کرام رحمہم اللّٰہ تعالےٰ کی تذلیل واہانت کو اپنا شعار مذہب بنا لیا۔ مشرق و مغرب میں بڑے زور شور سے اس کی تبلیغ شروع کر دی۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لیکر اپنے زمانہ کے تمام مسلمانوں کو مشرک و مُرتد ٹھہرایا اور اسی مشرک گردی کے سلسلہ میں یُوسف زئی پٹھانوں کی دو لڑکیاں اپنے قبضہ میں لائے اور پُورے قبیلہ کو حکم دیا کہ اپنی لڑکیاں اسماعیلی گروہ کے حوالے کر دیں۔ پٹھانوں کے انکار پر مولوی دہلوی نے ان کو مشرک قرار دے کر جہاد بالسیف شروع کر دیا جس میں بکثرت یُوسف زئی پٹھان مارے گئے۔ بالآخر مولوی اسماعیل صاحب انہی پٹھانوں کی گولی سے بمقام پنجتار مارے گئے۔ اور اس طرح مسلمانوں کے خلاف مقاتلہ کا انجام سخت عبرتناک ہُوا۔ اب ان کو شہید کہئے۔ قاتل کہئے، مقتول کہئے اختیار ہے"۔ (منقول از ماہنامہ تاج کراچی بابت ماہ فروری ۱۹۵۷ء بحوالہ فریاد المسلمین" مطبوعہ ۱۸۹۰ء وہابی کیس ہنٹر) بہرحال از رُوئے تحقیق ثابت

ہوا کہ سید احمد اور اسماعیل دہلوی معرکہ بالاکوٹ میں مقتول نہیں ہوئے انہیں شہید قرار دینا ہر لحاظ سے غلط اور خلافِ حقیقت ہے۔

معرکۂ بالاکوٹ کے بعد سید احمد کے خلفاء اور متبعین کے کارنامے

معرکہ بالاکوٹ کے بعد سید احمد رائے بریلوی اور اسماعیل دہلوی کی تحریک کا زور اگرچہ ٹوٹ چکا تھا تاہم ان کے جانشین یکے بعد دیگرے سرحدی علاقہ میں پھر سے اپنے قدم جمانے اور ریاست وہابیہ قائم کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے۔ یہ لوگ کبھی تو جہاد کا نعرہ بلند کرکے افغان سرداروں کی مدد حاصل کرتے اور سکھوں سے لڑائی چھیڑ دیتے کہ شاید سکھوں سے ہی کوئی علاقہ چھین لیں اور اور کبھی اپنی وہابیانہ ذہنیت سے مجبور ہوکر افغانوں پر شرک و کفر کا فتویٰ لگا کر ان کے خلاف جنگ و جدال شروع کر دیتے۔ تاکہ سُنّی پٹھانوں کو مغلوب کرکے ان پر مسلّط ہو جائیں۔ شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں "میدان جنگ (بالاکوٹ) سے جو لوگ کسی طرح بچ نکلے۔ ان میں سے بعضوں نے ہندوستان کی راہ لی۔ گنتی کے چند افراد اس علاقے میں رہ گئے۔ ان میں سے شیخ ولی محمد پھلتی جنہیں اس مختصر جماعت کا امیر منتخب کیا گیا اور مولوی نصیر الدین منگلوری جنہوں نے مجاہدین کی عملی قیادت کی، قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے بعض مقامی خوانین اور پیروں کے ساتھ مل کر سکھوں کے خلاف تھوڑا بہت جہاد کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ لیکن اس میں چنداں کامیابی نہ ہوئی۔ بلکہ مجاہدین مقامی جھگڑوں میں بُری طرح پھنس گئے۔ مولوی نصیر الدین منگلوری نے ایک مقامی رئیس فتح خان پنجتاری سے لڑائی کے دوران میں ۱۸۳۸ء کے قریب شہادت پائی (موج کوثر ص۴۱)

ان کی ان مجنونانہ کاروائیوں اور وہابیانہ حرکات کے نتیجہ میں افغان ان سے بیزار اور مایوس ہوتے چلے گئے ان کے آئے دن کے حملوں سے تنگ آکر چند افغان سردار انگریزی حکومت کے حلیف بن گئے تھے۔ اور دوسری طرف سکھوں

نے بھی حالات سے مجبور ہوکر انگریزوں سے صلح کر لی اور اس بناء پر انگریزی افواج کو اپنے حلیفوں پر وہابیوں کے جارحانہ حملوں کی مدافعت کے لئے میدان میں آنا پڑ گیا۔ اور اس طرح وہابیوں اور انگریزوں کے درمیان بھی لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہابی مصنف مسعود عالم ندوی لکھتا ہے "یہ ہم ابھی ابھی لکھ آئے ہیں کہ مولانا عنایت علی کی جہادی سرگرمیوں کا جو تھا دور مولانا ولایت علی کے انتقال کے بعد شروع ہوتا ہے (محرم ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء) یہ بھی پہلے گذر چکا ہے کہ وہ انگریزوں کے حلیف والئی امب پر حملہ کرنا چاہتے تھے مگر مولانا ولایت علی نے اجازت نہ دی۔ جب زمام قیادت ان کے ہاتھ میں آئی تو ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ جہاندادخان والئی امب سے ٹکر ناگزیر ہو گئی"۔ (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص۶۹) نیز اسی کتاب کے ص۹۷ پر انگریز کلکٹر پٹنہ کا بیان منقول ہے۔ کہ "۱۸۵۲ء کے ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مذہبی دیوانوں نے ہمارے حلیف جہانداد خان والئی امب پر حملہ کیا۔ جس کے باعث آگے چل کر ۱۸۵۸ء میں ضروری ہو گیا۔ کہ سر سڈنی کاٹن کی سرکردگی میں ان کے خلاف ایک مہم بھیجی جائے"۔ ان وہابیوں نے جب دیکھا کہ وہ انگریزی افواج کا خود تنہا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ تو ان لوگوں نے اسلام کا واسطہ دیکر مختلف افغان قبائل میں انگریزوں کے خلاف کی تبلیغ شروع کر دی اور خدا اور رسول کے نام پر چند افغان قبائل کو انگریزوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوکر سُنّی پٹھانوں کی مدد سے انگریزوں کے خلاف محاذ کھول دیا۔ شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں "اکثر بڑی لڑائیوں کے موقعہ پر جبری قبائلی لشکر جمع ہو جاتا چنانچہ انگریزوں کو متعدد مرتبہ بڑی بڑی فوجیں مجاہدین اور قبائل کے خلاف بھیجنی پڑیں اور کئی اہم لڑائیاں وقوع پذیر ہوئیں"۔ (موج کوثر ص۵۳) لیکن اس کے باوجود ان وہابیوں اور سُنّی پٹھانوں کے مابین سُنّی وہابی کا جھگڑا ابھی بدستور چلتا رہا۔ وہابی صاحبان اپنی مذموم حرکات سے باز نہ رہتے۔ اور سُنّی پٹھان اُن کی ان سرگرمیوں کو برداشت نہ کرتے لہٰذا باہمی اتفاق و اتحاد قائم نہ ہو سکا۔ اور

ان وہابیوں کے ساتھ تعاون کرنے کے نتیجہ میں سُنّی پٹھانوں کو بجائے کسی فائدے کے زبردست نقصانات اٹھانے پڑے ۔ دریں اثناء انگریز کے جاسوس اس خلفشار اور تمام صورت حال کی اطلاعات برابر پہنچا رہے تھے اور انگریز حکام مناسب موقعہ کے انتظار میں تھے ۔ بالآخر "میجر سڈنی کاٹن کے زیر قیادت پانچ ہزار فوج کا لشکر اس مقصد کے لئے تیار ہوا کہ مجاہدین کے تمام مرکزوں کو تباہ و برباد کر دیا جائے چنانچہ انہوں نے اپریل ۱۸۵۸ء کے آخری ہفتے میں پنجتار اور منگل تھانہ کو تباہ و برباد کیا ۔ ۴ مئی کو یہ فوج ستھانہ کی طرف بڑھی ۔" اور نتیجۃً "انگریزوں نے ستھانہ کو بری طرح تباہ کیا ۔ توپیں لگا کر گاؤں مسمار کر ڈالا ، ہاتھیوں سے مجاہدین کا قلعہ تڑوایا ۔ سایہ دار درختوں کو بھی کاٹ ڈالا " (موج کوثر ص ۵۲، ۵۳)

الغرض سید احمد اور اسماعیل دہلوی کے متبعین وہابیوں نے اپنے پیشروؤں کی پالیسی کے خلاف جب اپنی سرگرمیوں کا رُخ انگریزوں کی جانب موڑا اور انگریزی حکومت کو اپنے مفادات پر زد پڑتی نظر آئی تو برطانوی حکام نے فوجی اور قانونی دو طرفہ کارروائی کرکے

وہابیہ کے اس ڈرامہ کا ڈراپ سین کر دیا

برطانوی حکام نے اس مرحلہ پر وہابیہ کی اس فوجی تنظیم کو مکمل طور پر کچل دینے کا حتمی فیصلہ کر لیا ۔ چونکہ جس مقصد کی خاطر انگریز نے سید احمد اور اسماعیل دہلوی کو اپنی گود میں لیا تھا ۔ اب وہ مقصد کافی حد تک پورا ہو چکا تھا ۔ برطانوی حکومت برصغیر ہند و پاک میں اپنے قدم مضبوطی سے جما چکی تھی ۔ مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو پارہ پارہ کیا جا چکا تھا فتنۂ وہابیت شہر بہ شہر اور قریہ بہ قریہ پھیل چکا تھا مسلمان سُنّی وہابی کے جھگڑوں میں الجھ رہے تھے ۔ مزید برآں انگریز حکام کو ملک میں انگریزوں کی وفاداری کا درس دینے والے اور ملت اسلامیہ میں فتنۂ وہابیت برپا رکھنے والے بہت سے ابن الوقت وہابی مولوی دستیاب ہو چکے تھے اس لئے اب سید احمد اور اسماعیل دہلوی کے خلفاء و

متبعین کی مزید خر مستیاں برداشت کرنے کی چنداں ضرورت بھی باقی نہیں رہ گئی تھی ۔ لہٰذا برطانوی حکام نے ایک طرف سرحدی علاقہ میں جنگجو وہابیوں کو فوجی قوت سے کچل ڈالا اور دوسری طرف ان نام نہاد مجاہدین کو اندرون ملک سے امداد پہنچانے والے وہابیوں کے خلاف آہنی قانونی پنجہ کو حرکت میں لا کر انہیں مختلف شہروں اور مقامات سے گرفتار کر کے ان پر بغاوت کے الزام میں مقدمات چلائے ۔ اور انہیں سزائیں دے کر اس تحریک کو ختم کر دیا ۔ شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں " انگریزی حکومت نے نہ صرف مجاہدین کے خلاف فوجی اقدامات کئے ۔ بلکہ ملک بھر میں ان کے معاونین کے خلاف مقدمے چلائے ۔ ان کی جائدادیں ضبط کیں اور دوسری سخت سزائیں دیں ۔" (موج کوثر ص ۵۳) موجودہ وہابی اپنے پیشروؤں کو مجاہدین اسلام اور انگریز دشمن ثابت کرنے کے لئے سید احمد کے خلفاء و متبعین کی انگریزوں سے جھڑپوں اور اندرون ملک ان کے معاونین کی گرفتاریوں اور ان کے خلاف مقدمات کو بڑی رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کرتے ہیں ۔ مگر ناظرین گذشتہ صفحات میں سید احمد صاحب اور اسماعیل دہلوی کے کے اعلانات ، بیانات اور انگریزوں کی وفاداری میں ان کے کارنامے ملاحظہ کر چکے ہیں ۔ اور ان کے خلفاء و متبعین کے حالات بھی پڑھ چکے ہیں ۔ ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھ کر ہر منصف مزاج فیصلہ کر سکتا ہے ۔ کہ یہ لوگ کہاں تک حق بجانب ہیں ۔

اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل غور ہے ۔ کہ اگر یہ لوگ حقیقتاً انگریز کے دشمن ہوتے اور ان کی تحریک ، حکومت برطانیہ کے خلاف ہوتی تو برطانوی حکومت اس تحریک کو پھلنے پھولنے کا موقعہ ہی کیوں دیتی جبکہ بقول مسعود عالم ندوی "اس پوری مدت (۱۸۳۱ء ۔ ۱۸۶۸ء) میں پٹنہ سازش کا مرکز تھا وہابی مبلغ ہندوستان اور دوسرے قریب کے ملکوں میں اپنے مشن کی تبلیغ کر رہے تھے ۔" (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۱۳) یہ تحریک ستائیس ۳۷ برس تک سرگرم

عملی رہی۔ تو کیا گورنمنٹ برطانیہ ستائیس برس کی طویل مدت تک ان وہابیوں کی سرگرمیوں اور ان کی تحریک سے بیخبر رہی یا اس قدر کمزور اور بے بس تھی کہ ان پر قابو نہیں پا سکتی تھی؟ ظاہر ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ بلکہ صحیح بات وہی ہے۔ جو قائدین تحریک کے اعلانات و بیانات اور ان کے عمل سے اظہر من الشمس ہے جس کی گواہی۔ اسی تحریک کے سرگرم کارکن محمد جعفر تھانیسری دے رہے ہیں "سید صاحب کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا۔ وہ (سید احمد) اس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار انگریزی اس وقت سید صاحب کے خلاف ہوتی۔ تو ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی۔" (سوانح احمدی یا تواریخ عجیبہ ص۱۰۲) اس کے علاوہ اگر وہابی مولوی واقعی انگریزوں اور ان کے اقتدار کے مخالف اور دشمن تھے تو ۱۸۵۷ء میں جبکہ حقیقی مجاہدین آزادی نے راہنمایانِ ملک وملت علمائے اہل سنت وجماعت کی قیادت میں برطانوی حکومت کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور ملک میں ہر طرف انگریزوں کے خلاف بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے تھے اور ہندوستان کی سرزمین انگریزوں پر تنگ ہو گئی تھی؛ ——————— اور بہ ظاہر یہ دکھائی دیتا تھا کہ انگریز کی حکومت اب گئی اور اب گئی تو اس وقت وہابیوں نے انگریزوں کے خلاف کس لئے کوئی اقدام نہ کیا اس نازک وقت میں وہابیوں نے حقیقی مجاہدین آزادی کا ساتھ دینے کے بجائے انگریزوں کی حمایت اور مدد کرنا کیوں ضروری سمجھا۔ اگر یہ وہابی صاحبان ملک کی آزادی اور اسلام کی سربلندی کے خواہش مند ہوتے تو ان کے لئے یہ ایک سنہری موقعہ تھا کہ حقیقی مجاہدین کے ساتھ مل کر انگریزوں کو ملک بدر کر دینے کی خاطر پورا زور لگا دیا

مگر چونکہ ؎ ہیں وہابی کچھ، نظر آتے ہیں کچھ ٭ دھوکا دیتے ہیں یہ بازی گر کھلا۔
(شاعر کی روح سے معذرت کے ساتھ)

وہابی صاحبان نے ایسے وقت میں بھی انگریزوں سے اپنی مکمل وفاداری اور جان نثاری کا پورا پورا ثبوت دیا۔ اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں بلکہ خود وہابی مصنفین کی تحریریں علی الاعلان بتا رہی ہیں کہ

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں وہابیوں نے کوئی حصہ نہیں لیا۔ بلکہ یہ لوگ انگریزوں کی حمایت میں لڑتے بھی رہے ہیں۔

لیجئے ملاحظہ فرمائیے۔ متعصب وہابی مسعود عالم ندوی کا بیان ہے کہ "مجاہدین کے ہم خیال و ہم مشرب اصحاب بہار و بنگال میں خفیہ طور پر چندے کر کے سرحد بھیجتے تھے اور بیرونِ ہند کی امارت کی تائید کے لئے اندرونِ ہند بھی ان کا خاص نظام تھا۔ یہ سلسلہ برابر جاری رہا اور سارا کام حسن و خوبی کے ساتھ چلتا رہا کہ اسی دوران ۱۸۵۷ء کا پر آشوب حادثہ پیش آیا اور گو مجاہدین اور ان کے معاونین ایک دینی (یعنی وہابی) نظام سے وابستہ ہوتے کی وجہ سے اس قومی لڑائی میں غیر جانبدار رہے۔ پھر بھی پٹنہ کے کمشنر ٹیلر نے مولانا احمد اللہ صادقپوری (مہتمم مقدمہ سازش پٹنہ ۱۸۶۵ء وفات در انڈمان ۲۸ ذی الحجہ ۱۲۹۸ھ ہجری) وغیرہ کو بہت دق کیا۔" (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص۷۹-۸۰) اس حوالہ سے ثابت ہوا کہ سید احمد اور اسماعیل دہلوی کے ساتھی وہابی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے بالکل الگ تھلگ رہے ہیں۔ اب اس کے بعد سلسلہ وار وہابی گروہوں کے کارنامے پیش خدمت ہیں۔

سرسید احمد علی گڑھی اور اس گروہ کی گورنمنٹ برطانیہ سے وفاداری کے

ثبوت میں خود اس کا بیان ملاحظہ ہو "انگلش گورنمنٹ ہندوستان میں

خود اس فرقے کے لئے جو وہابی کہلاتا ہے ایک رحمت ہے جس آزادئ مذہب سے
انگلش گورنمنٹ کے سایہ عاطفت میں رہتے ہیں دوسری جگہ ان کو میسّر نہیں
ہندوستان ان کے لئے دارالامن ہے۔" نیز فرمایا "اب تو کیا ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ
میں بھی (وہابیوں نے) گورنمنٹ پر جہاد نہیں کیا جس کے برابر آجتک ہندوستان
میں کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔" (مقالات سرسید حصہ نہم صفحہ ۱۸۹-۲۱۲)

سرسیّد احمد علیگڑھی کے متعلق مولوی عبدالحق اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔
"خاصاحب بہادر مولوی مخصوص اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر کسی
قدر صرف و نحو سے آشنا ہوئے اور تعویذ گنڈے بھی سیکھے لیکن جب یہ نسخہ نہ
چلا تو گورنمنٹ برٹش کی طرف رجوع کیا اور اپنی لیاقت خداداد سے کوئی
اچھا عہدہ بھی پایا پھر تو پکّے وہابی متبع مولوی اسماعیل ہوگئے۔ اس عرصہ
میں غدر ۱۸۵۷ء ہوگیا۔ اور سید صاحب اپنی خیرخواہی اور حکام رسی سے
بڑی ترقی کر گئے۔ اور اپنی خوش بیانی اور عالی دماغی سے انگریزوں میں
بڑے فاضل یا فلاسفر یا ریفارمر مانے گئے۔ اور سی۔ ایس۔ آئی کا لقب
حاصل کیا۔" (تفسیر حقانی جلد دوم صفحہ ۲۱۲)

سرسیّد احمد انگریز کے معتمد علیہ وفادار تھے

حالی نے سرسیّد کا بیان یوں لکھا ہے۔ "وہابی
وہ ہے جو خالصتاً خدا کی عبادت کرتا ہو۔ موحّد ہو اور اس کا اسلام ہوائے
نفسانی اور بدعت کی آمیزش سے پاک ہو۔ اس کو یہ کہنا کہ وہ ہمیشہ در پردہ
تخریب سلطنت کی فکر میں رہتا ہے۔ اور چپکے چپکے منصوبے باندھا کرتا ہے اور
غدر و بغاوت کی تحریک کرتا ہے محض تہمت ہے۔ ہم (سرسیّد) اس وقت بہت
سے ایسے آدمی کا نشان (اور پتہ) دے سکتے ہیں۔ جو (انگریزی) سرکار کے ایسے
ملازم ہیں کہ ان سے زیادہ (انگریزی) سرکار کا خیرخواہ اور معتمد علیہا کوئی نہیں ہے
ہمہ وہ اپنے تئیں علی الاعلان اور بے تامّل فخریہ طور پر وہابی کہتے ہیں اور

سرکار نے بے سوچے سمجھے ان کو معتمد علیہ نہیں گردانا بلکہ غدر (۱۸۵۷ء) کے زمانے
میں جبکہ فتنہ کی آگ ہر طرف مشتعل تھی۔ ان کی وفاداری کا سونا اچھی طرح
تایا گیا اور وہ خیرخواہئ سرکار میں ثابت قدم رہے۔ اگر وہ جہاد کا وعظ کہتے
ہوتے اور بغاوت وہابیت کی اصل ہوتی تو جو کچھ ان سے ظہور میں آیا یہ
کیونکر ظہور میں آتا۔" (حیات جاوید صفحہ ۱۸۴)

وہابی ہونا جرم نہیں بلکہ (انگریزی) گورنمنٹ کی بدخواہی اور بغاوت جُرم ہے

سرسیّد کے داہنے بازو الطاف حسین حالی نے حیات جاوید
باب پنجم صفحہ ۱۸۲-۱۸۳ پر لکھا ہے "انہوں نے (سرسیّد نے) اس ریویو میں بہت
صاف اور روشن شہادتوں سے ڈاکٹر ہنٹر کی غلطیاں ظاہر کی ہیں اور
وہابیوں کی مختصر تاریخ اوّل سے آخر تک اور وہابیت کے اصول شرحی
بیان کئے ہیں اور صاف اقرار کیا ہے۔ کہ میں خود وہابی ہوں۔ وہابی ہونا جرم
نہیں ہے بلکہ (انگریزی) گورنمنٹ کی بدخواہی اور بغاوت جرم ہے۔"

قائدین وہابیہ اور عام وہابیوں کی حکومت برطانیہ سے انتہائی وفاداری
کے بارے میں سرسیّد علی گڑھی کا بیان شاہد ہے۔ کہ جملہ وہابیوں نے من حیث
القوم ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مطلقاً حصّہ نہیں لیا۔ اس لئے کہ وہابی
انگریزی حکومت کو اپنے لئے "ایک رحمت" سایۂ عاطفت اور ہندوستان
کو "دارالامن" بنانے کا موجب جانتے تھے۔ اور قطع نظر دیگر وجوہات کے
سرسیّد علی گڑھی بحیثیت ایک وہابی ہونے کے بھی حکومت برطانیہ کے وفادار
اور استحکام سلطنت برطانیہ کے خواہشمند تھے۔ شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے
ہیں "یہ حقیقت یہ ہے کہ سرسیّد مولانا (سیّد احمد) کے ہم خیال اور ان کے
نہایت عقیدت مند مدّاحوں میں سے تھے اس کا ثبوت ان مضامین سے مل
سکتا ہے جو انہوں نے ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب کے خلاف اور وہابی عقائد کے حق

میں لکھے تھے۔" (موج کوثر ص۲۴)

سرسیّد علی گڑھی کے عقائد باطلہ

الطاف حسین حالی نے سرسیّد کے عقائد حیات جاوید میں تحریر کئے ہیں ان میں سے چند عقائد ملاحظہ ہوں:۔

(۱) اجماع اُمّت حجت شرعی نہیں ہے (۲) قیاس ائمہ حجت شرعی نہیں ہے (۳) تقلید ائمہ واجب نہیں ہے (۴) شیطان یا ابلیس کا لفظ جو قرآن میں آیا ہے اس سے کوئی ہستی مُراد نہیں بلکہ انسان کے نفس امّارہ یا قوّت بہیمیہ کا نام ابلیس ہے (۵) نصارٰی (عیسائیوں) نے جن چڑیوں کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا ہو مسلمانوں کو ان کا کھانا حلال ہے (۶) معراج خواہ مکّہ سے مسجد اقصٰی تک ہو یا مسجد اقصٰی سے آسمانوں تک بہر حال بیداری میں نہیں بلکہ خواب میں ہُوئی ہے اور یُونہی شق صدر بھی خواب میں ہی ہُوا ہے (۷) فرشتوں کا کوئی الگ وجُود نہیں ہے بلکہ برق کی قوّت، جذب و رفع، پہاڑ کی صلابت، پانی کا سیلان، درختوں کا نمو وغیرہ جیسی قوّتوں کا نام فرشتہ ہے۔ (۸) آدم، فرشتے اور ابلیس کا جو قصّہ قرآن میں بیان ہُوا۔ تو ایسا کوئی واقعہ نہیں ہُوا ہے بلکہ یہ ایک مثال ہے جس کے پیرایہ میں انسان کی فطرت، جذبات اور اس کی قوّت بہیمیہ بیان کی گئی ہے (۹) قرآن میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کسی معجزہ کے صادر ہونے کا ذکر نہیں ہے (۱۰) مرنے کے بعد اُٹھنا، حساب و کتاب، میزان، پُل صراط، جنّت و دوزخ وغیرہ سب مجاز پر محمول ہیں نہ کہ حقیقت پر (۱۱) خُدا کا دیدار کیا دُنیا میں اور کیا عقبیٰ میں نہ ان ظاہری آنکھوں سے ممکن نہ دل کی آنکھوں سے (۱۲) قرآن مجید میں جو جنگ بدر و حنین کے بیان میں فرشتوں کی مدد کا ذکر کیا گیا ہے اس سے ان لڑائیوں میں فرشتوں کا آنا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ خود فرشتوں کا جب کوئی وجُود نہیں تو آنا جانا کیسا) (۱۳) چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا جو قرآن میں بیان ہُوئی ہے لازمی نہیں ہے۔

(حیات جاوید حصّہ دوم ص۲۵۶ تا ۲۶۳)

سرسیّد پر کُفر کے فتوے

سرسیّد کے ان نیچری عقائد کی وجہ سے اس کے ہم مسلک وہابی مولوی امداد العلی نے اس کی وہابیت کا کچھ بھی لحاظ کئے بغیر اس پر کفر و ارتداد کے فتوے حاصل کر کے شائع کئے جیسا کہ حالی، حیات جاوید حصّہ دوم ص۲۸۲ میں لکھتا ہے "مولوی امداد العلی نے جو تین استفتے ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں میں بھیج کر سرسیّد کے کفر و ارتداد کے فتوے حاصل کئے تھے ان میں سے ایک استفتاء اس مضمون کا تھا کہ جس شخص کے ایسے اور ایسے عقائد اور اقوال و افعال ہوں وہ مسلمان ہے یا نہیں۔" مدرسہ دیوبند کے صدر و شیخ الحدیث انور شاہ صاحب مقدمہ مشکلات القرآن، ص۳۲ میں لکھتے ہیں "سرسیّد ھُوَ دَجَلٌ زِندِیقٌ مُلحِدٌ اَو جَاھِلٌ ضَالٌّ" یعنی سرسیّد بے دین ہے ملحد ہے یا جاہل گمراہ ہے۔

سرسیّد کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے ایمان تباہ و برباد ہو گئے

دیوبندی وہابیہ کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی کا بیان ہے کہ "یہ سب انگریزی تعلیم اور نیچریت کی نحوست ہے کہ لوگوں کے عقائد، اعمال، صورت، سیرت سب بدل گئے اور دین بالکل تباہ و برباد ہو گیا ان کی رفتار، گفتار، نشست و برخاست، خُورد و نوش سب میں دہریت و نیچریت والحاد کا رنگ چھلکتا ہے اور ہندوستان میں نیچریت کا بیج سرسیّد کا بویا ہوا ہے۔" الافاضات الیومیہ جلد ششم ص۹۸۔ نیز ملاحظہ ہو "ایک صاحب نے عرض کیا کہ سرسیّد کی وجہ سے زیادہ ہندوستان میں گڑ بڑ پھیلی، لوگوں کے عقائد خراب ہوئے۔ فرمایا گڑ بڑ کیا معنے اس شخص کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے ایمان تباہ و برباد ہو گئے ایک بڑا گمراہی کا پھاٹک کھول گیا۔ اس کے اثر سے اکثر نیچری ایمان سے کورے ہوتے ہیں۔" اس کے بعد مولوی تھانوی نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا۔ کہ سرسیّد احمد خان کی وجہ سے بڑی گمراہی پھیلی یہ نیچریت زینہ ہے اور چڑھے الحاد کی اس

سے پھر شاخیں چلی ہیں یہ (مرزا غلام احمد قادیانی اس نیچریت ہی کا اوّل شکار ہُوا - آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ اُستاد یعنی سر سیّد احمد خان سے بھی بازی لے گیا - کہ نبوّت کا مدّعی بن بیٹھا۔" (الافاضات الیومیہ ص ۱۰۶ ج ۵) سر سیّد کی حکمران انگریز کے ساتھ اس قدر وفاداری کی کیا وجہ تھی اس امر کی عقدہ کشائی کے لئے۔

سر سیّد کے متعلق مشہور سیاسی لیڈر سیّد جمال الدین افغانی کا تبصرہ

ملاحظہ ہو۔ "کتّا ایک ہڈی حاصل کرنے کے لئے خوشامد کرتا ہے اپنی دُم ہلاتا ہے اپنے محسن کے پاؤں پر خواہ وہ اپنا ہو یا بیگانہ سَر رکھ دیتا ہے.. .. .. انسان کُتّے سے بھی گیا گزرا ہے - لاحول ولا - اسے چاہیئے کہ خوشامد اور عاجزی میں کتّے سے بہت آگے نکل جائے اگر اس کے دُم نہیں تو کم از کم داڑھی تو ہے ناستودہ مرگ (سر سیّد) خان نے یہ نکتہ سمجھ لیا تھا اور اس بات کے لئے تیار رہتا کہ آواز نکالے داڑھی کو حرکت دے اور جو روٹی کے ٹکڑے اسے ملے ہیں انہیں اس طرح حلال کرے خدا کرے کہ یہ شکر مزید عنایات کا ذریعہ ہو۔" (ترجمۂ عبارت فارسی از شیخ محمّد اکرام ایم - اے بر شبلی نامہ ص ۲۱۸)

حقیقت واضح ہے کہ سر سیّد نے اصلاح قوم کی آڑ میں مسلمانوں کے عقائد بگاڑنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی - عقائد وہابیت کے علاوہ نیچریت و الحاد کی نشر و اشاعت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا - اس کے علاوہ قوم کی گردن میں انگریزی اقتدار کے شکنجہ کو مزید کستے میں دُوسرے وہابی مولویوں کے مشن میں بھی برابر شریک رہے۔ اب رہی یہ بات کہ اس نے علی گڑھ میں ایک انگریزی درسگاہ "مدرسۃ العلوم" (جو بعد میں مسلم یونیورسٹی کے نام سے مشہور ہوئی) قائم کر کے مسلم قوم پر بہت بڑا احسان کیا ہے - تو آیا اس کے صرف ایک انگریزی مدرسہ قائم کر دینے سے اس کی نیچریت کو اسلام قرار دے دیا جائے گا - اور اس کی قرآن میں تردید اور احادیث کی تردید کو صحیح تسلیم کر لیا جائے گا - اور کیا اس کے سیاسی کارنامے فراموش

کر دئیے جائیں گے -

ندوی گروہ کی حکومت برطانیہ سے وفاداری

مولوی شبلی صاحب سر سیّد احمد خان کے لفٹننٹ اور حکومت برطانیہ کے خطاب یافتہ "شمس العلماء" تھے - اُنہوں نے انگریز کی تائید و امداد سے لکھنؤ میں "دارالندوہ" کا ڈھونگ رچایا صلح کُلّی کا لبادہ اوڑھ کر مختلف الخیال عُلماء کو برٹش گورنمنٹ کے استحکام کی خاطر ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دینے کی تحریک چلائی تاکہ انگریزوں کے خلاف کوئی آواز بلند نہ کر سکے - شیخ محمّد اکرام صاحب شبلی نامہ ص ۱۷۸ میں لکھتے ہیں "ندوہ کی تاریخ میں ۱۹۰۸ء کا سال ایک خاص اہمیّت رکھتا ہے - اس سال صُوبہ (یو - پی) کے گورنر نے دارالعلوم کی وسیع عمارت کا سنگ بنیاد رکھا اور (انگریزی) حکومت کی طرف سے ندوہ کو - بعض مقاصد کے لئے پانچسو روپیہ ماہوار امداد ملنی شروع ہوئی۔" ناظرین ان بعض مقاصد کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے ندوۃ العلماء کے بانی مولوی شبلی کا بیان ملاحظہ فرمائیں - جس میں مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ

مسلمانوں پر انگریزی حکومت کی اطاعت و وفاداری مذہبًا فرض ہے

شبلی نامہ میں ہے "میں مدت العمر کبھی انگریز گورنمنٹ کا بدخواہ نہیں رہا ہُوں میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے - کہ مشرق و مغرب (ایشیا و یورپ) کے درمیان یگانگت بڑھے اور ایک دُوسرے کی طرف سے جو غلط فہمیاں مدّت دراز سے چلی آتی ہیں دُور ہوں چنانچہ اس پر میری تمام تصنیفات شاہد ہیں اس سے بڑھ کر یہ کہ ۱۹۰۸ء میں مَیں نے (ماہانہ رسالہ) "الندوہ" میں ایک مستقل مضمون کے ذریعہ یہ ثابت کیا کہ مسلمانوں پر انگریزی حکومت کی اطاعت و وفاداری مذہبًا فرض ہے۔" (شبلی نامہ ص ۲۱۵)

ندوی گروہ کے مکر و فریب

مولوی ابوالکلام آزاد کا بیان ملاحظہ ہو۔ "ندوۃ العلماء

کے اجتماع سے مجھے روشن خیال علماء کی جو حالت منکشف ہوئی کیونکہ منتسبین ندوہ کی طرف میرا ایسا ہی حُسن ظن تھا۔ اس سے طبیعت کو اور زیادہ مایوسی اور طبقۂ علماء کی طرف سے سخت وحشت پیدا ہوگئی۔ مخالفین ندوہ وہاں جو کچھ کہہ رہے تھے اور کر رہے تھے ان کی نسبت تو خیال تھا کہ یہ روشن خیال نہیں ہیں لیکن جو لوگ ندوے کے لئے سرگرم تھے ان کی بھی عجب حالت نظر آتی تھی۔ چونکہ پانچ چھ مہینے تک ان سرگرمیوں کو بالکل قریب سے دیکھتا رہا اس لیئے اندرونی حالت بالکل میرے سامنے تھی۔ میں نے دیکھا کہ بالکل چالاک دُنیا داروں کی سی کاروائیاں کی جا رہی ہیں۔ اور وہ تمام وسائل بے دریغ عمل میں لائے جاتے ہیں۔ جو اپنی کامیابی کے لئے ایک شاطر سے شاطر اور عیّار سے عیّار جماعت کر سکتی ہے۔ لوگوں کو (ندوہ کی تحریک میں) شامل کرنے کے لئے ہر طرح کی عیّاریاں کی جاتی تھیں۔ میرے سامنے ایک واعظ نے ندوے کے ایک سرگرم ایجنٹ سے مشورہ کیا کہ مجلس وعظ میں کیونکر ان کو اظہار جوش و خروش کرنا چاہیئے۔ اور کیونکر آخر میں نالہ و بکا (رونا دھونا) شروع کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ تجویز پختہ ہوگئی۔ اس کے بعد واعظ نے جُوں ہی مثنوی کی ایک حکایت شروع کی دُوسرے صاحب نے معاً کھڑے ہوکر حال بازوں کی طرح حرکتیں شروع کر دیں۔ اس سے مجلس میں بڑی رِقّت طاری ہوگئی اور اس قدر آہ و بُکا ہُوا کہ اس پر وعظ ختم کر دیا گیا۔ اسی طرح کی بیسیوں باتیں (مکّاری و عیّاری کی) روز میں دیکھتا تھا۔ اور میرے دل میں اس طبقے (ندوے والوں) کی طرف سے وحشت بڑھتی جاتی تھی۔" (آزاد کی کہانی ص ۲۱۷، ۲۱۸)

ندوی وہابی مولویوں کے عقائد کے متعلق مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کا بیان ملاحظہ فرمائیں۔

تاکہ ندوی وہابیہ کے سیاسی کردار کے ساتھ ساتھ ان کی دینداری کی حقیقت بھی آشکار ہو جائے۔ مولوی اشرف علی صاحب نے "ایک مولوی صاحب

کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ فلاں صاحب نعمانی (یعنی شبلی نعمانی اعظم گڑھی) یہ بھی سر سیّد احمد خان کے قدم بہ قدم ہی ہیں۔ سیرت نبوی لکھی ہے۔ جس پر آجکل کے نیچری فریفتہ ہیں"۔ الافاضات الیومیہ ص ۱۵۲ ج ۵) نیز مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے فرمایا۔ پھر خُود ندوہ کا جو حشر ہُوا سب کو معلوم ہے وہ ایسوں کے ہاتھ میں مدّت تک رہا۔ جن کی طبیعت میں بالکل نیچریت تھی۔ وہی سر سیّد احمد خان کے قدم بہ قدم ان کی رفتار رہی وہی جذبات، وہی خیالات کوئی فرق نہ تھا"۔

(الافاضات الیومیہ جلد پنجم ص ۱۱۰)

ایک مرتبہ ندوہ کے جلسہ میں مولوی شبلی کے خلاف جب ہلچل مچی تو انہوں نے فضا کو سازگار بنانے کے لئے عبدالسّلام مالک مطبع فاروقی دہلی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ایک فتویٰ شائع کیا جس میں لکھا کہ میں عقیدۃً و فقہاً دونوں لحاظ سے اہلسنّت و جماعت سے ہوں۔ دیو بندی مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی نے اس کے رَد میں سنہ ۱۳۳۲ ہجری میں ایک فتویٰ مرتّب کر کے تحفۂ ہندیہ پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا اس مطبوعہ فتویٰ میں تحریر ہے کہ "جس باخبر شخص نے علاّمہ شبلی کی تصنیفات پڑھی ہیں اس پر علاّمہ کے عقائد و خیالات روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ مگر اس فتویٰ سے ان پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے اصل یہ ہے کہ علاّمہ نے الکلام میں جن عقائد و خیالات کو صراحتہً یا کنایتہً حق مانا ہے وہ زیادہ تر معتزلہ اور فرق ضالہ اور ملحدین کے عقائد و خیالات ہیں۔ اس لیئے ان کی تصنیفات کو دیکھ کر اہل اسلام کے ہر طبقہ کی مذہبی غیرت میں تموّج پیدا ہُوا اور چاروں طرف سے علاّمہ کے خلاف صدا بلند ہوئی کہ علاّمہ اہلسنّت و جماعت سے خارج اور معتزلہ اور ملاحدہ (بے دینوں) کے ہمنوا بلکہ چودھویں صدی میں ان کی یادگار ہیں"۔ (تواریخ مجدّدین حزب وہابیہ ص ۲۳)

شبلی نعمانی کے متعلق مولوی انور شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں "وانّما الوحُ علیٰ اعین

الناس اذ لیس من اللہ بین ان یغمض عن کافر"۔ (مقدمہ مشکلات القرآن ص۳۲) یہ شبلی نعمانی کی بدعقیدگی اور بد مذہبی لوگوں کے سامنے اس لئے ظاہر کرتا ہوں کہ دین اسلام میں کافر کے کفر کو چھپانا جائز نہیں"۔

مندرجہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ وہابی مولوی جبکہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے عقائد وہابیہ کو فروغ دے رہے تھے سرسید اور شبلی نعمانی نے سیاست کے ساتھ ساتھ دینی امور میں ایک نیا فتنہ نیچریت کھڑا کر دیا۔ ندوی مولوی ایک طرف تو صلح کل ہونے کا اعلان کر کے ہمدرد اسلام ہونے کا ڈھونگ رچا رہے تھے اور دوسری طرف دہریت و نیچریت کی اشاعت سے مسلمانوں میں ایک نیا انتشار برپا کرنے میں مصروف تھے۔ اور حکومت برطانیہ کے استحکام کے لئے خدمات سرانجام دے رہے تھے اس کے بعد ناظرین

غیر مقلد وہابیوں کی گورنمنٹ برطانیہ سے وفاداری کی کیفیت

ملاحظہ فرمائیں۔ واضح رہے کہ غیر مقلدین خود کو وہابی کہلانے میں فخر محسوس کرتے تھے مگر جب گورنمنٹ برطانیہ نے سید احمد رائے بریلوی اور اسماعیل دہلوی کے خلفاء و متبعین کے خلاف فوجی کارروائیاں کیں۔ اور اندرون ملک سازشی وہابیوں محمد جعفر تھانیسری وغیرہ کے خلاف مقدمات چلا کر انہیں سزائیں دیں۔ تو غیر مقلد وہابیوں کے بڑے پیشوا مولوی محمد حسین بٹالوی نے گروہ غیر مقلدین کے لئے "اہل حدیث" مستقل نام تجویز کیا۔ انہوں نے باقاعدہ حکومت برطانیہ کی وفاداری کا اعلان کرتے ہوئے سرکاری تحریرات میں "وہابی" کے بجائے "اہل حدیث" لکھے جانے کے احکام جاری کرائے۔ (ثبوت کے لئے دیکھئے تواریخ عجیب ص۲۹، ۸۵ و مقالات سرسید ج۹ ص۲۱۲) نیز متعصب وہابی مسعود عالم ندوی کا بیان ہے کہ "جب مجاہدین کی داروگیر شروع ہوئی اور ہر آمین بالجہر کہنے والے پر "وہابی" کا شبہ کیا گیا اور وہابی کے معنے سرکاری زبان میں "باغی" کے

ہو گئے تو ہندوستان کی جماعت اہل حدیث موجودہ شکل میں نمایاں ہوئی اور ان کے سرگروہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی (پیدائش ۱۲۵۶ھ ہجری وفات ۱۳۳۸ھ ہجری) نے سرکار انگریزی کی اطاعت کو واجب قرار دیا اور حد یہ کہ وقت کے بعض حنفی علماء کو سرکار سے بغاوت کے طعنے دئے"۔ (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص۲۹)

غیر مقلدین کے پیشوا نے انگریز کی وفاداری کے ثبوت میں منسوخئ جہاد کا فتویٰ شائع کیا۔ اور اس کے انعام میں جاگیر حاصل کی۔

غیر مقلدین وہابیہ کے پیشوا محمد حسین بٹالوی نے سرکار انگریزی سے وفاداری کا ثبوت اس طرح دیا کہ جہاد کے منسوخ ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا اور دنیاوی مفاد کی خاطر قرآن و حدیث میں تحریف کرنے سے بھی دریغ نہ کیا اس کی مذموم جسارت میں دیگر غیر مقلد مولوی بھی اس کے ہمنوا اور شریک تھے مسعود عالم ندوی کا بیان ہے کہ "مولوی محمد حسین بٹالوی نے جہاد کی منسوخی پر ایک رسالہ "الاقتصاد فی مسائل الجہاد" فارسی زبان میں تصنیف فرمایا تھا اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی شائع کرائے تھے۔ معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اس کے معاوضے میں سرکار انگریزی سے انہیں جاگیر بھی ملی تھی"۔ (حاشیہ۔ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص۲۹)

نیز مسعود عالم ندوی، مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی تصنیفات کے تعارف میں رقمطراز ہے "الاقتصاد فی مسائل الجہاد مصنفہ، مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی (ف ۱۳۳۸ھ ہجری) اس رسالے میں جہاد کو منسوخ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مطبوعہ ۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۸ء اردو، انگریزی، عربی میں اس کے ترجمے بھی شائع ہوئے اور انگریزی اور اردو ترجمے سر چارلس ایچیسن اور سر جیمس لائل گورنران پنجاب کے نام معنون کئے گئے اس کی تالیف ۱۲۹۲ھ ہجری میں علمائے عصر سے رائے لینے کے بعد ۱۲۹۶ھ میں رسالہ "اشاعۃ السنۃ" میں شائع کیا گیا (جلد ۲

ء۱۱ ضمیمہ) پھر مزید مشورہ و تحقیق کے بعد ۱۳۰۶ھ میں باضابطہ کتابی صورت میں اس کی اشاعت ہوئی اللہ مرحوم کی مغفرت کرے۔ اس کتاب پر انعام سے بھی سرفراز ہوئے تھے۔ جماعت اہلحدیث کو فرقہ کی شکل دیتے ہیں ان کا خاص حصّہ ہے اور یہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اس سادہ لوح فرقے میں وفاداری کی خوبو پیدا کی نہ صرف یہ بلکہ دوسرے معاصر علماء کو سرکار کی مخالفت کے طعنے بھی دئیے۔" (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص۲۱۲) اس کے بعد۔

غیر مقلد وہابیہ کے امام مولوی نذیر حسین دہلوی کے انگریز کی وفاداری میں کارنامے

بھی ملاحظہ فرمائیے۔ مولوی نذیر حسین دہلوی کی سوانحعمری "الحیات بعد المماۃ" ص۱۲۵ میں ہے "یہ بتا دینا ضروری ہے کہ میاں صاحب گورنمنٹ انگلشیہ کے کیسے وفادار تھے زمانہ غدر ۱۸۵۷ء میں جبکہ دہلی کے بعض مقتدر اور بیشتر معمولی مولویوں نے انگریز پر جہاد کا فتویٰ دیا تو میاں صاحب نے نہ اس پر دستخط کیا نہ مہر، وہ خود فرماتے تھے کہ "میاں وہ ہلڑ تھا بہادر شاہی نہ تھی وہ بیچارہ بوڑھا بہادر شاہ کیا کرتا بہادر شاہ کو بہت سمجھایا کہ انگریزوں سے لڑنا مناسب نہیں ہے مگر وہ باغیوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہو رہے تھے کرتے تو کیا کرتے۔" اور اسی کتاب کے ص۱۳۴ پر ہے۔ "ہندوستان کو ہمیشہ میاں صاحب دار الامان فرماتے تھے دار الحرب کبھی نہ کہا۔" نیز ملاحظہ ہو۔ "عین حالت غدر میں جبکہ ایک ایک بچہ انگریزوں کا دشمن ہو رہا تھا۔ مسز لیسنس ایک زخمی میم کو میاں (نذیر حسین) صاحب رات کے وقت اٹھوا کر اپنے گھر لے آئے پناہ دی، علاج کیا، کھانا دیتے رہے اُس وقت اگر "ظالم باغیوں" کو ذری برابر خبر ہو جاتی تو آپ کے قتل اور خانماں بربادی میں مطلق دیر نہ لگتی مگر ساڑھے تین مہینہ تک کسی کو بھی معلوم نہ ہوا کہ حویلی کے مکان میں کئے آدمی ہیں تین مہینوں کے بعد جب پوری طرح امن قائم ہو چکا تب اس نیم جان میم کو جو اب بالکل تندرست اور توانا تھی انگریزی

کیمپ میں پہنچا دیا۔ جس کے صلے میں مبلغ ایکہزار تین سو روپیہ اور سارٹیفکیٹس ملیں۔"
(الحیات بعد المماۃ ص۱۲۷)

ابھی اور دیکھئے "۱۳۰۰ھ ہجری میں جب میاں صاحب نے حج کا ارادہ مصمم کر لیا تو کمشنر دہلی سے ملاقات کر کے حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ طیبہ و روضۂ مطہرہ سرور کائنات علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ارادہ ظاہر کیا کمشنر دہلی نے آپ کو ایک چٹھی مورخہ ۱۰ اگست ۱۸۸۳ء دی۔ جس کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے" ترجمہ۔ مولوی نذیر حسین دہلی کے ایک بڑے مقتدر عالم ہیں۔ جنہوں نے نازک وقتوں میں اپنی وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ثابت کی ہے۔ وہ اپنے فرض زیارت کعبہ کے ادا کرنے مکّہ جاتے ہیں میں امید کرتا ہوں کہ جس کسی برٹش گورنمنٹ افسر کی وہ مدد چاہیں گے وہ ان کو مدد دے گا۔ کیونکہ وہ کامل طور سے اس مدد کے مستحق ہیں۔" دستخط۔ جے۔ ڈی۔ ٹریملٹ بنگال سروس کمشنر دہلی وسپرنٹنڈنٹ ۸/۱۸۸۳ ۱۰ء شمس العلماء کا خطاب گورنمنٹ انگلشیہ کی طرف سے ۲۲ جون ۱۸۹۷ء مطابق ۲۱ محرم الحرام ۱۳۱۵ھ ہجری بروز سہ شنبہ کو ملا۔" (الحیات بعد المماۃ ص۱۸) اس قدر دستاویزی ثبوت اور خود وہابیہ کے مستند حوالوں سے ہی جب ثابت ہوتا ہے کہ وہابی مولوی ذاتی اور گروہی مفاد حاصل کرنے کے لئے از اوّل تا آخر دشمنان اسلام کے وفادار۔ لیکن ملّت اسلامیہ کے کھلے دشمن رہے ہیں تو مزید کسی ثبوت کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ ناظرین بہ نظر انصاف خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔ کہ جن گندم نما جو فروشوں نے مولوی۔ مولانا۔ علّامہ اور نہ جانے کیا کیا کہلاتے ہوئے ملک و ملّت کے صریح دشمن غاصب انگریزوں کی وفاداری کو مقصود زندگی بنایا۔ کفّار برطانیہ کی حمایت میں اس قدر اندھے اور بے حس ہوگئے۔ کہ نقد انعامات، خطابات۔ پروانہ ہائے خوشنودی انگریز اور جاگیریں حاصل کرنے کی دھن میں اپنے ملک سے غدّاری کی۔ ملّت اسلامیہ کو دھوکہ دیا۔ انگریزوں کے خلاف لڑنے والے حقیقی مجاہدین ملک و

ملت کو ظالم اور باغی ٹھہرایا۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ انگریزوں کے منظور نظر بننے کی خاطر قرآن مجید اور حدیث شریف کے واضح احکام کو ٹھکرایا اور کلام خدا اور رسول خدا میں تحریف کر کے جہاد کو منسوخ قرار دینے سے نہ شرمائے۔ اپنا دین وایمان برباد کیا۔ انہی پیٹ پرست۔ دنیا کے طلبگاروں کو موجودہ وہابی۔ ملک وملت کے محسن۔ راہنمایان اسلام اور تحریک آزادی کے مجاہد اور رہبر قرار دیں تو ان کی یہ مذموم حرکت حق وصداقت کا منہ چڑانے اور تاریخ کو مسخ کرنے کے مترادف ہے یا نہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ وہابی صاحبان ہر دور میں محض دنیاوی مقاصد اور ذاتی وگروہی مفاد حاصل کرنے کی خاطر ہمیشہ شتر بے مہار رہے ہیں۔ اسلام کا نام لے کر اسلام اور مسلمانوں کی تخریب ان کا طرۂ امتیاز رہی ہے۔ لیجئے اب آپ

غیر مقلد وہابیہ کے ایک اور بڑے پیشوا نواب صدیق حسن خان بھوپالی کی انگریز پرستی

۔ ملاحظہ فرمائیں۔ خود نواب صدیق حسن خان بھوپالی کا بیان ہے "میں تینتیس (۳۳) سال کامل سے متوسل ومتوطن اس ریاست بھوپال کا ہوں۔ اور ہمیشہ معزز ومکرم رہا رئیسہ معظمہ (بھوپال) نے زوجیت سے مجھے عزت و افتخار بخشا اور یہ امر بہ اطلاع گورنمنٹ عالیہ وحسب مرضی سرکار انگلشیہ ظہور میں آیا اور چوبیس ہزار (۲۴۰۰۰) روپیہ سالانہ اور خطاب "معتمد المہامی" سے سرفرازی ہوئی حکام عالی منزلت یعنی کار پردازان دولت انگلشیہ کو تجربہ اس ریاست کی خیر خواہی اور وفاداری کا عموماً اور اس بے صولت دولت (صدیق حسن) کا خصوصاً ہو چکا ہے۔" (ترجمان وہابیہ ص ۵۵-۱۵)

دین پر دنیا کو ترجیح دینے والے وہابیوں کے پیشوا نواب صدیق حسن خان نے بھی انگریزوں کی مزید خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر جہاد کو ناجائز اور حرام ثابت کرنے کے لئے قرآن وحدیث میں تحریف فرمائی اور پھر دیکھئے تو سہی کہ اپنی اس ناپاک حرکت کا کس فخر کے ساتھ بیان فرماتے ہیں "زمانہ غدر میں جو لوگ سرکار

انگریزی سے لڑے اور عہد شکنی کی وہ جہاد نہ تھا فساد تھا ہم نے اپنی کتاب "ہدایۃ السائل" میں اولاً اور کتاب "روض خصیب" میں ثانیاً اور بڑا گناہ ہونا عہد شکنی کا اور عدم جائز نہ ہونا جہاد کا ہندوستان میں کتاب "عوائد العائد" میں ثالثاً اور حال وہابیوں کا تواریخ علماء عیسوی سے کتاب "تاج مکلل" میں رابعاً لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بغاوت جو ہندوستان میں بہ زمانہ غدر ہوئی اس کا نام جہاد رکھنا ان لوگوں کا کام ہے۔ جو اصل دین اسلام سے آگاہ نہیں ہیں اور ملک میں فساد ڈالنا اور امن کا اٹھانا چاہتے ہیں۔" (ملخصاً۔ ترجمان وہابیہ ص۱۰۶) ناظرین اچھی طرح دیکھ لیں کہ نواب صاحب موصوف بھی دیگر جملہ وہابیوں کی طرح ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کو فساد، غدر اور بغاوت قرار دے کر ملک وملت کی آزادی کی خاطر لڑنے والے حقیقی مجاہدین کو اسلام سے ہی بے خبر بنا رہے ہیں۔ لیکن خود قرآن وحدیث میں تحریف کر کے جہاد کو ناجائز ٹھہرانے کے باوجود دین اسلام کے سمجھنے والے اسلام کے علمبردار بنتے ہیں ؎ برعکس نہند نام زنگی کافور۔!

اگرچہ غیر مقلد وہابیوں کے دینی وسیاسی کردار اور ان کے شرمناک کرتوت کے ثبوت کے لئے مندرجہ بالا حوالہ جات کافی ہیں۔ تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے متعلق چند مزید حقائق پیش کر دئے جائیں۔ جن سے واضح ہوتا ہے کہ ابن الوقت وہابیوں کے مذہب کا اصول ہی یہ ہے کہ ؎

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

چنانچہ جس زمانہ میں انگریزوں کا طوطی بول رہا تھا ان دنوں یہ وہابی مولوی انگریزی اقتدار کے استحکام کی خاطر ہزاروں ہزار پاپڑ بیلتے رہے اور حکومت برطانیہ کی وفاداری میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں لگے رہے۔ لیکن جب ملک میں کانگریس اور مسلم لیگ کی بدولت تحریک آزادی نے زور پکڑا اور انگریز کا اقتدار رخصت ہوتا دکھائی دیا تو وہابیوں نے انگریزوں سے طوطا چشمی کرتے میں ذرا دیر نہ لگائی۔ مگر لطف کی بات یہ ہے کہ

انہوں نے فرنگیوں کی گود سے نکل کر پھر بھی مسلمانوں کے دشمن ہندوؤں کی گود میں بیٹھ جانے کو ترجیح دی۔ ایسے نازک ترین وقت میں مسلم لیگ کا ساتھ دینے کے بجائے انہوں نے ہندو کانگریس کا ساتھ دیا۔ اور انگریزوں کی جگہ گاندھی۔ نہرو اور پٹیل وغیرہ ہندو لیڈروں کے منظور نظر بننے کی دوڑ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں لگ گئے۔ ان لوگوں نے تحریک پاکستان کو ناکام بنانے کے لئے ایڑی چوٹی کا سارا زور لگا دیا مثال کے طور پر

غیر مقلد وہابی مولوی داؤد غزنوی سابق صدر جمعیت اہلحدیث کی

کانگریس نوازی :۔ ملاحظہ ہو۔ یہ شخص بھی دوسرے وہابی مولویوں کی طرح قیام پاکستان کا سخت مخالف اور مشہور احراری لیڈر تھا۔ "۲۹ نومبر ۱۹۴۰ء کو انہوں نے اخباروں میں ایک بیان شایع کرایا۔ جس میں احرار کے اس فیصلہ کا اعلان کیا۔ کہ وہ اپنے آپ کو کانگریس میں جذب کر دیں گے۔" (رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص۱۱)

مشہور مؤرخ و ادیب ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی لکھتے ہیں " جو قوم داؤد غزنوی کو بھی تحریک پاکستان کا مجاہد کہتی ہے اسے تاریخ لکھنے یا لکھوانے کا کوئی حق نہیں ممکن ہے آپ کہیں کہ مرے ہوؤں کا ذکر اچھے انداز میں کرنا چاہیئے۔ تو جناب تاریخ تو مرے ہوؤں کے اعمال و کردار ہی کے ذکر سے بھری ہوتی ہے۔ اگر ہم نے مرے ہوؤں کے ذکر سے زبان بند کر لی۔ تو تاریخ نویسی کیسے ہوگی۔ کاش آج حمید نظامی ہوتے تو آپ کو بتاتے کہ داؤد غزنوی کا رول کیا تھا۔ ع

کسی سنگدل سے میں کروں بیاں تو کرے صنم بھی ہری ہری

دیانت و امانت اور کیریکٹر کے اعتبار سے داؤد غزنوی تو خضر حیات ٹوانہ کے

بھی جوتے سیدھے کرنے کے اہل نہ تھے۔" (روزنامہ نوائے وقت مؤرخہ ۳۰ دسمبر ۱۹۶۳ء)

اب اس کے بعد

جمعیت اہل حدیث کے امیر مولوی محمد اسمعیل سلفی کی کانگریس نوازی

بھی ملاحظہ ہو۔ یہ بھی کانگریس کی حمایت اور قیام پاکستان کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ کانگریسی ہندوؤں کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات تھے اور یہ ان کے اجلاس و جلوس میں بڑی فراخدلی سے شریک ہوا کرتے تھے اور اپنے کانگریسی نظریات میں اتنے متشدد تھے کہ اس بارے میں انہوں نے اپنے اُستاد و بزرگ مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی کو بھی چنداں اہمیت نہ دی مولوی محمد ابراہیم نے متعدد مرتبہ برسر اجلاس مولوی اسماعیل صاحب کو سمجھاتے ہوئے کانگریس کی حمایت سے روکا اور اپنے ساتھ تبادلۂ خیال کی دعوت دی لیکن گوجرانوالہ کے کانگریسی مولوی صاحب نے اپنے اُستاد محترم کی ایک نہ سنی۔ مولوی اسمعیل صاحب کی کانگریسی ذہنیت کا اس بات سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کانگریس کے مشہور ہندو لیڈر سبھاش چندر کی موت پر کانگریس نے ماتمی جلسہ منعقد کیا اور اپنے مردہ لیڈر کے اعزاز میں کرسئی صدارت کو خالی رکھا بلکہ ایک روایت کے مطابق اس پر سبھاش چندر بوس کی تصویر رکھی۔ اس کے باوجود مولوی اسماعیل صاحب پورے اہتمام سے شریک اجلاس ہوئے۔ ہندوؤں کے غائبانہ مردہ لیڈر یا اس کی تصویر کی صدارت میں تقریر کی۔ جس میں سبھاش چندر بوس کی مدح و ستایش کر کے اس کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اور کانگریس کی زبردست حمایت کی۔

الاعتصام کی شہادت

جمعیتہ اہلحدیث غزنوی غیر مقلدین کا ترجمان "الاعتصام" ۱۴ جولائی ۱۹۶۷ء کی اشاعت میں لکھتا ہے " کیا تحریک خلافت اور کانگریس سے ... ... مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا داؤد غزنوی ... ... اور مولانا محمد اسماعیل سلفی وغیرہم کے نام محو

کیئے جا سکتے ہیں ؟" (یعنی ہرگز نہیں[1]) ثابت ہُوا کہ یہ وہابی صاحبان اتنے ڈھیٹ ہیں کہ قیام پاکستان کے بتیس[2] سال بعد بھی اپنے کانگریسی ہونے اور تحریک پاکستان کی مخالفت کرنے پر علی الاعلان فخر کرتے ہیں۔ پاکستان میں آکر پناہ لینے اور جاگیریں حاصل کر چکنے کے باوجود ان کے دلوں میں ہندو کانگریس کی یاد چٹکیاں لیتی رہتی ہے۔ انہیں اپنے افسوسناک کردار۔ پاکستان کی مخالفت۔ ہندوؤں کی حمایت۔ گاندھی کی پیروی۔ اور کانگریس کی وفاداری پر آج بھی کچھ ندامت محسوس نہیں ہوتی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ناظرین، گروہ غیر مقلدین کے حالات وکوائف دیکھ چکنے کے بعد اب

دیوبندی وہابی مولویوں کی ملک و ملت سے غداری انگریزوں کی وفاداری اور برٹش گورنمنٹ پر جذبۂ جان نثاری :۔ ناقابل تردید حقائق کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔ واضح رہے کہ غیر مقلد وہابی اور دیوبندی وہابی بظاہر مختلف نظر آتے ہیں۔ مگر حقیقتاً متحد بہ صورت یک جان دو قالب ہیں۔ شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں "مولانا سید احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل شہید کی وفات کے بعد یہ اختلافِ مسلک بہت نمایاں ہو گیا۔ مولانا کے کئی معتقدوں کو نجدی اور یمنی راہنماؤں اور ان کے خیالات سے زیادہ واقفیت ہوئی۔ اور انہوں نے ان کا اتباع اختیار کر لیا۔ اور غیر مقلد یا اہلحدیث یا وہابی مشہور ہوئے۔ لیکن مدرسہ دیوبند کے بانیوں نے جن کا سلسلۂ فیض بھی مولانا سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید تک پہنچتا تھا۔ مسلک ولی اللّٰہی[2] کی پیروی کی اور اپنے آپ کو حنفیوں سے علیحدہ نہ کیا۔" (موج کوثر ص ۶۵)

---

[1] ملاحظہ رسالہ "رضائے مصطفےٰ" گوجرانوالہ۔ شمارہ ۹ ۲ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ

[2] گذشتہ اوراق میں شاہ ولی اللہ صاحب کے سنی، حنفی یا غیر مقلد وہابی ہونے کی تحقیق گذر چکی ہے تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر مزید وضاحت

نیز مسعود عالم ندوی کا بیان ہے کہ "اہل دیوبند (جو کہ حنفی ہیں) کا ایک اچھا خاصا طبقہ سید شہید کے مشرب و مسلک پر چلنا اپنے لئے سرمایۂ سعادت سمجھتا ہے اہل دیوبند اور جماعت اہلحدیث کے علاوہ بھی سمجھدار مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد سید صاحب اور مولانا شہید کے مشرب و مسلک کو عین اسلام تصور کرتی ہے اور یہ تمام طبقے عُرف عام کے مطابق 'وہابی' کی فہرست میں آتے ہیں۔" (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۳) مسعود عالم ندوی

(بقیہ نوٹ ص ۱۱۸) کر دی جائے۔ شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں "نظری طور پر تو شاہ صاحب یقیناً غیر مقلد تھے۔ لیکن اس امر کی بھی کوئی شہادت نہیں کہ جن عملی باتوں میں آج اہلحدیث احناف سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان میں انہوں نے اپنے حنفی ہم وطنوں سے علیحدگی اختیار کی ہو آمین بالجہر پر تو یقیناً ان کا عمل نہ تھا۔ تراجم علمائے اہل حدیث ہند میں شاہ محمد فاخر زائر الہ آبادی کا واقعہ لکھا ہے۔ جو اس زمانے کے عامل بالحدیث عالم تھے۔ حضرت زائر دہلی تشریف لائے۔ جامع مسجد میں ایک نماز جہری میں بہ آواز آمین کہہ ڈالی۔ دہلی میں یہ پہلا حادثہ تھا۔ عوام برداشت نہ کر سکے۔ جب آپ کو گھیر لیا۔ تو فرمایا اس سے فائدہ نہ ہوگا۔ تمہارے شہر میں جو سب سے بڑا عالم ہو۔ اس سے دریافت کرو۔ لوگ آپ کو حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ صاحب کی خدمت میں لے گئے۔ دریافت پر آپ نے فرمایا کہ حدیث سے بہ آواز آمین کہنا ثابت ہے۔ مجمع یہ سن کر چھٹ گیا۔ اب صرف مولانا محمد فاخر زائر اور حضرت شاہ صاحب بصورت قران السعدین باقی تھے۔ شاہ محمد فاخر نے عرض کیا۔ آپ کھلیں گے کب؟ فرمایا۔ اگر کھل گیا ہوتا۔ تو آج آپ کو کیسے بچا لیتا۔"

(موج کوثر صفحہ ۶۲، ۶۳)

[1] یعنی وہابیوں کے سارے گروہ۔ (مؤلف)

کہتا ہے کہ "یہ تمام طبقے عُرف عام کے مطابق وہابی کی فہرست میں آتے ہیں" مگر میں کہتا ہوں کہ یہ تمام طبقے عُرف عام کے مطابق نہیں۔ بلکہ واقعتاً اور حقیقتاً وہابی ہیں اس لئے یہ تمام طبقے سیّد احمد رائے بریلوی اور اسماعیل دہلوی کے مشرب و مسلک کو عین اسلام تصوّر کرتے اور ان کے مشرب و مسلک پر چلنا اپنے لئے سرمایۂ سعادت سمجھتے ہیں۔ اور سیّد احمد اور اسماعیل دہلوی کا اصل وہابی ہونا روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ اس کے علاوہ ان تمام طبقوں کے باہمی فقہی و فروعی اختلاف کے باوجود ان کے عقائد و نظریات اور دینی و سیاسی کردار پر نظر ڈالی جائے تو یہ تمام طبقے ایک ہی تھیلی کے چٹّے بٹّے ثابت ہوتے ہیں۔ ناظرین اس کے ثبوت میں منجملہ دیگر حقائق کے

دیوبندی وہابیہ کے مفتیٔ اعظم رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ۔

بھی ملاحظہ فرمالیں۔ انشاءاللہ تسلّی ہو جائے گی۔ فرماتے ہیں "محمّد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں۔ ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا البتہ ان کے مزاج میں شدّت تھی مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں۔ مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے ان میں فساد آ گیا ہے۔ اور عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کا ہے۔" (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص۲۳۵)

نیز ان تمام طبقوں کے وہابی الاصل ہونے کا یہ ثبوت بھی کیا کم ہے۔ کہ یہ تمام طبقے ہندو پاکستان میں ابوالوہابیہ محمّد اسماعیل دہلوی کی ان تصنیفات کی نشر و اشاعت میں شب و روز منہمک ہیں۔ جن میں ابن عبدالوہاب نجدی کے عقائد و نظریات کی بھرمار ہے۔ اور محبوب خُدا محمّد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور اولیاء اللہ کی شان میں صراحتہً تنقیص و توہین آمیز کفریہ عبارتیں بھری ہیں۔ اور ان عبارتوں کو دیکھ کر اہل ایمان کے کلیجے شق ہوتے ہیں۔ مگر یہ تمام طبقے ان کتابوں کے پڑھنے پڑھانے اور ان پر عمل کرنے کو عین اسلام اور موجب اَجر جانتے ہیں۔ ان کے مؤلّف کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

دیوبندی مفتی رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں "کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ اور سچی کتاب اور موجب قوّت و اصلاح ایمان کی ہے اور قرآن و حدیث کا مطلب پورا اس میں ہے۔ اس کا مؤلّف ایک مقبول بندہ تھا۔ نیز فرماتے ہیں "کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے اور ردِّ شرک و بدعت میں لاجواب ہے۔ استدلال اس کے کتاب اللہ اور احادیث سے ہیں۔ اس کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے اور موجب اَجر کا ہے۔" نیز مولوی اسمٰعیل دہلوی کی شان میں یوں قصیدہ خوانی فرماتے ہیں "مولوی محمّد اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ عالم، متقی اور بدعت کے اکھاڑنے والے اور سُنّت کے جاری کرنے والے اور قرآن و حدیث پر پُورا عمل کرنے والے اور خلق اللہ کو ہدایت کرنے والے تھے۔" (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص۱۱۲) اس کے علاوہ دوسری کُتب وہابیہ مثلاً کتاب التوحید، صراط مستقیم، براہین قاطعہ، فتاویٰ رشیدیہ، اور حفظ الایمان وغیرہ عقائد وہابیہ اور خرافات سے پُر ہیں۔ اور وہابیہ کے تمام طبقے ان پر یکساں ایمان رکھتے ہیں۔

دیوبندی مولویوں کی بدحواسیاں

قابل دید ہیں۔ جب علمائے اہلِ سُنّت نے ان کے عقائد باطلہ پر گرفت کی اور ان کی کفریہ عبارتوں کی بنا پر انہیں ضال و مضل قرار دے کر ان کی وہابیت کو طشت ازبام کیا۔ نیز علمائے حرمین طیّبین نے ان کی کفریہ عبارتوں پر فتوائے کُفر صادر فرمایا[۱]۔ تو یہ نام نہاد حنفی دیوبندی وہابی بوکھلا اُٹھے۔ اور اس قدر بدحواس ہوئے کہ اپنے فتاویٰ کو پس پُشت رکھ کر بڑے جوش و خروش سے پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ کہ دیکھو جی ہم تو اہل سنّت و جماعت ہیں۔ ہم امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مقلّد اور فقہ حنفیہ پر عامل ہیں۔ ہمیں خواہ مخواہ وہابی کہہ کر بدنام کیا جا رہا ہے۔ نیز یہ کہ ہمارے عقائد ابنِ

[۱] وہابیہ کی کفریہ عبارتوں پر علمائے مکّہ و مدینہ کے فتاویٰ کا مجموعہ حسام الحرمین ملاحظہ فرمائیے۔ (مؤلّف)

عبدالوہاب نجدی اور اس کے متبعین وہابیہ کے عقائد سے مختلف ہیں۔ الغرض محض پروپیگنڈہ اور غلط بیانی کے زور سے اپنی پیشانی پر سے وہابیت کے داغ کو دھو ڈالنے کی کوشش میں لگ گئے مگر انہیں جُرأت نہ ہوئی۔ کہ وہ یہ اعلان بھی کردیں۔ کہ ہمارے مفتیٔ اعظم رشید احمد گنگوہی یا جس کسی نے بھی ابن عبدالوہاب نجدی کو حق پر سمجھا۔ کہا یا لکھا۔ اس کے عقائد کو عمدہ بتا کر اپنے عقائد کو ———— اس کے عقائد سے متحد ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔
ہم اسے گمراہ سمجھتے ہیں اور اس سے بیزار و بری ہیں و نیز ہمارے مولویوں کی جن کفریہ عبارتوں سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء اللہ کی شان میں توہین و تنقیص ہوتی ہے۔ ہم ان عبارتوں کو اپنی کتابوں سے خارج کر کے بارگاہ رب العزت میں توبہ کرتے ہیں۔ مگر یہ تو تب ہوتا جبکہ یہ لوگ حقیقتاً وہابی نہ ہوتے! ہاں انہوں نے اگر کچھ کیا بھی تو صرف یہ کہ ایک طرف تو انہوں نے اپنی جماعت کے وہابیت سے اتحاد، عقائد وہابیہ اور کفریہ عبارتوں کو صحیح و درست سمجھتے ہوئے برقرار رکھا۔ مگر دوسری طرف لوگوں کو مغالطہ دینے کی خاطر تردید وہابیہ میں مضامین و رسائل شائع کرنے شروع کردئے۔ ان مضامین میں ابن عبدالوہاب نجدی اور وہابیوں کو برا بھلا کہا گیا اور وہابیہ کے عقائد کی تردید کی گئی۔ تاکہ عوام یہ دیکھ کر کہ یہ لوگ تو ابن عبدالوہاب نجدی اور وہابیوں کو برا سمجھتے اور عقائد وہابیہ کی تردید کرتے ہیں انہیں اہلسنت و جماعت سمجھنے لگ جائیں۔ چنانچہ دیوبند کے صدر المدرسین مولوی حسین احمد صاحب مدنی نے ایک رسالہ بنام "شہاب ثاقب" لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ کہ ہم ابن عبدالوہاب نجدی اور اس کے متبعین وہابیہ کے عقائد کو غلط اور قرآن و حدیث کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ہم ان کے عقائد سے متحد نہیں بلکہ مخالف ہیں، اور بار بار وہابیوں کو وہابیہ خبیثہ وغیرہ سخت الفاظ سے نوازا ہے۔ تاکہ

پڑھنے والوں کو یقین آجائے۔ کہ یہ تو واقعی وہابیوں کے سخت خلاف ہیں۔ المختصر بدحواسی کے عالم میں دیوبندی مولویوں نے دھڑا دھڑ وہابیوں کے خلاف فتوے داغنے شروع کردئے لیجئے دیکھتے جائیے۔

ابن عبدالوہاب نجدی کے خلاف مولوی حسین احمد مدنی کا فتویٰ

ملاحظہ ہو" صاحبو۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتداء تیرھویں صدی میں نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ **خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ** رکھتا تھا اس لئے اس نے اہلسنت والجماعت سے قتل و قتال کیا ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا۔ اور ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھتا رہا ان کے قتل کرنے کو باعث ثواب و رحمت شمار کرتا رہا اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکلیف شاقہ پہنچائیں۔ سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کئے۔ بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکلیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ الحاصل وہ ایک ظالم و باغی خونخوار فاسق شخص تھا اسی وجہ سے اہل عرب کو خصوصاً اس کے اور اس کے اتباع سے دلی بغض تھا۔ اور ہے، اور اس قدر ہے کہ اتنا قوم یہود سے ہے نہ نصاریٰ سے نہ مجوس سے نہ ہنود سے، غرضکہ وجوہات مذکورۃ الصدر کی وجہ سے ان کو اس کے طائفہ سے اعلیٰ درجہ کی عداوت ہے اور بیشک جب اس نے ایسی ایسی تکالیف دی ہیں۔ تو ضرور ہونا بھی چاہئے۔" (شہاب ثاقب ص ۴۲) اور دیکھئے

ابن عبدالوہاب نجدی کے خلاف دیوبند کے شیخ الحدیث محمد انور کشمیری کا فتویٰ

مقدمہ فیض الباری میں لکھتے ہیں"۔ اما محمد بن عبدالوہاب النجدی

فَاِنَّهٗ کان رجلاً بلیداً قلیل العلم فکان یسارع الی الحکم بالکفر۔"

یعنی محمد بن عبدالوہاب نجدی ایک احمق اور کم علم شخص تھا اور اس لئے کفر کا حکم لگانے میں اسے کچھ باک نہ تھا" اس کے علاوہ دیوبندیوں کے رئیس المحدثین مولوی خلیل احمد نے بھی ایک رسالہ "المہند علی المفند" لکھا۔ جس میں اس نے ابن عبدالوہاب نجدی اور اس کی جماعت کو خارجی اور باغی ثابت کرکے اپنے مولویوں کی کفریہ عبارتوں کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش میں دور از کار تاویلات کا سہارا لیتے ہوئے یہ واضح کرنا چاہا ہے۔ کہ ہم تو بے گناہ اور بے قصور ہیں۔ ہمارا عقائد وہابیہ سے کچھ تعلق نہیں اور اس کے آخر میں چوبیس ۲۴ دیوبندی مولویوں کی تصدیقات ہیں۔ اس رسالہ میں

ابن عبدالوہاب نجدی کے خلاف مولوی خلیل احمد اور دیگر چوبیس ۲۴ دیوبندی مولویوں کا متفقہ فتویٰ :۔ ملاحظہ فرمائیے۔

"ہمارے نزدیک اس کا حکم وہی ہے۔ جو صاحب درمختار نے فرمایا ہے اور خوارج ایک جماعت ہے شوکت والی جنہوں نے امام[۵] پر چڑھائی کی تھی تاویل سے کہ امام کو باطل یعنی کفر یا ایسی معصیت کا مرتکب سمجھتے تھے۔ جو قتال کو واجب کرتی ہے۔ اس تاویل سے یہ لوگ ہمارے جان و مال کو حلال سمجھتے اور ہماری عورتوں کو قیدی بناتے ہیں"۔ اس کے آگے فرماتے ہیں" ان کا حکم باغیوں کا ہے"۔ پھر لکھا ہے" کہ ہم ان کی تکفیر صرف اس لئے نہیں کرتے کہ یہ فعل تاویل سے ہے اگرچہ باطل ہی سہی"۔ الخ (شہاب ثاقب)

دیوبندی مولویوں کے ان فتاویٰ میں ابن عبدالوہاب نجدی اور اُس کی جماعت کو "وہابی" کہا گیا "باغی" قرار دیا گیا اور خارجی شمار کیا گیا۔ ان کے بے پناہ مظالم کا بیان کیا گیا۔ اس کے ظالم، باغی، خونخوار اور فاسق ہونے کا

[۵] امام سے مراد۔ امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ (مؤلف)

فتویٰ صادر کیا گیا۔ اور برملا اعلان کیا گیا ہے کہ اس کے عقائد فاسد اور خیالات باطل تھے۔ مگر اپنے اسمٰعیل دہلوی کے خلاف ایک حرف تک نہ لکھ سکے جس نے ابن عبدالوہاب نجدی کے عقائد فاسدہ اور خیالات باطلہ کو نہ صرف یہ کہ خود قبول کیا بلکہ سید احمد رائے بریلوی کے اشتراک سے وہابیوں کی تنظیم کی اور شیخ نجدی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اہلسنت وجماعت کو مشرک و کافر ٹھہرایا۔ عقائد وہابیہ کی نشر و اشاعت کی۔ شیخ نجدی کی کتاب التوحید کا خلاصہ تقویۃ الایمان کے نام سے لکھ کر بابائے وہابیت ہونے کا شرف حاصل کیا اور مسلمان پٹھانوں کے خلاف جہاد کرکے روایات وہابیہ کو از سرِ نو زندہ کیا اور پھر نہ ہی ان دیوبندی مولویوں نے اپنے مفتئ اعظم رشید احمد گنگوہی اور اس کے ناپاک فتاویٰ کے خلاف کوئی لفظ یا حرف زبان و قلم سے نکالا جس نے تصریح کی کہ ابن عبدالوہاب نجدی کے عقائد عمدہ تھے اسے اور اس کے مقتدیوں کو اچھا کہا نیز یہاں تک اعلان کر دیا۔ کہ ابن عبدالوہاب نجدی اور اس کے متبعین وہابیہ کے اور ہمارے عقائد متحد ہیں۔ اس نے اپنے فتاویٰ میں اسماعیل دہلوی کی مدح سرائی کی حتیٰ کہ جن علمائے اہلسنت نے اسماعیل دہلوی کے عقائد کی تردید کی۔ رشید احمد گنگوہی نے ان علمائے اہلسنت کو سخت فاسق، کفر کے قریب، بد زبان، بدعتی اور ملعون کہہ کر اپنے کٹر وہابی ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی تھی۔ دیکھئے کہ رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ ہے"۔ بہرحال یہ لوگ مولوی اسماعیل کے طعن کرنے والے ملعون ہیں"۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص۴۲)

دیوبندی مولویوں کی یہ عجیب منطق ہے اگر یہ خود ابن عبدالوہاب نجدی کو گالیوں سے نوازیں۔ اُس کے اور اس کے متبعین کے عقائد کی تردید کریں تو حق پرست اور دیندار ٹھہریں۔ مگر جب علمائے اہل سنت و جماعت ابن عبدالوہاب نجدی اور اس کے متبعین سید احمد رائے بریلوی،

اسماعیل دہلوی اور دیگر وہابیہ کی تردید کریں تو یہی دیوبندی مولوی سیخ پا ہو جائیں اور علمائے اہل سُنّت کو مردود اور ملعون ٹھہرائیں۔ ناظرین غور فرمائیں۔ کہ ان کے اس طرزِ عمل میں کونسا راز پنہاں ہے۔ جس کے انکشاف کے خوف سے اس قدر لرزہ براندام اور جامے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ حق و انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ جن عقائد و اعمال کی وجہ سے انہوں نے ابن عبدالوہاب نجدی اور اس کے متبعین کی تردید کی ہے تو جو شخص بھی ان عقائد کو قبول کرے اور انہی اعمال کا مرتکب ہو یہ لوگ اس کی بھی تردید کریں۔ اور اس پر بھی وہی حکم لگائیں۔ جو وہ ابن عبدالوہاب نجدی اور اس کے ساتھیوں پر لگاتے ہیں۔ پھر خواہ وہ سیّد احمد رائے بریلوی ہو۔ اسماعیل دہلوی ہو۔ رشید احمد گنگوہی ہو یا اور کوئی بھی ہو۔ مگر یہ عجیب تماشا ہے کہ دیوبندی مولویوں کے نزدیک ایک جُرم کا مرتکب اگر 'زید' ہو تو مجرم اور سزاوار ٹھہرے اور اگر وہی جُرم 'بکر' کرے تو وہ خُدا کا مقبول بندہ اور لائقِ انعام و تکریم قرار پائے۔ تو ان کے اس طرزِ عمل میں راز یہ ہے۔ کہ دیوبندی صاحبان ہیں۔ تو حقیقتاً پکّے وہابی مگر حالات کے تحت اپنا وہابی پن ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتے۔ جس طرح نجدی وہابیہ نے خود کو مصلحتاً 'حنبلی' ظاہر کیا اسی طرح یہ لوگ خود کو 'حنفی' ظاہر کرتے ہیں۔ اور یہی وہ حقیقت ہے۔ جو دیوبندیوں کے مفتی اعظم رشید احمد گنگوہی کے فتووں سے ظاہر ہے۔ "عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کا ہے۔ (فتاوٰی رشیدیہ کامل ص ۲۳۵) یہی صاحب ایک دوسرے فتوٰی میں فرماتے ہیں "عقائد میں سب متحد مقلّد غیر مقلّد ہیں۔ البتّہ اعمال مختلف ہوتے ہیں۔" (فتاوٰی رشیدیہ ص ۱۸۵)

تو راز یہ کھُلا کہ دیوبندی صاحبان بھی اگرچہ ہیں۔ تو اصل میں وہابی ہی مگر چونکہ وہابیت سخت بدنام ہو چکی ہے لہٰذا اپنی وہابیت پر کوئی نہ کوئی

نقاب ڈالنا ضروری ٹھہرا۔ جبکہ غیر مقلدین اپنی وہابیت پر 'اہل حدیث' کا پردہ ڈال چکے۔ اور وہابیہ کے دیگر گروہ بھی ندوی، احراری، تبلیغی، اور جماعت اسلامی وغیرہ مختلف لباسوں میں ملبوس ہیں تو پھر دیوبندی وہابی، حنفیت کا چولا کیوں نہ پہنیں۔ عوام کی نفرت کا شکار کیوں بنیں۔ اس لیے کہ مطلب تو کام سے ہے نہ کہ نام سے۔ پس اگرچہ وہابیہ کے گروہ مختلف ناموں سے موسوم و مشہور ہو چکے ہیں تاہم سب کا مشن ایک ہے۔ عقائد، مقاصد اور کردار میں سب متحد و مشترک ہیں۔ وہابیہ کے دُوسرے گُروہ اگر مسلمانان اہلسنّت و جماعت کے دُشمن، ملّت اسلام کے مخالف اور دُنیاوی مفادات کی خاطر دشمن اسلام انگریز کے وفادار و جاں نثار رہے ہیں تو دیوبندی صاحبان بھی ان سے پیچھے نہیں رہے۔ انہوں نے بھی انگریزوں کی حکومت کو "اپنی رحمدل گورنمنٹ" ہی سمجھا اور برطانوی اقتدار کو اپنے لیئے "امن و عافیت" کا موجب جان کر "قدر کی نگاہ" سے دیکھتے رہے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ برٹش گورنمنٹ کی مخالفت کو بغاوت اور استحکام حکومت برطانیہ کی خاطر لڑ کر مر جانے کو شہادت قرار دیتے رہے ہیں۔ دیوبندی صاحبان کی کتابیں گواہ ہیں۔ کہ دیگر وہابیہ کی طرح

دیوبندی مولوی بھی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے مخالف اور انگریز کی حمایت میں مجاہدین کے خلاف لڑتے بھی رہے ہیں

دیوبندی مولوی عاشق الٰہی، مولوی رشید احمد گنگوہی کی سوانحعمری میں لکھتا ہے "جن کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انہوں نے کمپنی (ایسٹ انڈیا کمپنی) کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا اور اپنی رحمدل گورنمنٹ (برطانیہ) کے سامنے بغاوت کا علَم قائم کیا۔" (تذکرۃ الرّشید ص ۷۳ حصہ اوّل)

نیز مولوی رشید احمد گنگوہی کے حقیقی ماموں اور خسر مولوی محمد تقی کے متعلق لکھا ہے "مولانا ممدوح جھجر کی ریاست میں فوجی ملازم تھے اور آقا کے جاں نثار خیر خواہ۔ ایام غدر میں آپ مفسدین کے ساتھ نہ تھے بلکہ اس جماعت میں تھے جس کے غنیم (یعنی مجاہدین آزادی) سے لڑنے کی غرض سے دو حصے کر دئے گئے تھے کہ ایک دستہ آج میدان جنگ میں جائے تو کل کو دوسرا آپ بہ لحاظ تقسیم ایک گروہ میں منقسم ہوئے تھے مگر شوق شہادت اور سرکار کی جاں نثاری میں مقتول ہو جانے کی تمنا آپ پر اس درجہ غالب تھی کہ ہر دو گروہ میں شریک ہوتے اور روزانہ میدان جنگ میں چلے آیا کرتے تھے دل اشتیاق وصال میں بیتاب ہوتا تھا اور قلب انتظار حصول لقاء میں بیچین۔ دن بھر اسی جستجو میں تلوار کے قبضہ پر قبضہ کئے گھوڑے پر سوار بھاگتے دوڑتے باغیوں کو مارتے گزر جاتا اور شام کو بے نیل مرام خیمہ گاہ پر واپس آتے تو افسوس کرتے اور بعض وقت رو بھی دیتے تھے کہ ہائے یہ ناکارہ جان منظوری محبوب کے قابل نہیں ہے" (تذکرۃ الرشید ص ۳۸ ج ۱) ناظرین دیو بندی مولویوں کی اس گھٹیا ذہنیت کا اندازہ فرمائیں۔ جو ان کی تحریر سے ظاہر ہے۔ پھر اس کے آگے لکھا ہے "بجلی کی طرح کوندنے اور پھرتی کے ساتھ ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر نکل جاتے تھے یکے بعد دیگرے دو باغیوں کو قتل کیا اور تیسرے کے چھرے پر چھرے کا نشانہ لگایا بندوق کا فیر ہونا اور گولی کا نکل کر چلنا تھا کہ خود بھی چلا اٹھے اور سفر آخرت کا تہیہ کر دیا" پھر لکھا ہے "مولانا شہید کا مزار دہلی میں پیش قلعہ پرانی شہر مسجد کے شمالی جانب پہلو میں ہے" (تذکرۃ الرشید ص ۳۸) اسی سلسلہ میں

مولوی رشید احمد گنگوہی اور بانی مدرسہ دیوبند مولوی قاسم نانوتوی کا انگریز کی حمایت میں جذبۂ جاں نثاری بھی قابل دید ہے

"ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربانی (یعنی مولوی رشید احمد گنگوہی)

اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم (محمد قاسم نانوتوی) اور طبیب روحانی اعلیٰحضرت حاجی صاحب و نیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے کہ بندوقچیوں سے مقابلہ ہو گیا یہ نبرد آزما دلیر جتھا اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے یا ہٹ جانے والا نہ تھا اٹل پہاڑ کی طرح پرا جما کر ڈٹ گیا اور سرکار پر جاں نثاری کے لئے تیار ہو گیا۔ اللہ رے شجاعت و جواں مردی کہ جس ہولناک منظر سے شیر کا پتہ پانی اور بہادر سے بہادر کا زہرہ آب ہو جائے وہاں چند فقیر ہاتھوں میں تلواریں لئے جم غفیر بندوقچیوں کے سامنے جمے رہے گویا زمین نے پاؤں پکڑ لئے ہیں۔ چنانچہ آپ پر فیر ہوئیں اور حضرت حافظ ضامن صاحب زیر ناف گولی کھا کر شہید بھی ہوئے" (تذکرۃ الرشید ص ۷۵ ج ۱) ان تحریروں سے ثابت ہوا کہ ملک و ملت سے غداری اور کفر نوازی میں دیوبندی گروہ دیگر وہابیہ سے بدرجہا آگے ہے۔

دیو بندی مولویوں سے پوچھا جائے کہ کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشادات کی موجودگی میں دشمنان ملک و ملت کفار کی مدد و حمایت کرنا جائز ہے؟ انہیں یہ سبق کہاں سے ملا ہے۔ جو یہ لوگ مجاہدین کے خلاف لڑائی کو جہاد اور کفار کی حمایت میں لڑ کر مر جانے کو شہادت کہتے ہیں!

یہ نام نہاد مولوی آخر بتائیں تو سہی کہ قرآن مجید کی کس آیت اور حدیث شریف کی کونسی روایت سے انہوں نے یہ مسئلہ حل فرمایا؟ اب ناظرین غور فرمائیں کہ ایسے ابن الوقت اور مفاد پرست لوگوں کو اہل اسلام کے راہنما، شمع آزادی کے پروانے اور مجاہدین ملک و ملت کہنا کہاں تک صحیح ہے!

مزید براں یہ حقیقت بھی خود انہی کی کتابوں سے کھلتی ہے کہ دیوبندی

مولویوں کی ساری زندگیاں حکومت برطانیہ کی خیر خواہی میں بسر ہوگئیں۔ یہ لوگ تازیست انگریز کے حامی و مددگار رہے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے فرو ہو جانے کے بعد جبکہ انگریز حکام فتح کے نشے میں چور ہو کر حریت پسند مجاہدین کے خلاف انتقامی کارروائیوں میں مصروف تھے۔ اور جس شخص پر انگریزوں کی مخالفت اور مجاہدین آزادی کی حمایت کا ذرہ بھر شک ہوتا بے دریغ موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا، حریت پسندوں کو چن چن کر گرفتار کیا اور تختۂ دار پر چڑھایا جا رہا تھا۔ اس ہنگامۂ دار و گیر میں جب دیوبندی مولویوں۔ رشید احمد گنگوہی اور مولوی محمد قاسم نانوتوی وغیرہ پر مخالفتِ انگریز کا الزام لگا۔ تو ان بپھرے ہوئے انگریزی حکام کی مکمل تحقیقات اور پوری تفتیش و چھان بین کے باوجود ایسی کوئی بات نہ نکلی بلکہ یہ لوگ انگریزوں کے سچے وفادار و جاں نثار ثابت ہوئے دیوبندی مولوی عاشق الٰہی کا بیان ہے۔ کہ "جب بغاوت و فساد کا قصہ فرو ہوا اور رحمدل گورنمنٹ کی حکومت نے دوبارہ غلبہ پا کر باغیوں کی سرکوبی شروع کی تو جن بزدل مفسدوں کو سوائے اس کے اپنی رہائی کا کوئی چارہ نہ تھا کہ جھوٹی سچی تہمتوں اور مخبری کے پیشہ سے سرکاری خیر خواہ اپنے کو ظاہر کریں انہوں نے اپنا رنگ جمایا اور ان گوشہ نشین حضرات پر بھی بغاوت کا الزام لگایا۔" (تذکرۃ الرشید صفحہ ۷۶ ج ۱) نیز ملاحظہ ہو "شروع ۱۲۷۶ھ ہجری نبوی ۱۸۵۹ء وہ سال تھا، جس میں حضرت امام ربانی (یعنی رشید احمد گنگوہی) قدس سرہ پر اپنی سرکار سے باغی ہونے کا الزام لگایا گیا اور مفسدوں میں شریک رہنے کی تہمت باندھی گئی۔" (تذکرۃ الرشید ص ۷۳) اور دیکھئے "حضرت امام ربانی قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ کو اس سلسلہ میں امتحان کا بڑا مرحلہ طے کرنا تھا اس لئے گرفتار ہوئے اور چھ مہینہ حوالات میں بھی رہے آخر جب تحقیقات اور پوری تفتیش و چھان بین سے کالشمس فی نصف النہار

ثابت ہو گیا کہ آپ پر جماعت مفسدین کی شرکت کا محض الزام ہی الزام اور بہتان ہی بہتان ہے اس وقت رہا کئے گئے۔" (تذکرۃ الرشید صفحہ ۷۹ ج ۱) نیز اسی مولوی رشید احمد کے متعلق مرقوم ہے "اور سمجھے ہوئے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار رہا ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے۔ اسے اختیار ہے جو چاہے سو کرے۔" (تذکرۃ الرشید صفحہ ۸۰ ج ۱) پھر آخر میں یہ حوالہ بھی دیکھئے "ہر چند کہ یہ حضرات حقیقۃً بیگناہ تھے مگر دشمنوں کی یاوہ گوئی نے ان کو باغی و مفسد اور مجرم و سرکاری خطاوار ٹھہرا رکھا تھا اس لئے گرفتاری کی تلاش تھی۔ مگر حق تعالٰی کی حفاظت بر سر تھی اس لئے کوئی آنچ نہ آئی اور جیسا کہ آپ حضرات اپنی مہربان سرکار کے دلی خیر خواہ تھے تازیست خیر خواہ ہی ثابت رہے۔" (تذکرۃ الرشید صفحہ ۷۹ ج ۱) ناظرین اب

۱۸۵۷ء کے بعد وہابی مولویوں کا دینی وسیاسی کردار

ملاحظہ فرمائیں۔ واضح رہے کہ چونکہ انگریزوں نے مسلمانوں سے اقتدار چھینا تھا اس لئے انہیں مسلمانوں ہی کی طرف سے زیادہ خطرہ بھی تھا۔ اس خطرہ کے پیش نظر حکومت برطانیہ نے مسلمانوں کو ہر لحاظ سے مفلوج کر دینے اور ان کی ملی قوت کو کچل دینے ہی میں اپنی عافیت دیکھی چنانچہ ایک طرف تو مختلف حیلوں بہانوں سے انہیں ذلیل و خوار کرتے اور ملکی، سیاسی، اقتصادی، معاشی اور تعلیمی وغیرہ ہر میدان میں پست و پسماندہ رکھتے اور دوسری طرف ہندوؤں اور دیگر غیر مسلم اقوام کو ہر لحاظ سے نوازنے، مسلمانوں پر انہیں ہر شعبہ میں ترجیح و فوقیت دینے اور ترقی کے ہر میدان میں آگے بڑھانے کی پالیسی پر عمل شروع کر دیا گیا تاکہ مسلم قوم پھر کبھی سر اٹھانے کے قابل نہ رہ جائے اور اسی مقصد کے پیشِ نظر فرنگی شاطروں نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور

اُن کا شیرازہ منتشر کر دینے کی غرض سے مسلمانوں کے مفاد پرست اقلیتی فرقہ وہابیہ کو خرید لیا انہیں طرح طرح سے نوازنا شروع کیا۔ اور بعض سرکردہ وہابی مولویوں کے وظیفے مقرر کر دئیے[1] وہابی مولویوں نے جو پہلے ہی انگریز کے فدوی اور جاں نثار تھے۔ انگریز کی اس چشم التفات کو ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر سوادِ اعظم اہل سُنّت و جماعت کے خلاف بات بات پر بدعت اور شرک کے فتوے داغنے شروع کر دئیے۔ حتیٰ کہ ان اُمور و مسائل کو بھی یہ لوگ اپنے فتووں کی زد میں لے آئے جن پر آج تک نہ صرف اکابر علمائے اُمت بلکہ ان کے پیر و مُرشد حاجی امداد اللہ صاحب اور ان کے متوسلین عامل تھے مثلاً مجلس مولود۔ قیام و صلوٰۃ و سلام۔ فاتحہ و نیاز۔ نداء و استمداد اور مزارات مقدسہ سے تحصیل فیوض و برکات وغیرہ۔ ان کی منظم اور تیز و تند فتویٰ بازی کے نتیجہ میں برّ صغیر پاک و ہند کے مسلمان کچھ ادھر اور کچھ اُدھر بٹ کر باہمی منافرت اور تفریق کا شکار اور باہم دست بگریباں ہو گئے۔ ان وہابی مولویوں نے دُنیاوی مفادات کی خاطر مسلم قوم میں ایسا خطرناک فتنہ بپا کر دیا جس کے اثراتِ بد آج بھی نمایاں ہیں۔ اس کے علاوہ ان وہابی مولویوں نے مسلمانوں کو مذہبی لحاظ سے گروہ در گروہ بانٹ دینے کے ساتھ ساتھ سیاسی میدان میں بھی اپنی مختلف سیاسی پارٹیاں بنا کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی اجتماعی قوت پارہ پارہ ہو گئی اور مسلم قوم کا شیرازہ

[1] دیوبندیوں کی کتاب مکالمۃ الصدرین صفحہ ۹ تا ۹ مولانا حفظ الرحمان صاحب (صدر جمعیۃ العلمائے ہند) نے کہا کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتداءً حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا پھر بند ہو گیا۔" اس کے جواب میں دیوبندی مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی صدر جمعیۃ العلماء اسلام نے فرمایا۔ "دیکھیے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے آپ کے مسلّم بزرگ و پیشوا تھے ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سُنا گیا کہ ان کو چھ سو روپیہ ماہوار حکومت کی جانب سے دئیے جاتے تھے۔"

بکھر کر رہ گیا۔

تحریکِ پاکستان کے خلاف وہابیوں کی جدّوجہد

ایک طرف یہ وہابی مولوی ملّتِ اسلامیہ کو پریشان کئے ہوئے تھے تو دُوسری طرف حکمران انگریز اور ہندو لیڈروں نے مسلمان قوم کو کچل دینے کی مہم شروع کر رکھی تھی۔ ہندو کانگریس آزادئ ہند کے نام پر برٹش گورنمنٹ سے اقتدار و اختیارات حکمرانی حاصل کر کے مسلمانوں کو اپنا غلام بنا لینے کا تہیّہ کئے ہوئے تھی اور سارے ہندوستان کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کی دعویدار تھی اور حکومت برطانیہ ہندو کانگریس کی تائید و پُشت پناہی کر رہی تھی۔ برِّصغیر میں ہندو اور مسلمان دو سیاسی طبقے تھے۔ لیکن ہندو کانگریس اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہ تھی۔ چنانچہ مسلمانوں نے سنہ ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کے نام سے اپنی علیحدہ تنظیم قائم کی اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی کوشش کی جانے لگی۔ مگر ہندو لیڈروں کا معاندانہ و متعصّبانہ رویّہ انتہائی عُروج پر تھا۔ ہندو لیڈر مسلم قوم کو قدم قدم پر پیچھے دھکیلنے کی ہر توڑ کوشش کرنے لگے۔ مسلمانوں کی اقتصادی حالت دن بہ دن خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی تھی۔ حکومت کے تمام کلیدی عہدوں پر ہندو قابض تھے اس کے ساتھ ساتھ حکمران انگریز اور ہندو کانگریس کی سازش سے مختلف شہروں میں غیر مسلم غنڈوں کے ذریعے مسلمانوں پر تشدّد کے دروازے بھی کھول دئیے گئے۔ طاقت کے ذریعہ مسلمانوں کو مرعوب و مغلوب کرنے کی خاطر آئے دن ہندو مسلم فسادات کا سلسلہ شروع کر دیا گیا تا آنکہ اس صُورتِ حال کے پیشِ نظر حضرت علاّمہ اقبال علیہ الرّحمہ نے سنہ ۱۹۳۰ء کے اجلاس الٰہ آباد میں دو قومی نظریہ کے تحت تقسیم ملک کی تجویز فرمائی کہ مسلم اکثریت والے صُوبوں پر مشتمل مسلمانوں کی حکومت کا قیام، قیامِ امن اور مسلم قوم

کے تحفظ کے لئے ضروری ہے۔ اس کے علاوہ اس ہندو مسلم کشمکش کا دوسرا کوئی حل نہیں ہوسکتا۔ لیکن تا حال مسلم لیگ بحیثیت ایک عوامی تحریک کے منظرِ عام پر نہ آئی تھی کہ ۱۹۳۵ء میں نئی اصلاحات کی آمد آمد کا چرچا ہُوا۔ مختلف طاقتیں سرگرمِ عمل ہوگئیں۔ نئی قوتیں اُبھرنے لگیں۔ ہندوستان کو پہلی بار حقیقی اختیارات کا تحفہ مل رہا تھا اثر و اقتدار کے حصول کی اس کشمکش میں دردمندانِ ملّت اس ضرورت کو بڑی شدّت سے محسوس کر رہے تھے کہ مسلمانوں کی کوئی آل انڈیا تنظیم یا شخصیّت منظرِ عام پر آئے۔ جو وقت کے اس چیلنج کو وسیع پیمانے پر قبول کرے اور مسلمانوں میں مرکزیت کا احساس پیدا کرکے انہیں وحدتِ فکر و عمل کی دولت عطا کر سکے۔ ادھر ہمارے حریف پُورے ساز و سامان سمیت خالی میدان میں آرہے تھے۔ آل انڈیا نیشنل کانگریس نے مسلمانوں کو اپنے دامِ تزویر میں پھانسنے کے لئے براہ راست ربط کی تحریک پُورے زور اور پورے شاطرانہ طور پر شروع کردی تھی۔ خود مسلمانوں کے اندر بعض ایسی طاقتیں جن سے مسلمانوں کو خیر کی کوئی اُمید نہ تھی اپنے آپ کو آنے والے وقت کے لئے مجتمع کر رہی تھیں۔ مختصر یہ کہ مسلمان ذہنی و عملی ہر دو لحاظ سے بُری طرح منتشر تھے کہ قائداعظم محمّد علی جناح مسلم قوم کے ناخدا بن کر تشریف لے آئے۔ انہی حالات میں قائداعظم دس کروڑ اسلامیانِ ہند کے مسیحا بن کر منظرِ عام پر آئے۔ ۱۹۳۶ء کی پہلی سہ ماہی میں انہوں نے لاہور ریلوے اسٹیشن کے باہر اپنے استقبال کرنے والوں کے ایک اجتماع سے خطاب فرماتے ہُوئے ارشاد فرمایا "مَیں آپ لوگوں کی مدد کے لئے آیا ہُوں آپ میری مدد کریں تاکہ خدا آپ کی مدد کرے"۔ مایوسی اور بددلی کی فضا میں یہ آوازِ اُمید کی پہلی جھلک تھی۔ دیکھتے دیکھتے قائداعظم علیہ الرحمۃ کی قیادت کے آفتابِ عالمتاب کے سامنے چھوٹی موٹی قیادتوں کے چراغ ماند پڑ گئے۔ پنجاب کے یونینسٹ، قائداعظم کے بڑھتے ہُوئے اثر و رسُوخ سے خائف

ہوگئے۔ احرار پارٹی۔ جمعیتہ العلمائے ہند اور غیر مقلدین وغیرہ تمام وہابی کھلم کھلا کانگریس کی گود میں چلے گئے۔ وہابی مولویوں نے گاندھی، نہرو اور سردار پٹیل وغیرہم ہندو لیڈروں کے ساتھ اظہارِ وفاداری اور کانگریس کا حقِ نمک ادا کرتے ہوئے مسلم لیگ قائداعظم اور تحریکِ پاکستان کے خلاف بڑھ چڑھ کر زہر اُگلنا شروع کردیا اور ملّتِ اسلامیہ کے خلاف ایک ناپاک محاذ قائم کرکے تحریکِ پاکستان کو ہر ممکن طریقہ سے نقصان پہنچانے کی جدّوجہد میں مصروف ہوگئے۔

چنانچہ ۱۹۳۷ء میں بیرون دہلی دروازہ لاہور ایک جلسہ میں مجلسِ احرار کے سرگروہ مولوی عطاء اللّٰہ شاہ بخاری نے تحریکِ پاکستان اور قائدین مسلم لیگ کے متعلق مندرجہ ذیل گُل افشانی فرمائی "یہ لوگ پاکستان مانگتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پاکستان۔ جانتے ہو کیا مانگتے ہیں؟ پاکستان۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پاکی استان[1]۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انہیں پاکی استان چاہیئے۔ دے دیجئے اُسترے ان کے ہاتھوں میں اور بھیج دیئے غسل خانوں میں"

نیز اسی مولوی بخاری نے علی پُور کی احرار کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے پاکستان کے خلاف اپنے دل کا بُخار یُوں نکالا "مسلم لیگ کے لیٹرے بےعملوں کی ٹولی ہیں۔ جنہیں اپنی عاقبت بھی یاد نہیں اور جو دُوسروں کی عاقبت بھی خراب کر رہے ہیں اور وہ جس مملکت کی تخلیق کرنا چاہتے ہیں۔ وہ پاکستان نہیں بلکہ خاکستان ہے"۔ (ہندو اخبار "ملاپ" لاہور مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۴۵ء)

اسی عطاء اللّٰہ شاہ بخاری وہابی نے بمقام پسرور ضلع سیالکوٹ میں تقریر کرتے ہوئے ڈنکے کی چوٹ اعلان کیا "اب تک کسی ماں نے ایسا بچّہ نہیں جنا

---

[1] پنجابی زبان میں مُوئے زیرِ ناف کی صفائی کرنے کو پاکی کرنا کہتے ہیں اس غدّارِ ملّت وہابی مولوی نے پاکستان کے لفظ کو بمصداق لَنَا اَعْمَالُنَا لِیَسْتَنْبِطُوْنَهٗ پاکی استان یعنی مُوئے زیرِ ناف اُتارنے کی جگہ کہہ کر اپنے خبثِ باطن کا مظاہرہ کیا۔ (مؤلّف)

جو پاکستان کی "پ" بھی بنا سکے"[1] (استقلال نمبر روزنامہ جدید نظام ۱۹۵۰ء) نیز یہی وہابی مولوی بخاری، ہندو لیڈروں کا نمک حلال کرنے کی دھن میں برملا کہہ گزرتا ہے۔ "ہندوستان میں نہ پاکستان بن سکتا ہے نہ حکومت الٰہیہ کا قیام عمل میں لایا جا سکتا ہے۔ جو پاکستان کا نعرہ لگا کر مسلمانوں سے ووٹ کی بھیک مانگتا ہے انہیں گمراہ کرتا ہے۔" (ہندو اخبار 'پربھات' ۱۱ر دسمبر ۱۹۴۵ء) یہاں تک کہ مسلمانوں کو تحریک پاکستان اور مسلم لیگ سے بدظن کرنے کی خاطر یہی عطاء اللہ شاہ بخاری رہنمایانِ مسلم لیگ پر علی الاعلان بہتان طرازی کرتے ہوئے کہتا ہے "مسلم لیگ عافیت کوشوں اور رجعت پسندوں کی جماعت ہے ان کا مقصد ملک میں غیر ملکی اقتدار کو مستحکم کرنا ہے۔ اس کے باوجود ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہم مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں۔ مسلم لیگ اور احرار کے مقاصد میں بُعد المشرقین ہے۔" (روزنامہ 'آفاق' لاہور ۱۹ر مارچ ۱۹۵۵ء) اب آخر میں گاندھی، نہرو اور پٹیل کے اس چیلے کی بدزبانی کی انتہاء ملاحظہ ہو۔ مولانا ظفر علی خان اپنے مجموعہ منظومات میں لکھتے ہیں۔ "احرار کی شریعت کے امیر مولانا عطاء اللہ بخاری نے امروہہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ"۔ جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سوٴر ہیں اور سوٴر کھانے والے ہیں۔" (چمنستان ظفر علیخاں ص ۱۶۵) ان عباد الدراہم والدنانیر کی خلاف اسلام مذموم حرکات کی وجہ سے ملت اسلامیہ میں غم و غصہ اور بیزاری کی لہر دوڑ گئی۔ چنانچہ مولانا ظفر علیخاں علیہ الرحمۃ نے قوم کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا ؎

پانچ ککّوں[2] کا ہے پابند یہ شریعت کا امیر ؛ اس میں طاقت ہے تو کرپان کی جھنکار سے

---

[1] مولوی بخاری جس پاکستان کے خلاف ہرزہ سرائی میں مصروف رہا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد سکھوں اور ہندوؤں کے جوتوں کی مار سے بچنے کے لئے اس نے پناہ بھی اسی پاکستان میں لی۔ اور اسی پاکستان کے شہر ملتان میں مر کر دفن بھی ہوا۔ (مؤلف)

[2] پانچ ککّوں سے مراد کیس یعنی سر کے لمبے بال۔ کنگھا۔ کڑا۔ کچھا اور کرپان ہیں۔ جو سکھوں کا قومی نشان ہیں۔ غرض سکھوں سے تشبیہ دینا ہے ؛ (مؤلف)

آج قرآن کو کہتے ہیں وہ نُطفہ اپنا ؛ سلسلہ جس کا ملا سیّدِ ابرار سے ہے

آج قرآن کی توہین وہی کرتے ہیں
واقفیت جنہیں قرآن کے اسرار سے ہیں (چمنستان ص ۴)

نیز فرمایا ؎

گالیاں دے جھوٹ بول احرار کی ٹولی ہیں ہل ؛ نکتہ یونہی ہو سکے کا حل سیاسیات کا
خالصہ کا ساتھ دے جب یہ شریعت کا امیر ؛ کیوں نہ کہئے اس کو باباٹل سیاسیات کا

دخل معقولات میں دیتا ہے کیوں بڈھ مولوی
عقدہ کیا کھولے گا یہ ورڈھیل سیاسیات کا (چمنستان ص ۹۲)

نیز فرمایا ؎

اِک بری رُو کی شریعت نگھی نے ؛ کل رات نکالا مرے تقوٰی کا دوالا

مَیں دین کا پُتلا ہُوں وُہ دُنیا کی ہے مُورت
اس شوخ کے نخرے میں مرا گرم مسالا (چمنستان ص ۹۶)

مولوی ابو الکلام آزاد جو ہندو لیڈروں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے ہوئے ان کی ہمنوائی میں مصروف تھے اور پوری تندہی کے ساتھ تحریک پاکستان اور قائدین مسلم لیگ کے خلاف سرگرم عمل تھے ان کے متعلق مندرجہ ذیل نظم روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور میں مورخہ ۳ر جولائی ۱۹۴۶ء کو شائع ہوئی ؎

تُو نے کی جس کی اشاعت پے بہ پے ؛ کیا یہی وُہ غلبۂ اسلام ہے
علم و فکر و آرزو و جستجو ؛ مستعار و رہنِ افسونِ عدو
بندگیٔ غیر کا گردن میں طوق ؛ کم سواد و کم نگاہ و کور ذوق
اے اسیرِ حکمتِ عصر جدید ؛ حق سے نومیدی برہمن سے امید
تیرے ہنگاموں سے ملت سرنگوں ؛ سومناتی ہے ترا ذوق جنوں
راس کعبے کی ہوا تجھ کو نہیں ؛ آنکھ محروم نظر دل بے یقین
یہ جہاں یہ مال و دولت ہیچ ہے ؛ یہ قیادت یہ سیادت ہیچ ہے

کُفر کے طوفاں میں دیوارِ حرم — اَور ہے خاموش غدّارِ حرم
اَز شکرِ فیہائے ایں قرآں فروش — دیدہ ام رُوح الامین را در خروش

متحدّہ قومیّت کا پُر فریب نعرہ اَور وہابی مولوی

ہندو کانگریس، گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ساز باز کر کے ہندوستان کی واحد نمائندہ جماعت کی حیثیت سے حکمرانی و اقتدار کے جملہ حقوق خود حاصل کرنا اور مسلمانوں کو اپنا غلام بنا لینا چاہتی تھی۔ اس لئے کانگریس نے متحدّہ قومیّت کا پُر فریب نعرہ ایجاد کر رکھا تھا۔ ان کے اس فریب کا پردہ چاک کرتے ہوئے بانیٔ پاکستان بابائے ملّت قائداعظم نے یہ مجاہدانہ اعلان فرمایا کہ "مسلمان بحیثیت مسلمان ہونے کے ایک جُداگانہ مستقل عظیم قوم ہیں اور مسلم قوم کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے۔ ہندو کانگریس ہندوؤں کی نمائندہ ہے نہ کہ مسلمانوں کی بھی۔ لہٰذا مسلمان ہندوؤں کی غلامی ہرگز قبول نہیں کریں گے بلکہ دو قومی نظریہ کے تحت اپنے لئے ایک آزاد و خود مختار پاکستان حاصل کر کے رہیں گے"۔ اور اس کے نتیجہ میں مسلم لیگ کا قوم کو دیا ہُوا نعرہ "لے کے رہیں گے پاکستان۔ بن کے رہے گا پاکستان" اور پاکستان کا مطلب کیا لا اِلٰہ الا اللّٰہ محمّد رسول اللّٰہ۔ مسلم قوم کے ہر بچّے۔ جوان اور بُوڑھے کے دل کی دھڑکن بن گیا۔ ملک کا گوشہ گوشہ اس نعرہ سے گُونج رہا تھا۔ مگر اس کے برعکس وہابی مولوی "ملّت اَز وطن است" کا کانگریسی راگ الاپ رہے تھے اور گاندھی، نہرو اور سردار پٹیل وغیرہم ہندو آقاؤں کی ہمنوائی میں یہ ڈھنڈورہ پیٹ رہے تھے کہ ہندوستان کے تمام باشندے ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی اور پارسی وغیرہ ایک قوم ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان ہندوستانی قوم ہیں نہ کہ مسلم قوم ؞

وہابی مولوی حسین احمد مدنی کے مُنہ پر علّامہ اقبال کا بھرپُور طمانچہ

طمانچہ:۔ دیوبندی مولوی حسین احمد (نام نہاد مدنی) نے ایک رسالہ لکھا۔ جس کا نام "متحدّہ قومیت اَور اسلام" رکھا۔ اس میں یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی۔ کہ فی زمانہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں اور اپنے اس نامعقول غیر اسلامی نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے آیات قُرآن و روایات حدیث کے مطالب و مفہوم میں تحریف تک سے دریغ نہیں کیا۔ اس نے مسلمانانِ ہند کو یہ باور کرانے کی سرتوڑ کوشش کی کہ کانگریس بالکل نبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے اُسوہ پر چل رہی ہے اَور مسلمانوں کو مامون و مطمئن ہو کر اپنے آپ کو اس متحدہ قومیت کے حوالے کر دینا چاہیئے جیسے کانگریس بنانا چاہتی ہے"۔ (ملاحظہ ہو کتاب تحریکِ آزادئ ہند اور مسلمان' اَز مودُودی ص۳۲۴)

اس وہابی مولوی کی اس ناپاک جسارت کو مفکّرِ اسلام علّامہ اقبال علیہ الرحمۃ کیونکر برداشت کر سکتے تھے۔ انہوں نے بَرملا اس کے مُنہ پر وُہ چپت رسید کی جو رہتی دُنیا تک یادگار رہے گی۔ فرمایا ؎

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ — ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست
سرود بر سرِ منبر کہ ملّت اَز وطن ست — چہ بے خبر ز مقامِ محمّدِ عربی ست
بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

دیوبندی مولوی حسین احمد پدما بھوشن

دیوبندی وہابیہ کے پیشوا حسین احمد مدنی صدر دارالعلوم دیوبند۔ کانگریس کا وفادار نمک خوار، ہندو لیڈروں کا آلہ کار، تحریک پاکستان کا سخت مخالف اور مسلم لیگ، کا کٹّر دشمن تھا اسی کی سرپرستی میں دیوبند، دشمنانِ پاکستان کا گڑھ بنا ہُوا تھا۔ اس کی پاکستان دُشمنی کا یہ عالم تھا۔ کہ جب کانگریس نے مجبور ہو کر تقسیم ہند

اَور قیام پاکستان کی قرارداد کو قہراً جبراً منظور کر لیا تو وہابیوں کے اس پیشوا نے اس پر اپنی رضامندی ظاہر نہ کی اور یہاں تک کہہ دیا کہ "۔ اگر میں تسخیر قلوب کا عالم و عامل ہوتا۔ تو آج ہندوستان میں کوئی مسلمان لیگی نہ ہوتا سب کے قلوب کو جمعیۃ العلمائے ہند اور کانگریس کی طرف پھیر دیتا"

(روزنامہ الجمعیۃ دہلی شیخ الاسلام نمبر) دیوبندی وہابیہ کے اس شیخ الاسلام نے خلاف اسلام اور پاکستان دشمنی میں اس قدر بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا کہ تقسیم ملک کے بعد ۱۹۵۴ء کو بھارت کے یوم آزادی کی تقریب میں اس کی ہندو دوستی اور کانگریس سے مثالی وفاداری کے صلہ میں حکومت بھارت نے اسے "پدما بھوشن" کا خطاب عطا کیا۔ اس مولوی کے ہندو سرکردہ لیڈر مدن لال اور دیگر ہندو کانگریسی لیڈروں کے ساتھ بڑے گہرے تعلقات تھے۔ اس صورت حال کے پیش نظر کسی نے کیا خوب شعر کہا ہے ؎

مولوی مدنی سے کوئی پوچھے ۔۔۔ مَدن سے تجھ کو نسبت ہے یا مدینے سے

نیز مولانا ظفر علی خان نے فرمایا ؎

حسین احمد سے کہتے ہیں خزف ریزے مدینے کے
کہ لٹّو آپ بھی کیا ہو گئے سنگم کے موتی پر
(چمنستان)

دیوبندی مولویوں کی زر پرستی کی ایک مثال

وہابی مولویوں کی زر پرستی کا

اس واقعہ سے اندازہ کر لینا کچھ مشکل نہیں کہ بجنور میں مسلم لیگ انتخاب ہار گئی اور اسی دوران کانگریس کی طرف سے مولوی حسین احمد مدنی کے نام سے سات سو روپیہ کا منی آرڈر ایک مسلم لیگی کلرک نے پکڑ لیا اور اور یہ واقعہ بہت مشہور ہو گیا۔ اس پر مولانا ظفر علی خان مرحوم نے حسین احمد مذکور کو مخاطب کر کے فرمایا ؎

غدّاریٔ وطن کا صلہ سات سو فقط ۔۔۔ ایماں ہی بیچنا ہے تو سستا نہ کیجئے

بھرنا ہی پیٹ ہے تو طریقے ہیں اور بھی ۔۔۔ دو روٹیوں پہ قوم کو بیچا نہ کیجئے
شائستگی سے دیجئے گر بن سکے جواب ۔۔۔ ورنہ ابھی سے مشق تبرّا نہ کیجئے

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴ نومبر سنہ ۱۹۴۵ء)

مولوی حسین احمد دیوبندی اَور ابوالکلام آزاد کی بے نوائی

کے متعلق روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۱۰ اگست سنہ ۱۹۴۵ء میں شائع شدہ مندرجہ ذیل نظم قابل دید ہے ؎

ہاں حسین احمد ہی شیخ الہند تھا کل تک ضرور ۔۔۔ آج ہے لیکن "مقام مصطفٰے" سے بے خبر
مسجدِ نبوی میں جو کل تک رہا گرمِ سجود ۔۔۔ وار دھا کے آشرم میں جھک گیا آج اس کا سر
کل تلک تھا جو اسیرانِ کراچی میں سے ایک ۔۔۔ آج ملّت کے مقاصد پر نہیں اس کی نظر
دیکھ کیا حالت ہے اب کشمیر میں آزاد کی ۔۔۔ کٹ کے ملّت کے شجر سے اس نے کیا پایا ثمر
قوم کے جوشِ غضب سے ڈر کے ہے رُوپوش آج ۔۔۔ جو کبھی اس ملک میں تھا قوم کا نورِ نظر
شخصیت کی ملّتِ بیضا کو ہے پروا کہاں ۔۔۔ ہے وہی آزاد لیکن اب ہمارا ہے کہاں

الغرض۔ وہابی مولوی اپنے مفادات کے پیش نظر ہندو لیڈروں کے اشاروں پر رقصاں تھے۔ یہ لوگ ملّت اسلامیہ کی پشت میں نیشنلزم کا خنجر گھونپ کر مسلمانوں کو من حیث القوم، حکمران انگریز اور ہندو کانگریس کے سامنے ہتھیار ڈال دینے پر مجبور کر دینا چاہتے تھے اور اس مقصد کے پیش نظر انہوں نے اسلام کے نظریۂ قومیّت کو بدل ڈالنے سے بھی دریغ نہ کیا اور قرآن و حدیث کی تعلیمات کو ہندو آقاؤں کی ہدایات پر قربان کر بیٹھے۔ یہ لوگ وفاداریٔ کانگریس کے معاملہ میں اس قدر شدید غلو میں مبتلا تھے کہ جب ان میں سے مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی شبّیر احمد عثمانی جیسے اکابرِ دیوبند نے انفرادی طور پر مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی حمایت شروع کی۔ تو دیوبندی وہابی ان کے بھی دشمن ہو گئے۔ مولوی شبّیر احمد صاحب

عثمانی کا بیان ہے کہ "دار العلوم دیوبند کے طلبا نے جو گندی گالیاں، فحش اشتہارات
اور کارٹون ہمارے متعلق چسپاں کئے۔ جن میں ہم کو "ابوجہل" تک کہا گیا۔ اور
ہمارا جنازہ نکالا گیا۔ دار العلوم کے طلبا نے میرے قتل تک کے حلف اٹھائے
اور وہ فحش اور گندے مضامین میرے دروازہ میں پھینکے کہ اگر ہماری ماں
بہنوں کی نظر پڑ جاتے تو ہماری آنکھیں شرم سے جھک جاتیں۔" (مکالمۃ الصدرین ص ۱۲)

نیز دیوبندی وہابیوں نے مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کو قتل کی
دھمکی دیتے ہوئے مندرجہ ذیل خط لکھا "مولوی اشرف علی تھانوی یہ بات
بہت تشویشناک اور ہمارے لئے شرم کی ہے کہ کانگریس کی تمام کوششوں
کے باوجود مسلم لیگ کا فتنہ ملک میں پھیلتا جاتا ہے اور آپ نے باقی علمائے
دیوبند کے خلاف چل کر مسلم لیگ کے موافق فتویٰ دے دیا ہے۔ اب ہماری
پارٹی مسلم لیگ کے مولویوں اور بددین لیڈروں کو مزا چکھانے کے لئے
تیار ہو کر میدان میں آگئی ہے۔ اس لئے آپ کو بھی یہ تاکیدی نوٹس دیا جاتا
ہے کہ ایک مہینہ کے اندر اندر مسلم لیگ کے متعلق اپنا فتویٰ واپس لے لو اور
کانگریس کی حمایت کرو ورنہ یقین اور پورا الیقین رکھو کہ مظہر الدین الامان
والے کی طرح تم کو بھی تمہاری خانقاہ میں چھرے سے ذبح کر دیا جائے گا۔
یہ ضمیمہ اور ایماناً اطلاع بھیجی جاتی ہے ایک مہینہ کی مدت غنیمت جاننا
ایک مہینہ تمہارے بیان کی انتظاری کر کے ہمارا آدمی روانہ ہو جائے گا۔ جو
پستول یا چھرے سے تم کو ختم کر دے گا۔ یہ چیٹھی محض دھمکی نہیں ہے کانگریس
زندہ باد۔" (منقول از روزنامہ "مشرق" لاہور ۲۵ دسمبر ۱۹۶۶ء)

دیوبندی مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی کے بیان مولوی اشرف علی
صاحب تھانوی کے نام دیوبندیوں کے خط سے ان کی ذہنی پستی اور شرمناک
کردار کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ یہ لوگ کفر نوازی اور مسلم دشمنی میں کس
حد تک پہنچ چکے تھے۔

وہابی مولویوں کو مولانا ظفر علی خان مرحوم کا مشورہ

وہابی مولویوں کی ایسی مذموم حرکتوں کے پیش نظر ہی مولانا ظفر علیخاں
صاحب مرحوم نے قوم کی ترجمانی فرماتے ہوئے انہیں مشورہ دیا تھا کہ ؎

اسلام کو نہ مفت میں بدنام کیجئے
حجرے میں جا کے بیٹھئے آرام کیجئے
چوکھٹ پہ جا کے گاندھی کے سر کو جھکائیے
وردھا میں یا پرستش اصنام کیجئے
قشقہ جبیں پہ کھینچ کر زنار ڈال کر
مندر میں دیوتاؤں کو جے رام کیجئے

(نوائے وقت مورخہ ۴ نومبر ۱۹۴۵ء)

اور پھر ان کی حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا ؎

کھولتا ہے ان کی ہر اک رگ میں جنار کا لہو
یہ مجاہد ہیں بڑے دشنام کی پیکار میں
مسجدیں برباد ہوں یا قوم پر گولی چلے
مبتلا رہتے ہیں یہ بس پیٹ کے آزار میں
جنس ملت بیچتے ہیں بے دھڑک بازار میں
یعنی لاثانی ہیں یہ اسلام کے بیوپار میں

مجلس احرار کے صدر مولوی حبیب الرحمان لدھیانوی کی اسلام دشمنی کے متعلق مولانا ظفر علی خان مرحوم کا ارشاد:

"میرٹھ میں
مولوی حبیب الرحمان لدھیانوی صدر مجلس احرار اس قدر جوش میں آئے۔
کہ دانت پیستے جاتے تھے اور غصہ میں آکر ہونٹ چباتے جاتے تھے اور فرماتے
جاتے تھے کہ دس ہزار جینا اور شوکت اور ظفر[1] جواہر لال نہرو کی جوتی کی نوک
پر قربان کئے جا سکتے ہیں۔ اس پر میں نے یاروں کی فرمائش یوں پوری کی کہ ؎

کیا کہوں آپ سے ہیں کیا احرار
کوئی لچا ہے اور کوئی لقّہ

(چمنستان ص ۱۶۵)

نیز فرمایا:۔

---

[1] قائد اعظم محمد علی جناح۔ مولانا شوکت علی اور مولانا ظفر علی خان۔ (مؤلف)

مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے نام

سُنتا ہُوں مرکزِ علماء لدھیانہ ہے — جس کی گلی گلی میں انہی کا فسانہ ہے
لیکن یہ کیا کہ نغمۂ توحید کے بجائے — ان کی زباں پہ برہمنوں کا ترانہ ہے
گہ بامِ خانہ ہے کلسِ سومنات کا — اور سردواران کے لئے صحنِ خانہ ہے
ہیں سیم و زر سے مصلحتیں ان کی ہمکنار — جن کا کفیل گاندھویوں کا خزانہ ہے
صُورت تو مومنانہ ہے بیشک حضور کی — سیرت کا گوشہ گوشہ مگر ہندوانہ ہے
بڑھنے لگی ہے اب جو مسلم سے رسم و راہ — شُدّھی کا ہو نہ ہو یہ نیا شاخسانہ ہے
کیوں آستانِ غیر پہ اسکو جھکاؤں مَیں — یارب یہ سَر ہے اور ترا آستانہ ہے

جب ہم محمّدِ عربی کے غُلام ہیں
کیا غم اگر خلاف ہمارے زمانہ ہے

(چمنستان مولانا ظفر علی خان ص ۱۹۷)

دیوبندی وہابی مولوی احمد علی لاہوری کی گاندھی سے عقیدت

یہ صاحب بھی دُوسرے وہابی مولویوں کی طرح کانگریس کے ہمنوا، گاندھی کے عقیدتمند و حلقہ بگوش اور مسلم لیگ کے دشمن اور قیام پاکستان کے کٹّر مخالف تھے۔ حضرت مولانا ابوالنّور محمّد بشیر صاحب (کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ) اپنا چشم دید واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ "جب کانگریس کا زور تھا اور مسلمان مطالبۂ پاکستان میں سرگرم تھے دیوبندی مولوی کانگریس کے ساتھ اور مسلمانوں کے مخالف تھے۔ گاندھی دورۂ سرحد سے فارغ ہو کر پشاور سے لاہور جا رہا تھا اتفاقاً مَیں بھی اسی ٹرین میں سوار تھا۔ اور راولپنڈی سے لاہور جا رہا تھا۔ لاہور پہنچتے پر مَیں نے ریلوے پلیٹ فارم پر کانگریسیوں کا ایک بہت بڑا ہجوم دیکھا۔ ہر شخص ہار لئے گاندھی کی راہ دیکھ

رہا تھا۔ گاڑی اسٹیشن پر پہنچی تو گاندھی کا ڈبّہ ہجُوم سے کچھ آگے نکل گیا۔ یہ دیکھ کر ہجوم دیوانہ وار آگے دوڑا، اس افراتفری کے عالم میں ایک کھدّر پوش طویل ریش اُدھیڑ عُمر کا آدمی بھی نظر آیا۔ جو پھُولوں کا ہار لئے اِس رَش میں گاندھی کے درشنوں کے لئے بیقرار تھا اور اس جدّ و جہد میں تھا کہ وہ بھی کسی طرح گرتے پڑتے گاندھی کے چرنوں میں پہنچ سکے۔ میری نگاہ اس آدمی کی طرف تھی کہ ایک رفیقِ سفر نے بتایا یہ مولانا احمد علی ہیں۔ شیرانوالہ دروازہ والے یہ سُن کر مجھے تقویۃ الایمانی توحید شرک کے چرنوں میں گری ہوئی نظر آنے لگی"۔ (رسالہ ماہ طیبہ ماہ جولائی ۱۹۵۵ء)

مشہور لیڈر شورش کاشمیری مدیر چٹان لاہور کے متعلق مولانا کوثر نیازی کی گواہی:

"وہ پاکستان بننے سے پہلے پاکستان کے کھلے دشمن تھے اور پاکستان بننے کے بعد اس ملک کے چھپے دشمن ہیں۔ شورش کاشمیری کانگریس کے تنخواہ دار ایجنٹ کی حیثیت سے تحریک پاکستان کے خلاف گلا پھاڑ پھاڑ کر تقریریں کرتے رہے۔ اور اپنے کانگریسی آقاؤں کی خوشنودی کے لئے قائدِ اعظم کی ذات تک رکیک حملے کرتے رہے"۔ ہفت روزہ شہاب لاہور مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۶۶ء)

عنایت اللہ خان مشرقی

خاکسار لیڈر عنایت اللہ مشرقی قیام پاکستان اور بانئ پاکستان کا بدترین مخالف اور دشمن تھا۔ چنانچہ اس کے رضاکاروں نے بزعم خویش تحریک پاکستان کو ناکام بنانے کے لئے متعدد مرتبہ قائد اعظم پر قاتلانہ حملے کئے۔ روزنامہ جنگ راولپنڈی رقمطراز ہے کہ "قائد اعظم محمّد علی جناح پر پہلا قاتلانہ حملہ ۱۹۴۳ء میں بمبئی میں ہُوا۔ جس کے نتیجہ میں ایک خاکسار کو گرفتار کر لیا گیا۔ دُوسری مرتبہ ۹ جون ۱۹۴۷ء کو خاکسار رضاکاروں کی ایک

جماعت نے پھر قائدِ اعظم پر حملہ کرنے کی کوشش کی ان کے منہ سے "جناح کو نہیں چھوڑیں گے" کے نعرے بھی سنے گئے۔ مگر مسلم لیگ نیشنل گارڈ نے انہیں پکڑ لیا ان حملوں کے پیچھے غالباً مشرقی کی انانیت کام کر رہی تھی جو اپنی شرائط پر مسلم لیگ سے سمجھوتہ کرانا چاہتے تھے اور اس میں ناکام ہونے پر ان کے پیرو مارنے مرنے پر آمادہ ہو گئے تھے (روزنامہ جنگ راولپنڈی ۱۱ ستمبر ۱۹۶۲)

بانی جماعتِ اسلامی ابو الاعلیٰ مودودی اور اُنکی جماعت کے حالات

صاحب موصوف عقائد کے لحاظ سے وہابی اور کردار کے لحاظ سے بہ مقابلہ دیگر وہابیہ بدرجہا سخت اور سب سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ ان کی تنقید سے بہ مشکل ہی کوئی بچا ہوگا۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام اور خلفاء راشدین (علیہم الرضوان) تک ان کی تنقید سے محفوظ نہیں اور شاید یہی وجہ ہو کہ بہ ظاہر دوسرے وہابی صاحبان بھی ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ تاہم دیگر وہابیہ کی طرح یہ بھی ابن عبدالوہاب نجدی، سیّد احمد رائے بریلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی کے متبع، معتقد اور مدّاح ہیں۔ جماعت اسلامی کی لائبریریوں میں شیخ نجدی کی کتاب التوحید اور اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان موجود رہتی ہے تاکہ جماعت کے ارکین و متفقین کی تربیت اُصول وہابیت پر کی جا سکے۔ سیّد احمد رائے بریلوی اور اسماعیل دہلوی کے متعلق ان کی عقیدت کا اندازہ انکے اس بیان سے کیا جا سکتا ہے۔ "سیّد احمد صاحب بریلوی اور شاہ صاحب شہید دونوں رُوحاً و معناً ایک وُجود رکھتے ہیں اور اس وُجود متحد کو میں مستقل بالذّات مجدد نہیں سمجھتا بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب کی تجدید کا تتمہ سمجھتا ہُوں"

(موجِ کوثر ص ۳۶)

مودودی صاحب کسی مستند دار العلوم سے فارغ التحصیل عالم دین نہیں اور نہ ہی کسی یونیورسٹی سے انگریزی کی ممتاز ڈگری کے حامل ہیں۔ اس لئے انہیں سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ آپ حقیقتاً نیم مُلّا اور نیم مسٹر ہیں۔

جیسے کہ مودودی کے سابق دست راست۔ امین احسن اصلاحی کا بیان ہے۔ "میں یہ تو نہیں جانتا کہ مودودی صاحب نے کہاں پڑھا ہے۔ لیکن میں اس بات کو اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ نہایت ذہین آدمی ہیں۔ نہایت قابل آدمی ہیں۔ (ترجمان القرآن مارچ تا مئی ۱۹۵۱ء ص ۷) و نیز خود ان کے اپنے بیان سے بھی ظاہر ہے "مجھے گروہ علماء میں شامل ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے میں بیچ کی راس کا آدمی ہوں۔ جس نے جدید و قدیم طریقہائے تعلیم سے کچھ کچھ حصّہ پایا ہے۔ اور دونوں کوچوں کو چل پھر کر دیکھا ہے" (ترجمان القرآن ماہِ ربیع الاوّل ۱۳۵۵ھ) آپ کے اس کچھ کچھ سے صاف عیاں ہے کہ آپ کچھ مولوی ہیں اور کچھ مسٹر۔ بہ الفاظ دیگر۔ معمولی عربی داں اور معمولی انگریزی خواں۔ نیز اعتراف فرماتے ہیں کہ "راقم سطور کو نہ منصب افتاء حاصل ہے اور نہ وُہ اس کا اہل ہے۔ کہ مسائل دینیہ میں فتویٰ دینے کی ذمّہ داری اُٹھا سکے" (تفہیمات ص ۳۲۴ ج ۲) اور صاف اقرار فرماتے ہیں کہ "راہنمائی کے لئے جس علم و فضل کی ضرورت ہے وہ مجھ کو حاصل نہیں" (ترجمان القرآن رجب ۱۳۵۴ھ) مگر اس کے باوجود خود فریبی کا یہ عالم ہے کہ اپنے علم و فہم کے سامنے تمام علمائے دین اور مفتیان شرع متین کو نہ صرف یہ کہ ہیچ سمجھتے ہیں بلکہ انہیں جہالت کی پیداوار اور گمراہ قرار دیتے ہیں۔ ان کی نظر میں روئے زمین کے جملہ علماء، فضلاء اور مفتی صاحبان گم کردہ راہ ہیں۔ اگر کوئی راہ حق پر ہے تو وہ صرف اکیلے خود (مودودی صاحب) ہی ہیں۔ چنانچہ بڑی شان سے فرماتے ہیں "خواہ مغربی تعلیم و تربیت پائے ہوئے سیاسی لیڈر ہُوں یا علمائے دین و مفتیان شرع متین دونوں قسم کے راہنماء اپنے نظریئے اور پالیسی کے لحاظ سے یکساں گُم کردہ راہ ہیں دونوں راہِ حق سے ہٹ کر تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں" (مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصّہ سوم ص ۱۲۸)

مودودی صاحب زمانہ بھر کے علمائے دین اور مفتیان شرع متین کو گمراہ قرار دینے پر

ہی اکتفا نہیں فرماتے بلکہ سلف صالحین، مفسّرین، محدّثین، علمائے اُمّت
حتیٰ کہ ائمہ مجتہدین پر بھی انہیں اعتبار نہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ
اور امام احمد بن حنبل (علیہم الرّضوان) میں سے کسی ایک پر بھی انہیں کامل
اعتماد نہیں ہے۔ بلکہ مودودی صاحب بزعم خود جملہ علوم کے اس قدر ماہر
اور اُمورِ دین میں اتنے بلند مقام پر ہیں۔ کہ وہ ان تمام بزرگانِ دین کے
علم و فہم کو اپنے علم و فہم کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری جانتے ہیں۔ ان کی تحقیق
کی چھان بین فرماتے اور ان کے علمی و دینی کارناموں پر بے لاگ تحقیقی و
تنقیدی نگاہ ڈالنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ اور پھر بقول خود نیم مُلّا
ہونے کے باوجود علوم دین پر ماشاء اللہ اتنا عبور رکھتے ہیں۔ کہ وہ سلف
صالحین کی غلطیاں پکڑ لیتے ہیں۔ فرماتے ہیں "بس نہ مسلک اہل حدیث
کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت یا شافعیت
کا پابند ہوں"۔ آگے ارشاد ہوتا ہے "میرا طریقہ یہ ہے۔ کہ بزرگانِ سلف
کے خیالات اور کاموں پر بے لاگ تحقیقی اور تنقیدی نگاہ ڈالتا ہوں جو
کچھ ان میں حق پاتا ہوں اُسے حق کہتا ہوں۔ اور جس چیز کو کتاب و سُنّت
کے لحاظ سے یا حکمت عملی کے اعتبار سے درست نہیں پاتا اس کو صاف صاف
نادرست کہہ دیتا ہوں"۔ (رسائل و مسائل ص ۲۳۵ ج ۱ و ص ۵۰۴ ج ۱)

مودودی صاحب کی تعلّی قابل غور ہے۔ اس نیم مُلّا اور نیم مسٹر
کا مطلب یہ ہے کہ اس کے سوا پوری اُمّتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ
والسلام میں آج تک کوئی بھی قرآن و حدیث کو سمجھنے والا پیدا نہیں ہوا۔
مفسّرین قرآن، محدّثین و شارحین حدیث۔ علماء۔ فقہاء اور ائمہ مجتہدین
قرآن و سُنّت کے خلاف ہی فیصلے کرتے اور فتوے دیتے رہے ہیں۔ اور
تیرہ چودہ سو سال تک اُمّت مرحومہ کے سارے علماء، فضلا، اولیاء اللہ
اور مسلمان بزرگانِ سلف کی اتباع اور تقلید اختیار کر کے راہ حق سے

دُور اور تاریکیوں میں بھٹکتے رہے ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذالک) یہی وُہ جہل مرکّب
ہے جس میں گرفتار ہونے کے باعث ابو الوہابیہ ابن عبدالوہاب نجدی نے تمام
مسلمانوں کو مشرک و کافر ٹھہرایا تھا اور یہی وہ مہلک مرض ہے جس میں مودودی
صاحب مبتلا ہیں۔ مگر چونکہ ابن عبدالوہاب نجدی محض ایک اُجڈ اور ادب سے
کورا تھا اس لئے اس نے سیدھے سادے الفاظ میں مسلمانوں کو تکفیر کا نشانہ بنا
دیا تھا اور اس کے مقابلہ میں چونکہ مودودی صاحب ترقی یافتہ دَور کی پیداوار
اور ادیب بھی ہیں اس لئے یہ صاحب شیخ نجدی ہی کے مطلب کو تحریر کے ہیر
پھیر اور لفاظی کے پردوں میں لپیٹ کر برآمد فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا
ہے "ایک قوم کے تمام افراد کو محض اس وجہ سے کہ وہ نسلاً مسلمان ہیں حقیقی
معنیٰ میں مسلمان فرض کر لینا اور یہ اُمید رکھنا کہ ان کے اجتماع سے جو کام بھی
ہوگا اسلامی اُصول ہی پر ہوگا۔ پہلی اور بنیادی غلطی ہے۔ یہ انبوہِ عظیم جس
کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس کے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ
اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق اور باطل کی تمیز سے آشنا ہیں نہ ان کا اخلاقی نقطۂ
نظر اور ذہنی رویّہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے
پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آ رہا ہے۔ اس لئے یہ مسلمان ہیں۔ نہ انہوں نے
حق کو حق جان کر قبول کیا ہے نہ باطل کو باطل جان کر اسے ترک کیا ہے"۔

(   )

مودودی صاحب کے اس اعلان سے صاف واضح ہے کہ ان کے نزدیک اپنی
مخصوص جماعت اسلامی کے گنے چُنے چند ارکان ہی حقیقی مسلمان ہیں۔ اور باقی
سارے مسلمان حقیقۃً مسلمان نہیں ہیں۔ بعینہٖ یہی حال ابن عبدالوہاب نجدی
کا تھا۔ وہ بھی اپنے گروہ میں شامل افراد کے سوا تمام مسلمانوں کو دائرۂ اسلام سے
خارج قرار دیتا تھا۔ اور جب یہ صورت حال ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ
مودودی صاحب اور اُس کی پارٹی کے صالحین، غیر حقیقی اور نسلاً مسلمانوں سے

مالی امداد اور چندے کی بھیک کیوں مانگا کرتے ہیں - زکوٰۃ، خیرات، صدقۂ فطر اور قربانی کی کھالیں وصول کرنے کے لئے قدِ آدم اشتہارات شائع کر کے انہی کے دروازوں پر فقیرانہ صدائیں کیوں لگاتے ہیں - قدم قدم پر ان نام نہاد مسلمانوں سے تعاون کی اپیلیں کرتے وقت ان کی رگِ صالحیت کس لئے بے حس ہو جاتی ہے اگر غور سے دیکھیں تو صاف نظر آتا ہے کہ مودودی صاحب اور ان کی جماعت صالحین کا از اوّل تا آخر گزارہ ہی عام مسلمانوں سے وصول شدہ سرمایہ پر ہے - اور انہی مسلمانوں کے دم سے ان کی جماعت اب تک زندہ ہے - حتّٰی کہ انہی کی گردنوں پر پاؤں رکھ کر یہ گروہ صالحین کرسئ اقتدار پر چڑھ بیٹھنے کی تمنا میں بیچین و مضطرب ہے - جب حقیقت یہ ہے تو پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ یہ گروہ صالحین اپنے محسن مسلمانوں کے خلاف دریدہ دہنی کا مظاہرہ کرے - ذرا دیکھئے تو سہی کہ ان صالحین کے دلوں میں عام مسلمانوں کے متعلق کس قدر زہر بھرا ہے اور مسلمانوں کے واجب الاحترام راہنماؤں اور پیشواؤں کے بارے میں ان کے قلوب کس قدر بغض و نفاق سے پُر ہیں - چند نمونے ملاحظہ فرمائیے - امیر الصالحین مودودی صاحب فرماتے ہیں " اہلحدیث، حنفی، دیوبندی، بریلوی، شیعہ، سُنّی یہ سب اُمتیں جہالت کی پیداوار ہیں " (خطبات ص ۱۳۴) نیز بڑے فخر کے ساتھ اعلان فرماتے ہیں " اب تک میں نے کوئی چیز ایسی نہیں لکھی - جس پر کسی نہ کسی گروہ کو چوٹ نہ لگی ہو " (رسائل و مسائل ص ۲۸۳) اور دیکھئے " ان پڑھ عوام ہوں یا دستار بند علماء یا خرقہ پوش مشائخ یا کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ حضرات ان سب کے خیالات اور طور طریقے ایک دوسرے سے بدرجہا مختلف ہیں - مگر اسلام کی حقیقت اور اس کی روح سے ناواقف ہونے میں سب یکساں ہیں " (تفہیمات ص ۳۶ ج ۱) نیز یہ نیم ملّا و نیم مسٹر مودودی صاحب لکھتے ہیں " یہ غریب تعلیم کے لئے دینی درسگاہوں میں جاتے ہیں - تو وہاں زیادہ تر غیر مخلص اور مکار ملا حضرات یا نیم مسلم و نیم ملحد حضرات سے ان کو پالا پڑتا ہے - قدیم مدارس کی طرف متوجہ ہوتے

ہیں - تو اکثر مذہبی سوداگروں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں - دینی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں - تو خطیبوں اور واعظوں کی اکثریت انہیں گمراہ کرتی ہے - روحانی تربیت کے طالب ہوتے ہیں - تو پیروں کی غالب اکثریت ان کے لئے راہِ خدا کی راہزن ثابت ہوتی ہے " (جماعت اسلامی کا مقصد و تاریخ ص ۱۰۳، ۱۰۴)

گروہ صالحین کے امیر مزید گل افشانی فرماتے ہیں " لیکن یہاں تو پاکستان سے لے کر ہندوستان تک ہر طرف پمفلٹوں، اشتہاروں اور مضامین کی ایک فصل اُگ رہی ہے - جس میں کمیونسٹ، سوشلسٹ، فرنگیت زدہ ملحدین، منکرین حدیث، اہل حدیث، بریلوی و دیوبندی سب ہی اپنے شگوفے چھوڑ رہے ہیں اور آئے دن نئے نئے شگوفے پھوٹتے رہتے ہیں ... ... ہم کہتے ہیں یہ شیطان کی فصل ہے وہی اسے کاٹے گا " (رسائل و مسائل ص ۴۹ ج ۲) نیز مودودی صاحب امیر الصالحین کی شستہ کلامی و تہذیب کا ایک اور نمونہ ملاحظہ ہو -

" افلاس، جہالت اور غلامی نے ہمارے افراد کو بے غیرت اور بندۂ نفس بنا دیا ہے - وہ روٹی اور عزّت کے بھوکے ہو رہے ہیں ان کا حال یہ ہو گیا ہے کہ جہاں کسی نے روٹی کے چند ٹکڑے اور نام و نمود کے چند کھلونے پھینکے یہ کتوں کی طرح اس کی طرف لپکتے ہیں - اور ان کے معاوضے میں اپنے دین و ایمان اپنے ضمیر، اپنی غیرت و شرافت، اپنی قوم و ملّت کے خلاف کوئی خدمت بجا لانے میں ان کو باک نہیں ہوتا " (سیاسی کشمکش ص ۲۱ ج ۱) مزید فرماتے ہیں " غرض آپ اس نام نہاد مسلم سوسائٹی کا جائزہ لیں گے تو اس میں آپ کو بھانت بھانت کا مسلمان نظر آئے گا مسلمان کی اتنی قسمیں ملیں گی - کہ آپ شمار نہ کر سکیں گے - یہ ایک چڑیا گھر ہے - جس میں چیل - کوّے - گدھ - بٹیر - تیتر اور ہزاروں قسم کے جانور ہیں " (سیاسی کشمکش ص ۴۲ ج ۳) نام نہاد صالحین کے امیر کی تہذیب و شرافت کے مختصراً چند نمونے پیش خدمت کئے گئے ہیں - تاکہ ناظرین ان کے متعلق کسی غلط فہمی میں نہ رہ جائیں ۵

اند کے با تو گفتم و بدل ترسیدم ؎ کہ آزردہ خاطر نہ شوی ورنہ سخن بسیار است

مودودی صاحب کی تحریروں سے ثابت ہوا۔ کہ ابن عبدالوہاب نجدی اور مودودی صاحب یک جان دو قالب ہیں ان کے نظریات اور مقصد میں کچھ فرق نہیں۔ شیخ نجدی کی طرح مودودی صاحب بھی خوارج کے مشن کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ اگر ان دونوں میں کچھ فرق ہے۔ تو صرف یہ کہ شیخ نجدی کو امیر ابن سعود کے تعاون سے کسی قدر کامیابی حاصل ہو گئی تھی۔ مگر بیچارے مودودی صاحب کو تاحال ایسا کوئی سنہرا تعاون حاصل نہیں ہو سکا اور ہزاروں پاپڑ بیلنے کے باوجود اپنے اصل مقصد میں ناکام رہے ہیں۔ اور اپنی تمناؤں اور حسرتوں کو سینہ میں دبائے دم بخت ہو رہے ہیں۔ نیز وہ مسلمانوں پر برس بھی اسی لئے رہے ہیں کہ ان قدر ناشناسوں نے صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ ہو کر قیادت کا تاج اُن کے سر پر کیوں نہیں رکھ دیا اور ان کے امیر المؤمنین بننے کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کیوں نہیں کر دیا۔

اگر مودودی صاحب کا کوئی حامی یہ کہے کہ اُمّت مسلمہ کی حالت واقعی بگڑ چکی ہے اور مودودی صاحب مصلح قوم کی حیثیّت سے ان کی خامیوں کی نشاندہی فرما رہے ہیں تو عرض ہے کہ وہ کونسی خامی یا خرابی ہو سکتی ہے جو خود ان میں اور ان کی جماعت میں نہ پائی جاتی ہو۔ اگر کوئی شخص اُن کی خامیوں اور خرابیوں اور بے اُصولیوں سے باخبر ہونا چاہتا ہو تو اُن کے قول اور عمل کو غور سے دیکھے یا پھر ان حضرات سے پوچھے جو ان کی خدمت دین کے دلکش نعروں سے متأثر ہو کر صدق دل سے ان کی جماعت میں شامل ہو گئے تھے اور جماعت کی بے لوث خدمات سرانجام دیتے ہوئے جماعت کے اعلیٰ ترین مناصب پر فائز بھی ہو چکے تھے مگر ان کے حالات دروُن خانہ سے واقف ہو جانے کے بعد مایوس اور بد دل ہو کر یکے بعد دیگرے جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔ چنانچہ سب سے پہلے مولوی منظور احمد نعمانی ایڈیٹر رسالہ "الفرقان" لکھنؤ جو جماعت

کے سرگرم رُکن تھے ان کی دھاندلیوں سے متنفّر ہو کر مستعفی ہو گئے اور اُن کے زیر اثر سینکڑوں افراد رفتہ رفتہ سرکتے چلے گئے۔ حتّٰی کہ امیر جماعت صوبہ پنجاب سعید ملک نے بھی جماعت سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔ رہی سہی کسر امین احسن اصلاحی نے پُوری کر دی اور مودودیت سے تائب ہو گئے اور یہی نہیں۔ بلکہ اخبارات میں اعلان کر دیا کہ اس جماعت کو جماعت اسلامی کہنا ہی غلط ہے ان کے علاوہ مولوی عبدالرّحیم صاحب اشرفؔ ایڈیٹر رسالہ "المنیر" و امیر حلقہ لائل پور نے جماعت سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ نیز سیّد ابوالحسن ندوی، جعفر شاہ ندوی (یکے از بانیانِ جماعت) مولوی عبدالغفار حسن سابق امیر جماعت اسلامی پاکستان، عبدالجبار غازی سابق امیر جماعت اسلامی پاکستان، شیخ سلطان احمد سابق امیر جماعت اسلامی پاکستان، سردار محمّد اجمل خان لغاری رکن مرکزی شوریٰ۔ مولوی عبدالحق جامعی سابق امیر حلقہ بہاولپور راؤ خورشید علی خان ایم۔ پی۔ اے، ارشاد احمد حقّانی ایڈیٹر تسنیم، محمّد عاصم الحداد سابق ناظم دارالعروبیہ اور جناب کوثر نیازی صاحب سابق امیر جماعت اسلامی حلقہ لاہور۔ یہ وہ حضرات ہیں۔ جو جماعت اسلامی کے چوٹی کے لیڈر تھے اور بقول مولانا کوثر نیازی "یہ وہ راہنما ہیں۔ جو مودودی صاحب کے بعد جماعت کا اصل سرمایہ اور اثاثہ سمجھے جاتے تھے کاش کہ مودودی صاحب کے اندھے مقلّدوں کو یہ سوچنے کی توفیق نصیب ہوتی کہ کیا اِن سب قائدین کے دماغ خراب ہو گئے تھے؟ کیا یہ سب بِک گئے تھے؟ کیا یہ سب بددیانت تھے؟ کیا یہ سب دین سے ناواقف تھے؟ اگر ان سب میں دیانت مشکوک تھی، ان سب کا علم ناقابل اعتماد تھا۔ جو اپنے اپنے وقت میں جماعت کے ستون تھے تو سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ عوام جماعت کے باقیماندہ تنخواہ دار کارکنوں کے علم و دیانت پر بھی کیوں بھروسہ کریں" (کتاب "میں نے جماعت اسلامی کیوں چھوڑی صفحہ ۳، ۴ از کوثر نیازی)۔

مولانا امین احسن اصلاحی کی مولانا کوثر نیازی کے بیان کی تصدیق

مولانا کوثر نیازی نے جماعت اسلامی سے علیحدگی کے وقت اخبارات میں مودودی صاحب سے اپنی خط و کتابت اور بیان شایع کرایا تھا۔ اس پر اڈیٹر میثاق، امین احسن اصلاحی نے اپنی طرف سے پیش لفظ تحریر کیا۔ اس میں وہ لکھتے ہیں۔

"کوثر صاحب اُن لوگوں میں سے ہیں۔ جنہوں نے پُورے سترہ ۱۷ سال ہر طرح کے نرم گرم حالات میں جماعت کے ساتھ گزارے ہیں۔ ان کا ہفتہ وار اخبار "شہاب" جماعت کا نہایت سرگرم حامی رہا ہے اور ادھر ایک عرصے سے خود ان کا شمار بھی جماعت کے صفِ اوّل کے لیڈروں میں ہوتا رہا ہے۔ ہمیں اُمید ہے۔ کہ قارئین "میثاق" ان تحریروں میں "جماعت اسلامی" کے باطن کا ایک عکس دیکھ سکیں گے اور اس سے ہمارے اُن خیالات کی تصدیق ہو گی جو ہم نے اس جماعت سے متعلق میثاق کے پچھلے چند شماروں میں ظاہر کئے ہیں۔" (میں نے جماعت اسلامی کیوں چھوڑی ص۸)

مودودی صاحب جو تمام مسلمانوں، ان کے سیاسی اور مذہبی راہنماؤں کو جہالت کی پیداوار، اسلام کی حقیقت اور اس کی رُوح سے بیخبر، نام نہاد مسلمان اور شیطان کی فصل قرار دیتے ہیں۔ علماء کو مذہبی سوداگر اور مشائخ کو راہ خدا کے راہزن کہتے نہیں شرماتے خود ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ ؎

کروں تنکدے میں اگر بیاں تو کہیں صنم بھی ہری ہری

مندرجہ بالا اقتباسات میں ناظرین مودودی صاحب کی شُستہ کلامی اور اُن کی تہذیب و شرافت کے چند نمونے دیکھ چکے ہیں۔ اب بمصداق "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے" جماعت اسلامی کے سابق بڑے لیڈر مولانا کوثر نیازی کے بیانات کی روشنی میں

جماعت اسلامی کے اندرونی حالات کا عکس بھی ملاحظہ فرمائیں۔

"میں کچھ عرصہ سے جماعت اسلامی کے داخلی نظم کی خامیوں، اس کی تباہ کُن سیاسی پالیسیوں اور بعض گمراہ کُن افکار و نظریات کے بارے میں اپنی بے اطمینانی اور بےچینی کا اظہار جماعت اسلامی پاکستان کے امیر مولانا مودودی صاحب سے زبانی اور تحریری دونوں صورتوں میں کرتا رہا ہوں۔ اور میں نے پُوری کوشش کی ہے کہ جماعت میں رہتے ہوئے اصلاح احوال کی کوشش کروں۔ مگر افسوس کہ میری یہ ساری کوششیں بے سُود ثابت ہوئیں اور بالآخر مجھے بہ تکلیف دہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہونا پڑا ہے کہ میں جماعت سے اپنا تعلق منقطع کر لوں (میں نے جماعت اسلامی کیوں چھوڑی ص۱۰۹) "جماعت کی دینی اور جمہوری حالت اس وقت یہ ہے کہ صدارتی انتخاب کے موقعہ پر پچھلے دنوں جماعت کی مجلس مشاورت نے جو قرارداد پاس کی تھی وہ جیل میں مولانا مودودی نے لکھی تھی اور اسے لفظ بہ لفظ مجلس مشاورت کا فیصلہ قرار دے کر جمہوریت کا منہ چڑایا گیا تھا۔ جماعت "بنیادی جمہوریتوں" پر تنقید اور بالغ رائے دہی کا مطالبہ کرتی ہے مگر خود اس نے اپنے نظام میں اس طرح کی درجہ بندی قائم کر رکھی ہے اور ہزاروں کارکنوں میں سے صرف پندرہ ۱۵ سو ارکان کو ووٹ کا حق دیتی ہے۔ جماعت پر تنخواہ دار لیڈر شپ مسلّط ہے۔ اس کا ہر دسواں رُکن تنخواہ دار ہے۔ حد یہ ہے کہ اس کی ہیئتِ حاکمہ مجلس عاملہ تک کے ارکان جن میں سب اُمرائے حلقہ شامل ہیں۔ سب کے سب تنخواہ دار ہیں۔ اور مولانا مودودی انہیں شوریٰ میں سے نامزد کرتے ہیں۔ اگر کوئی رُکن جماعت کی پالیسی تبدیل کرنے کے لئے جماعت کے اندر بھی اظہار رائے کر دے تو جماعتی دستور کی رُو سے جماعت کا عہدیدار نہیں رہ سکتا۔ سیاسی بے تدبیریوں کا عالم یہ ہے کہ ایک طرف تو واضح اُصولی اور بنیادی اختلافات اور ارکان جماعت کی بےچینی کے باوجود جماعت "متحدہ محاذ" میں شامل ہو گئی اور دُوسری طرف صرف ایک ٹکٹ نہ ملنے کی وجہ سے اس نے محاذ میں رہتے ہوئے محاذ کے پارلیمانی

بورڈ سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ جماعت اسلامی کے بگاڑ کا مسئلہ اگر سیاسی
میدان تک ہی محدود رہتا تو ممکن تھا کہ اسے مزید کچھ دیر کے لئے برداشت
کرنے کی کوشش کی جاتی لیکن بدقسمتی سے نوبت اب یہاں تک پہنچ چکی ہے۔
کہ سیاسی مصلحتوں کے لئے واضح شرعی حرمتوں کو سراسر غلط اور ناجائز طور پر
"ابدی" اور "غیر ابدی" حرمتوں میں تقسیم کرنے کی جسارت کی جا رہی ہے اور
جماعت کے جبری نظام میں اس کے خلاف آواز اٹھانے کی گنجائش بھی نہیں
چھوڑی گئی۔" (کتاب مذکور صفحہ ۱۱، ۱۲)

ناظرین غور فرمائیں کہ مودودی صاحب جو یہ اعلان فرماتے ہیں۔ کہ "میرا
طریقہ یہ ہے کہ بزرگان سلف کے خیالات اور کاموں پر بے لاگ تحقیقی اور تنقیدی
نگاہ ڈالتا ہوں اور جو کچھ ان میں حق پاتا ہوں اسے حق کہتا ہوں اور جس
چیز کو کتاب و سنت کے لحاظ سے یا "حکمت عملی" کے اعتبار سے درست نہیں پاتا
اس کو صاف صاف نادرست کہہ دیتا ہوں"۔ اس سے ان کی غرض یہ ہے
کہ وہ ملت اسلامیہ کے مسلمہ اصولوں سے آزاد ہو کر شتر بے مہار بن جائیں
اور اپنے جائز و ناجائز مقاصد کے تحت قرآن و حدیث کے مطالب اور واضح
احکام کو حسب ضرورت و منشاء ڈھال کر عوام کو یہ باور کرائیں کہ موجودہ
حالات کے پیش نظر قرآن و حدیث کا یہی حکم ہے بہ الفاظ دیگر قرآن و حدیث
میں تحریف کا حق اپنے لئے محفوظ کر لینا چاہتے ہیں۔ اور اسی تحریف و تبدیل
احکام کو وہ اپنی مخصوص اصطلاح میں "حکمت عملی" سے تعبیر کرتے ہیں اور
پھر ان کی یہ جسارت دیکھئے کہ اپنی اس حکمت عملی کے سامنے بزرگان
سلف کی قرآن و سنت کے لحاظ سے حق بات کی بھی کچھ پرواہ نہیں کرتے اور
ان کی حق بات کو بھی صاف صاف نادرست کہہ دیتے ہیں۔ اور پھر اپنے
من گھڑت اصول کے تحت محض سیاسی مصلحتوں کی خاطر واضح شرعی حرمتوں
کو "ابدی" اور "غیر ابدی" حرمتوں میں تقسیم کر کے حرام کو حلال کر لینے کا راستہ
نکال لیتے ہیں۔ جس کی شکایت بجا طور پر مولانا کوثر نیازی کر رہے ہیں۔
مودودی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں بعض امور وہ ہیں۔
جنہیں ہمیشہ کے لئے حرام قرار دیا گیا ہے اور بعض امور ایسے ہیں جنہیں
قرآن و حدیث میں اگرچہ واضح طور پر حرام قرار دیا گیا ہے مگر وہ ہمیشہ کے
لئے حرام نہیں بلکہ وقتی ضرورت، ذاتی و گروہی مصلحت اور اپنی "حکمت عملی"
کے مطابق حرام کو حلال ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ یہی وہ اصول ہے جس پر خوارج
اور روہابیہ عامل ہیں۔ مولانا کوثر نیازی صاحب مودودی کے نام اپنے
خط میں لکھتے ہیں "حرمتوں میں ابدی اور غیر ابدی کی یہ تقسیم مان لینے کے بعد
ہمارا موقف "منکرین حدیث" کے گمراہ کن نظریہ سے بھی زیادہ خطرناک ہو جاتا
ہے۔ منکرین حدیث کا نظریہ یہی تو ہے کہ وہ فقط قرآن میں بیان کردہ حرمتوں کو
ابدی مانتے ہیں حدیث کی حرمتیں ان کے نزدیک غیر ابدی ہیں۔ مگر ہم یہ کہہ کر
ان سے بھی دو قدم آگے بڑھ جاتے ہیں۔ کہ نہیں ساری حرمتیں قرآن کی بھی
ابدی نہیں۔ حرمتیں قرآن کی ہوں یا حدیث کی سب کی سب ابدی اور
غیر ابدی کے خانوں میں تقسیم ہیں"۔ پھر ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں "مجھے یوں محسوس
ہوتا ہے کہ جیسے یہ دروازہ کھول کر ہم نے تجدد پسندوں کو دین کی پامالی کا
اذن عام دے دیا ہے"۔ (کتاب مذکور صفحہ ۱۹، ۲۰)

کوثر نیازی صاحب مودودی صاحب کے نام اپنے خط میں بڑی صاف
گوئی سے لکھتے ہیں "محترم مولانا! اس وقت ہماری حالت یہ ہے کہ دوسری
بہت سی اصولی غلطیوں کے علاوہ ہم نے عورت کی صدارت کے مسئلہ میں
جو روش اختیار کی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی جو سزا ملے گی۔ اس کا مسئلہ
تو الگ ہے۔ اس دنیا میں بھی اندرون و بیرون ملک ہماری دینی حیثیت
ختم ہو چکی ہے اگر ہمیں صدر ایوب کی مخالفت کرنی ہی تھی اور محترمہ فاطمہ
جناح کا ساتھ دینا ہی تھا تو سیاسی اور جمہوری ضرورتوں کا اظہار کر کے ایسا

کیا جا سکتا تھا مگر اس کے لئے ہم نے غریب اسلام پر جو نوازش کی ہے اور حرمت سود کی آبادی اور غیر آبادی تقسیم کا جو نیا نظریہ پیش کیا ہے اس کے بعد دینی حلقے تو ایک طرف رہے دوسرے غیر جانبدار عناصر حتیٰ کہ اپوزیشن تک کے بعض نمایاں افراد ہمیں ابن الوقت اور سیاست کی خاطر دین میں ترمیم و تحریف کرنے والا تصور کرنے لگے ہیں۔" (کتاب مذکور صـ ۱۹) اور پھر اس کے بعد لکھتے ہیں" مجھے اس سے پیشتر آپ کے نظریۂ حکمت عملی کے ان خطرناک پہلوؤں کا اندازہ نہ تھا جماعت سے نکلنے والے بعض اکابر اس پر گرفت کرتے تھے تو میں اسے مخالفت اور تعصب پر محمول کرتا تھا۔ مگر صدارتی انتخاب میں پیش ہونے والے اس نئے نظریہ نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے اور میں یہاں تک سوچنے لگا ہوں کہ کیا آپ کا پہلا نظریہ حکمت عملی انہی مضمرات کا حامل تو نہ تھا؟ (کتاب مذکور) کوثر نیازی صاحب کے بیان کی روشنی میں

جماعت اسلامی | مودودی صاحب کی حکمت عملی کے تحت قلابازیاں | ملاحظہ فرمائیے۔

ایک زمانے میں الیکشن کو حرام سمجھتی تھی۔ مگر جب قیام پاکستان کے بعد پہلی مرتبہ اس نے الیکشن میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا تو مودودی صاحب نے فتوٰی دیا۔ کہ الیکشن میں اُمیدوار بن کر کھڑا ہونا حرام ہے، اور جو ایسا کرتا ہے۔ وہ بددیانت ہے۔" جماعت کے اہل علم نے ان سے اختلاف کیا اور انہیں سمجھایا کہ اس طرح تو بڑے بڑے انبیاء وصلحاء بھی اس فتوے کی زد میں آجائیں گے مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر سے خود یہ مطالبہ کیا تھا کہ مجھے مصر کے مالی معاملات کا انچارج بنا دیجئے میں امین ہوں۔ اسی طرح آخرت کے ساتھ دنیوی سربلندی کے لئے بھی صلحاء و اتقیاء کی دعائیں موجود ہیں۔ ان سے یہ بھی کہا گیا کہ حضرت علی مرتضےٰ بھی اُمیدوار خلافت تھے مگر ان سارے دلائل کے باوجود مودودی صاحب اپنے خود ساختہ نظریئے پر

قائم رہے اور انہوں نے جماعتی اُمیدوار کھڑا کرنے کے بجائے الیکشن میں حصہ لینے کے لئے ایک عجیب و غریب پنچایتی نظام قائم فرما دیا۔ الیکشن کا نتیجہ حسب توقع مایوس کن تھا ایک کے سوا کوئی بھی صالح نمائندہ منتخب نہ ہو سکا تو اگلے الیکشنوں کی تیاری شروع ہوئی تو مودودی صاحب کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اہل حق کا طریقہ یہ ہے۔ کہ ان پر غلطی واضح ہو جائے تو وہ کھلم کھلا اس سے رجوع کا اعلان کرتے ہیں۔ مگر امیر الصالحین نے یہ رستہ اختیار کرنے کے بجائے دین کے نام پر ایک اور خود ساختہ نظریہ ایجاد کر لیا۔ جسے ان کی زبان میں حکمت عملی کا نظریہ" کہتے ہیں۔ مودودی صاحب نے اس کی تشریح یہ فرمائی کہ ایک ہوتا ہے اُصول ایک ہوتا ہے مصلحت اور حکمت کا تقاضا۔ اسلامی تحریک کے قائد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اُصول اور حکمت عملی کے تصادم کی صورت میں اُصول کو پس پُشت ڈال دے اور اس کی جگہ اس بات کو قبول کرلے جو حکمت اور مصلحت کے تحت ضروری ہو۔ اس نئے نظریئے کی تائید میں دلیل اور سند کی بھی ضرورت تھی۔ اس مقصد کے لئے آپ نے خود سرکارِ رسالتمآب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو ملوث کر دیا۔ فرمایا کہ اس طرح کا کام خود پہلی اسلامی تحریک کے قائد (جناب رسول دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی کیا ہے۔ اُصول تو انہوں نے یہ دیا کہ مساوات ہونی چاہیئے کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں مگر جب خلافت کا مسئلہ سامنے آیا تو آپ نے اس عصبیت کے پیش نظر جو ابھی تک قریش کے لوگوں میں موجود تھی، حکمت اور مصلحت کی خاطر یہ فرما دیا کہ الائمۃ من القریش امام (یعنی خلفاء) قریش میں سے ہوں گے۔ اسی طرح ہر چند کہ اُمیدواری اسلام میں حرام ہے لیکن حکمت اور مصلحت کے تحت ہم اسے اپنا سکتے ہیں۔ اسلامی تحریک کے "قائد اوّل" نے ایسا کیا ہے تو آج کی اسلامی تحریک کا قائد ہونے کی حیثیت سے مجھے بھی اس کا حق حاصل ہے اس نظریئے کے ذریعے سے قرآن و

سُنّت میں جو تحریف کی گئی ہے حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دامن اقدس کو جس طرح داغدار کیا گیا ہے۔ غیر مسلموں کو آنحضور کی ذات گرامی پر اتہامات تراشنے کا جو موقعہ دیا گیا ہے اور الائمۃ من القریش کی یہ غلط تشریح پیش کر کے دین سے ناواقفیت کا جو ثبوت دیا گیا ہے۔ اس پر تو ہم تفصیل سے اپنی زیر طبع کتاب "سیاسی مذہب" میں روشنی ڈالیں گے۔ سر دست قارئین اتنا ہی اندازہ کر لیں کہ جماعت اسلامی کے امیر المومنین اپنی غلطیوں کے جواز کے لئے کس طرح قرآن و حدیث کے ساتھ کھیلنے سے بھی نہیں چوکتے۔"

(کتاب مذکور حاشیہ صفحہ ۲۱، ۲۲، ۲۳)

..یہی صاحب اسی کتاب کے صـ۲۴ حاشیہ پر مزید لکھتے ہیں "مودودی صاحب کئی دفعہ لکھ چکے ہیں کہ اسلام میں عورت کا بر سر اقتدار آنا تو ایک طرف رہا اُسے ووٹ دینے کا بھی حق نہیں۔ اس سلسلے میں جب انہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مثال دی گئی تو انہوں نے اُمّ المومنین پر بھی تنقید کرنے سے دریغ نہیں کیا لیکن چونکہ محترمہ فاطمہ جناح کی کامیابی کی قوی اُمید تھی اس لئے مودودی صاحب نے بھی ان کی مدد کر کے نئی کابینہ میں شامل ہونے کا پروگرام بنا لیا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اس کے لئے وہ اپنے پہلے مؤقّف کو غلط قرار دیتے یا پھر محترمہ کی تائید کے لئے سیاسی اور جمہوری دلائل پر اکتفا کرتے مگر انہوں نے اپنے پہلے مؤقّف کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اس موقعہ پر قرآنی تعلیمات میں جو تحریف کی اس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔"

اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۹، ۳۰، ۳۱ پر مودودی صاحب کے نام صاحب موصوف اپنے خط میں لکھتے ہیں "ہم نے ۱۹۴۹ء کی انتخابی پالیسی سے لے کر عورت کے مسئلہ صدارت تک ہر متضاد بات کے لئے جس طرح نصوص قرآن و حدیث کو پیش کیا ہے۔ اس کے بعد اس ملک میں کوئی ذی فہم آدمی ہماری پیش کردہ دینی اور اصلاحی دعوت پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں تضادات کا شکار ہوئے جانے کے سارے ادوار آپ سے بڑھ کر کس پر روشن ہوں گے۔ پہلے ہم نے اُمیدواری کو حرام قرار دیا۔ اس کے لئے صحابہ تک کی کسی جلیل القدر شخصیّت میں اُمیدواری کا کوئی پہلو ہمارے سامنے پیش کیا گیا تو ہم نے اپنی اجتہادی رائے کو نص کا درجہ دے کر اُس پر تنقید کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا مگر اب ہم اپوزیشن کے ساتھ مل کر اُمیدواروں سے خود درخواستیں طلب کر رہے ہیں۔ ہم نے کہا کہ صالح نمائندہ پنچائتی سسٹم سے آئے جس جماعت یا گروہ سے بھی تعلق رکھتا ہو۔ پھر ہم نے صالح نمائندوں کو جماعت کے دائرے میں مخصوص کر دیا۔ پہلے ہم پارٹی ٹکٹ کو لعنت کہتے تھے۔ اب محاذ کے ساتھ شریک ہو کر "غیر صالحین" کو بھی ٹکٹ بانٹ رہے ہیں۔ ہم نوٹ پر قائد اعظم کی تصویر چھاپنے پر سخت برہم تھے۔ صدارتی انتخاب میں ہمارے کارکنوں نے ان کی بہن کے تصویری ووچر گلی گلی فروخت کئے۔ پہلے ہم نے صدارتی سے بھی بڑھ کر امارتی تصوّر پیش کیا تھا۔ اب ہم پارلیمانی نظام جمہوریت کو اسلامی قرار دیتے ہیں۔ پہلے ہم اسمبلیوں میں اراکین کی الگ پارٹیاں بنانے کو غیر اسلامی قرار دیتے تھے بعد میں ہم نے خود اس پر عمل کیا۔ پہلے ہم مخلوط جلسوں میں شریک نہیں ہوتے تھے اب مخلوط جلسوں کی صدارت کرتے اور ان میں تقریریں کرتے ہیں۔ پہلے ہم علماء کے اتحاد کی کوشش کرتے اور موجودہ پارٹیوں کو ساتھ ملانا غلط سمجھتے تھے۔ اب علماء کے اتحاد سے بے نیاز اور سیاسی پارٹیوں کے اتحاد کو مضبوط کرنا تقاضائے اسلام سمجھتے ہیں۔ پہلے ہم خواتین کو ووٹ کا حق دینے میں راضی نہ تھے اب ان کی صدارت تک کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ پہلے ہم اپوا کے زبردست ناقد تھے۔ اب انہی کا ایک حصّہ متحدہ حزب اختلاف کی خواتین کمیٹی کی صورت میں منظّم ہوا ہے تو ہمارے اکابرین کی بیگمات ان کے جلسوں سے خطاب فرماتی ہیں پہلے ہم طلباء کو عملی سیاست میں حصّہ لینے سے روکتے تھے۔ اب ان سے عملی سیاست میں شریک ہونے کی

اپیلیں کرتے ہیں۔ پہلے ہم جلسوں اور نعروں کو غیر اسلامی کہتے تھے۔ اب غلاف کعبہ تک کے جلوس نکالتے اور اپنے راہنماؤں کے لئے زندہ باد کے نعرے لگاتے ہیں۔ پہلے ہم ان انسانی (غیر اسلامی) قوانین پر چلنے والی عدالتوں میں مقدمات لے جانا بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے۔ اب انہی عدالتوں کو ہم عدل و انصاف کا محافظ قرار دیتے ہیں۔ پہلے ہم وکیلوں کو شیطانی برادری کا رکن سمجھتے تھے۔ اب انہی کو جمہوریت کا سرپرست کہتے ہیں۔ میں یہ عرض نہیں کرنا چاہتا کہ ہماری ان باتوں میں سے کونسی بات صحیح تھی اور کونسی غلط۔ یہ تو مشتے نمونہ از خروارے ہے۔ اور یقین مانئے انتہائی دکھ کے ساتھ میں نے جماعتی تاریخ کی طرف اشارے کئے ہیں۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب اتنے واضح تضادات کو وقت کی گردش کے ساتھ ساتھ ہم اسلامی اور دینی سمجھ کر چھوڑتے اور اختیار کرتے رہے ہیں۔ تو اب ترک و اختیار کے ان مظاہروں کے بعد اپنے ارکان کے سوا کون ہمارے دینی فکر پر بھروسہ کرے گا۔"

مودودی صاحب کی حکمت عملی کے ساتھ دیانت و امانت بھی بلدیہ بدل گئے

اسی کتاب کے صفحہ ۳۸ پر کوثر نیازی صاحب جماعت اسلامی کے "صالحین" کے اندرونی حالات سے پردہ اٹھاتے ہوئے لکھتے ہیں "باہمی عداوتیں ترقی پر ہیں۔ لین دین کے معاملات میں کارکن تو ایک طرف رہے ہمارے راہنما تک افسوسناک کردار رکھتے ہیں۔ امانتیں ضائع ہو رہی ہیں۔ عشر اور زکوٰۃ کی رقوم خالص سیاسی اور انتخابی مہمات اور ہمہ وقتی کارکنوں کی تنخواہوں پر صرف کی جا رہی ہیں۔ رائج الوقت سیاسی بحثیں اتنی مرغوب ہو چکی ہیں کہ ہماری مجالس میں خدا اور رسول کا تذکرہ بھی برائے بیت رہ گیا ہے۔ عبادات میں ہم سخت تساہل کا شکار ہیں اور شاید یہ بھی ہمارے لٹریچر کا غیر شعوری اثر ہے جس میں عبادات کو بس مقصود کے لئے ذریعہ اور وسیلہ قرار دیا گیا ہے۔" اور پھر اسی کتاب کے صفحہ ۴۵ پر ہے "ظاہر ہے جب

تک میں کلیتہً مایوس نہ ہو جاتا اور یقین نہ کر لیتا کہ دوسرے حضرات کے ساتھ ساتھ جماعت کو اس غارِ ہلاکت میں دھکیلنے کے خود آپ بھی پوری طرح ذمہ دار ہیں میں اس آخری اقدام کے لئے تیار نہ ہو سکتا تھا اور اب جبکہ یہ حقیقت عُریاں صورت میں میرے سامنے ہے۔ میں ایک لمحہ کی تاخیر کئے بغیر اس فرض سے عہدہ برا ہو رہا ہوں۔" اور صفحہ ۴۶ پر ہے "اب اگر میں اپنے سترہ سالہ تجربات کی بناء پر اس آخری فیصلے پر پہنچ چکا ہوں کہ جماعت فکری و عملی دونوں پہلوؤں سے صراطِ مستقیم سے بھٹک چکی ہے۔ اور اس فیصلے کا اظہار ہی اس لئے لوگوں کے سامنے کروں کہ جن ہزاروں افراد کو میں نے جماعت سے متعارف کرایا۔ کم از کم ان کے سامنے بری الذمہ ہو جاؤں تو میرا یہ طرز عمل کیوں لِلّٰہ و فی اللہ اور حقیقی بہی خواہی پر مبنی نہیں ہو گا۔"

مودودی صاحب جو پوری اُمت میں "ہمچوں من دگرے نیست" کے زعم فاسد میں گرفتار رہیں اور خود کو "اَنَا وَلَا غَیْرِی" کے مقام پر سمجھتے ہوئے علمائے دین، مفتیانِ شرع متین اور مشائخ عظام کو گمراہ اور جہالت کی پیداوار کہتے ہیں۔ نیز مفسرین قرآن، محدثین و شارحین حدیث اور ائمہ مجتہدین جملہ سلف صالحین کے خیالات اور کاموں پر بے لاگ تحقیقی اور تنقیدی نگاہ ڈالتے ہیں حتیٰ کہ آسمان ہدایت کے ستاروں صحابہ کرام اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم تک کو نہیں بخشتے۔ خود ان کا اور ان کے تنخواہ دار صالحین کا جو حال ہے وہ امیر الصالحین مودودی کی تحریروں اور ان کے گھر کے بھیدی مولانا کوثر نیازی کے مندرجہ بالا بیانات سے اظہر من الشمس ہے۔ کیا کوئی صحیح الدماغ شخص دیانت داری کے ساتھ انہیں "صالحین" تسلیم کر سکتا ہے؟ بس فکر و عمل اور کردار کے لحاظ سے تو یہ لوگ معیار شرافت اور مقام انسانیت پر بھی پورے نہیں اترتے! مودودی گروہ کا شیوہ یہ ہے کہ اگر کوئی واقف حال شخص پوری دیانت داری کے ساتھ نیم ملا و نیم مسٹر مودودی صاحب کے خیالات اور

کاموں پر بے لاگ تحقیقی اور تنقیدی نگاہ ڈالے اور اُن کی فاش غلطیوں اور لغزشوں کی نشاندہی کرے اور ان کے جہل مرکب کو نادرست کہدے تو وہ خود اور ان کی پوری جماعت کے صالحین سیخ پا ہو جاتے ہیں۔ اس شخص کے خلاف ان کا پریس فوراً حرکت میں آجاتا ہے۔ اسے پوری قوت کے ساتھ ملفوف و غیر ملفوف گالیوں سے نوازا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ مودودی صاحب پر حرف گیری اور جائز تنقید کرنے والے کے خلاف منظم تحریک کی سی صورت حال برپا کر دی جاتی ہے۔ اور آسمان سر پر اٹھا لیا جاتا ہے۔ آخر اس کا کیا مطلب ہے؟ جب یہ نام نہاد صالحین اور امیر الصالحین اپنے دستور کے مطابق خلفائے راشدین تک کو معیار حق نہیں مانتے اور ان پر تنقید کو جائز قرار دیتے ہیں جن کے مقام و مرتبہ کے سامنے ایک مودودی تو کیا کروڑوں مودودی ذرّہ بھر حیثیت نہیں رکھتے۔ جن کی شان میں محبوب خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین۔ تم پر میری اور میرے خلفاء راشدین کی اتباع فرض ہے۔

تو آخر مودودی صاحب کے سر پر کونسے سرخاب کے پر لگے ہیں کہ ان پر کسی قسم کی تنقید ناقابل برداشت ہے! ؎ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

اپنے استعفےٰ میں جناب کوثر نیازی صاحب مودودی صاحب کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں "مولانا مکرم! یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو آپ تجدید و احیائے دین کا کام کرنے کے لئے اولین ضرورت یہ محسوس فرماتے ہیں کہ صدیوں پہلے فوت ہونے والے اُن نفوس قدسیہ پر شدید ترین تنقید کریں جو تقویٰ، للّٰہیت، اخلاص اور دین کے لئے ایثار کرنے میں ضرب المثل ہوں اور پھر اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے آپ مستقل تصانیف شائع فرمائیں لیکن اگر کوئی شخص دیانت داری سے مسلسل تجربات و شواہد کے بعد آپ کے بارے میں یہ رائے قائم کرے کہ آپ کا طرز عمل غلط، دین کے خلاف یا مسلمانوں کے لئے گمراہ کن ہے اور وہ اپنی اس

رائے کو باقاعدہ دلائل کے ساتھ پیش کرے تو آپ اس شخص کے بارے میں یہ فتویٰ صادر فرما دیں کہ یہ اخلاص اور للّٰہیت سے محروم ہو چکا ہے اور بعض دوسرے محرکات کے تحت یہ کام کر رہا ہے"۔

(میں نے جماعت اسلامی کیوں چھوڑی ص۴۶)

امیر جماعت اسلامی اور اس کے اراکین کے مندرجہ بالا حالات سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ ان نام نہاد صالحین کے نزدیک 'اُصول' پر قائم رہنا کوئی معنے نہیں رکھتا۔ اُن کی نظر میں احکام قرآن و سنت بھی مستقل حیثیت نہیں رکھتے۔ ان کا اصل مقصد تجدید و احیائے دین کی آڑ میں اسلامی نظام کا نعرہ لگا کر بہر صورت برسر اقتدار آنا ہے۔ لہٰذا اس مقصد کے حصول کی خاطر اپنی 'حکمت عملی' کے تحت حسب ضرورت اُصول بدلتے رہنا اور احکام قرآن و سنت کو توڑتے مروڑتے رہنا ان کے مسلک میں نہ صرف صحیح بلکہ ضروری ہے چنانچہ اپنی اسی 'حکمت عملی' کے تحت کچھ عرصہ سے تحریک پاکستان کے سلسلہ میں یہ صالحین اپنی خدمات کا چرچا کرنے لگے ہیں۔ شاید یہ لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہوں کہ چوتھائی صدی گزر جانے کے باعث عوام ان کے سابقہ کردار کو فراموش کر چکے ہوں گے اور اب ان کا داؤ چل جائے گا اور اگر اور کچھ نہیں تو کم از کم قوم کے نوجوان تو ان کے پروپیگنڈہ سے متأثر ہو ہی سکتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان کے اس پروپیگنڈہ کا پوسٹ مارٹم بھی کر دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ مودودی صاحب اور ان کی جماعت کا جدّ و جہد آزادی اور تحریک پاکستان میں قطعاً کچھ بھی حصّہ نہیں ہے بلکہ ناظرین شاید یہ جان کر تعجب کریں گے کہ

مودودی صاحب نہ صرف یہ کہ قیام پاکستان کے خلاف تھے بلکہ سرے سے آزادی کے ہی مخالف تھے:۔

جس وقت ہندو کانگریس اور مسلم لیگ دونوں بڑی جماعتیں حصول آزادی کے لئے سرگرم عمل تھیں۔ پاک و ہند کے

عوام برٹش گورنمنٹ کے تسلّط سے آزادی کے لئے بڑی سے بڑی قربانیاں پیش کر رہے تھے اس وقت مودودی صاحب تحریک آزادی میں کوئی حصّہ لینے کے بجائے تحریک آزادی کے خلاف سرگرم عمل تھے۔ اس وقت بھی صاحب موصوف اپنی حکمت عملی کے تحت یہ منطق بگھار رہے تھے کہ انگریزوں کو ملک سے نکال دینے کی کیا ضرورت ہے۔ ذرا صبر سے کام لو۔ اپنی تحریک آزادی کو روک دو۔ تو ہم رفتہ رفتہ انگریزوں کو اپنا لٹریچر پڑھا کر اور انہیں سمجھا بجھا کر اسلام قبول کر لینے پر رضامند کر لیں گے۔ اور اس طرح ہم پورے ہندوستان پر مسلّط برٹش گورنمنٹ کو مشرّف بہ اسلام کر کے انگریزوں ہی کے ہاتھوں نظام اسلامی قائم کرا دیں گے۔ درپردہ مودودی صاحب اس منطق کے ذریعہ ملک پر انگریزی راج کو تاقیامت مسلّط رکھنے کی فکر میں تھے اور آزادی کی جدّ و جہد کرنے والے مسلمانوں اور ان کے راہنماؤں کو کوس رہے تھے لیجئے آپ بھی ان کی یہ عجیب و غریب منطق ملاحظہ فرمائیں۔ اور لطف اٹھائیں "پھر یہ انگریز اور ہندوستانی کے درمیان قومی و وطنی عداوت اور تعصّب کی آگ بھڑکانے میں حصّہ لیتے ہیں۔ حالانکہ اسلام کی دعوت قیام کے راستے میں یہ رکاوٹ ہے۔ اسلام کی نگاہ میں انگریز اور ہندوستانی دونوں انسان ہیں۔ وہ دونوں کو یکساں اپنی دعوت کا مخاطب بناتا ہے اس کا جھگڑا انگریز سے اس بات پر نہیں ہے۔ کہ وہ ایک ملک کا باشندہ ہو کر دوسرے ملک پر حکومت کیوں کرتا ہے بلکہ اس بات پر ہے کہ وہ خدا کی حاکمیت اور اس کے قانون کی اطاعت کیوں تسلیم نہیں کرتا۔ بعینہٖ اسی بات پر اس کا جھگڑا ہندوستانی سے بھی ہے وہ دونوں کو ایک ہی بات کی طرف بلاتا ہے ایک کا حامی بن کر دوسرے سے لڑنا اس کی حیثیت کے منافی ہے۔ کیونکہ اگر وہ ہندوستانی اور انگریز کے وطنی و قومی جھگڑے میں ایک کا طرفدار اور دوسرے کا مخالف بن جائے۔ تو انگریز کے دل کا دروازہ اس کی دعوت کے لئے بند ہو جائے گا۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جو لوگ ایک طرف اسلام کے داعی بنتے ہیں اور دوسری طرف اس وطنی اور

قومی جھگڑے میں فریق بھی بنتے ہیں وہ دراصل اسلام کے مفاد کو ہندوستانیت کے مفاد پر قربان کرتے ہیں"۔ (مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش ج ۳ ص ۱۶۲، ۱۶۳)

مودودی صاحب کا کمال یہ ہے کہ خواہ کتنی ہی نامعقول بات کیوں نہ کہیں مگر کہتے ضرور اسلام کے نام پر ہی ہیں۔ نیز ان سے بڑھ کر کمال تو ان کی حکمت عملی کا ہے کہ مداری کے جھرلو کی مانند کچھ کا کچھ بنا دے۔ تاہم ان کی حکمت عملی رہتی اسلام کے مفاد میں ہی ہے یہ بات دوسری ہے کہ مودودی صاحب کی اسلام کے مفاد سے مراد حقیقتاً ذاتی یا گروہی مفاد ہوتا ہے۔ بہر حال اگر کوئی شخص ان کے مندرجہ بالا ارشاد سے ان کے مافی الضمیر کو سمجھنے سے قاصر ہو، تو انہی کا مندرجہ ذیل فرمان دیکھ لے "مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے نزدیک یہ امر بھی کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا کہ ہندوستان کو انگریزی امپیریلزم سے آزاد کرایا جائے"۔ (کتاب مذکور ص ۱۲۷) اور اگر پھر بھی کسی قسم کا کوئی شک باقی رہ گیا ہو تو انہی کا یہ تیسرا اعلان حاضر ہے "مسلم لیگ، احرار، خاکسار اور جمعیۃ العلماء اور آزاد کانفرنس سب کی اس وقت کی تمام کارروائیاں حرف باطل کی طرح محو کر دینے کے لائق ٹھہرتی ہیں۔ نہ ہم قومی اقلیت ہیں نہ آبادی کے فیصد تناسب پر ہمارے وزن کا انحصار ہے نہ ہندوؤں سے ہمارا کوئی قومی جھگڑا ہے نہ انگریزوں سے وطنیت کی بنیاد پر ہماری لڑائی ہے نہ ان ریاستوں سے ہمارا کوئی رشتہ ہے جہاں نام نہاد مسلمان خدا بنے بیٹھے ہیں۔ نہ اقلیت کے تحفّظ کی ہمیں ضرورت ہے۔ نہ اکثریت کی بنیاد پر ہمیں قومی حکومت مطلوب ہے"۔ (کتاب مذکور ص ۹) اگر اس پر بھی کوئی متعصّب یا کور فہم اس نام نہاد مفکّر اسلام مودودی کو مجاہد آزادی سمجھے تو پھر اس سے خدا سمجھے۔

بہر حال جب مودودی صاحب کی اس نرالی منطق کو قوم نے لائق توجّہ نہ سمجھ کر تحریک آزادی کو تیز تر کر دیا اور ملک کے گوشہ گوشہ میں مسلم لیگ زندہ باد۔ قائد اعظم زندہ باد اور لے کے رہیں گے پاکستان۔ بن کے رہے گا پاکستان کے نعرے

گونجنے لگے تو آزادی کی راہ میں روڑے اٹکانے والے یہی مودودی صاحب اس
بات پر جل بھُن گئے۔ کہ ان کے ہوتے ہوئے قوم نے محمدؐ علی جناح کو قومی قیادت کا
تاج پہنا کر اپنا قائداعظم کیوں بنا لیا۔ بس پھر کیا تھا فوراً پینترا بدل کر اپنی
حکمتِ عملی کی تمام تر قوت کے ساتھ مسلم لیگ اور قائداعظم پر حملہ آور ہو گئے۔
اور مسلم لیگ۔ قائداعظم اور پاکستان کے خلاف بے بنیاد اتہامات و الزامات
کے بم برسانے شروع کر دئے۔

مُسلم لیگ، قائداعظم اور پاکستان کے خلاف مودُودی صاحب کے رکیک حملے

:۔ نیم مُلّا و نیم مسٹر مودُودی صاحب جو خود فریبی میں مبتلا ہونے
کی وجہ سے اپنے آپ کو نہ صرف یہ کہ جملہ علمائے زمانہ سے بڑا عالم و فاضل، محدّث،
مفسّر، مجدد یا مجتہد تک کو اپنا ہم پلّہ و ہمسر ماننے کو تیار نہ تھے اپنی انشا پردازی
کے زعم میں تا حدّ یقین سمجھ بیٹھے تھے کہ اگر پُوری دُنیا کے نہیں تو کم اَز کم ہندوستان
کے مسلمان تو ضرور ہی میری سحر انگیز تحریروں سے مسحُور ہو چکے ہوں گے۔ اس لئے
وہ میرے سوا کسی دوسرے شخص کی قیادت کو قبول نہیں کریں گے۔ لیکن جب
ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ملک بھر میں مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کی
حیثیت سے عام مقبولیت حاصل کر گئی اور قوم نے محمدؐ علی جناح کو قائداعظم تسلیم
کر لیا تو مودُودی صاحب اپنا سا مُنہ لے کر رہ گئے۔ کہ انہیں تو کسی نے پُوچھا تک
بھی نہیں تو آتشِ حسد سے بھڑک اُٹھے اور جوشِ رقابت میں بے قابُو ہو کر تحریک
پاکستان اور قائدین تحریک کے خلاف ایسی تحریریں لکھنا شروع کر دیں۔ جو
اسلامی اخلاق تو بڑی چیز ہے عام شرافت کے معیار سے بھی گری ہوئی تھیں۔ چند
نمونے ملاحظہ فرمائیے :۔

۱ ”مَیں دیکھ رہا ہُوں کہ ہندوستان میں اس سے پہلے کبھی عام مسلمانوں کا اعتماد
علمائے دین سے ہٹ کر اس شدّت کے ساتھ غیر دیندار اور ناواقفِ دین راہنماؤں

پر نہیں جما تھا۔ میرے نزدیک یہ صُورتِ حال اسلام کے لئے وطنی قومیت کی
تحریک سے کچھ کم خطرناک نہیں ہے اگر ہندوستان کے مسلمانوں نے دین سے
بے بہرہ لوگوں کی قیادت میں ایک بے دین قوم کی حیثیت سے اپنا علیحدہ وجُود
برقرار رکھا بھی جیسا کہ ٹرکی اور ایران میں برقرار رکھے ہوئے ہیں تو ان کے
اس طرح زندہ رہنے میں اور کسی غیر مسلم قومیّت کے اندر فنا ہو جانے میں
آخر فرق ہی کیا ہے“۔ (سیاسی کشمکش صـ۱۳۲)

۲ ”مسلمانوں کے راہنما بھی صرف وُہی لوگ ہو سکتے ہیں۔ جو سب سے
پہلے اسلامی تحریک کے مقصد و اُصول اور طریق کار کو جانتے ہوں۔ باقی
رہے وہ لوگ جو سرے سے اسلام کا علم ہی نہ رکھتے ہوں یا ناقص علم کی بنا
پر اسلام اور جاہلیت کو خلط ملط کرتے ہوں اور پھر تقویٰ اور دیانت کی
کم سے کم ضروری شرائط سے بھی عاری ہوں تو ایسے لوگوں کو محض اس لئے
مسلمانوں کی قیادت کا اہل قرار دینا کہ وہ مغربی سیاست کے ماہر یا مغربی
طرزِ تنظیم کے اُستادِ فن ہیں۔ اور اپنی قوم کے عشق میں ڈوبے ہُوئے ہیں۔
سراسر اسلام سے جہالت اور غیر اسلامی ذہنیت ہے“۔ (کتاب مذکور صـ۹۴)

۳ ”شمال سے جنُوب تک ہندوستان کے مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لے
لیجئے۔ ہر جگہ آپ کو یہی نظر آئے گا۔ کہ ایک نہ ایک شیطان اس قوم کی جان
کا لاگو بنا ہُوا ہے اور پُوری مستعدی کے ساتھ اپنے کام میں منہمک ہے جہاں
مسلمانوں میں مذہب کے ساتھ ابھی دلچسپی باقی ہے وہاں یہ شیاطین مذہبیت
کا جامہ پہن کر آتے ہیں اور دین کے نام سے ان مسائل پر بحثیں چھیڑتے ہیں۔
اور نزاعیں برپا کراتے ہیں بلکہ بسا اوقات سر پھٹول تک نوبت پہنچا دیتے ہیں۔
جن کی دین میں کوئی اہمیّت نہیں ہوتی۔ اس طرح مسلمانوں کا سارا مذہبی
جوش ان کی اپنی تخریب میں صرف ہو جاتا ہے۔ اور جہاں مذہب کی طرف سے
کچھ سرد مہری پیدا ہو گئی ہے وہاں کچھ دوسری قسم کے شیاطین نمودار ہوتے ہیں۔

اور وُہ دنیوی ترقّی وخوشحالی کا سبز باغ دکھا کر مسلمانوں کو ایسی تحریکوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ جو اپنے مقاصد وطریق کار کے لحاظ سے قطعاً غیر اسلامی ہیں۔" (سیاسی کشمکش ص۷۷)

۴۔ "افسوس کہ لیگ کے قائداعظم سے لے کر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرز فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہو۔ یہ لوگ مسلمان کے معنیٰ ومفہوم اور اس کی مخصوص حیثیت کو بالکل نہیں جانتے۔" (ترجمان القرآن۔ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ ص۶۶)

۵۔ مودُودی صاحب قائداعظم اور لیگی راہنماؤں کے متعلق لکھتے ہیں۔ "ایک طرف انسانیت کی نسلی، قومی اور وطنی تقسیم کا ابطال اور دُوسری طرف ہر وقت قوم قوم کا شور اور خود قومیّت ہی کے اُصولوں پر دُوسری قوموں سے جدال وکشمکش اور ایک طرف بے غرضانہ حق پرستی اور دوسری طرف شب وروز اپنے دنیوی مفاد کا نوحہ وماتم۔ ایک طرف اسلامی تہذیب وتمدّن پر فخر وناز اور اس کی حفاظت کے لئے پُرشور لام بندی اور دُوسری طرف اسی تہذیب وتمدّن کے باغیوں اور قاتلوں کی سرداری وپیشوائی۔" (سیاسی کشمکش ص۱۷۱)

یعنی مسلمانوں نے اسلامی تہذیب وتمدّن کے باغی اور قاتل قائداعظم اور لیگی رہنماؤں کو اپنا سردار اور پیشوا بنالیا ہے۔ مودُودی صاحب کا اصل رونا تو یہی ہے کہ قوم نے قائداعظم محمّد علی جناح کی جگہ انہیں اپنا سردار اور قومی راہنما کیوں نہیں بنایا۔ لیکن تعجّب اس بات پر ہے۔ کہ مودُودی صاحب اپنے گریبان میں جھانک کر کیوں نہیں دیکھتے۔

۶۔ "پس جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں۔ کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلّط سے آزاد ہوجائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہوجائے تو اس طرح حکومت الٰہیّ قائم ہوجائے گی۔ ان کا گمان غلط ہے۔ دراصل اس کے نتیجے میں جو کچھ حاصل ہوگا۔ وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔ اس کا نام حکومت

الٰہی رکھنا اس پاک نام کو ذلیل کرنا ہے۔" (کتاب مذکور ص۱۷۵) مودُودی صاحب کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں نے قائداعظم کو چھوڑ کر مجھے قومی سردار نہیں بنایا تو پھر پاکستان بنانے کا کیا فائدہ۔ اس صُورت میں مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ پاکستان حاصل کرنے کے بجائے اکھنڈ بھارت میں رہتے ہوئے ہندؤں کی دائمی غلامی قبول کرلیں۔

۷۔ "جنّت الحمقاء میں رہنے والے لوگ اپنے خوابوں میں کتنے ہی سبز باغ دیکھ رہے ہوں لیکن آزاد پاکستان (اگر فی الواقع وہ بنا بھی تو) لازماً جمہوری لادینی اسٹیٹ کے نظریہ پر بنے گا۔" (ترجمان القرآن۔ فروری ۱۹۴۶ء ص۱۵۴)

مودُودی صاحب اس وقت تک بھی اکھنڈ بھارت کے خواب دیکھ رہے تھے اور انہیں قیام پاکستان کا یقین نہ تھا۔

۸۔ "جب میں مسلم لیگ کے ریزولیشن (قرارداد پاکستان) کو دیکھتا ہُوں تو میری رُوح بھی بے اختیار ماتم کرنے لگتی ہے۔" (سیاسی کشمکش ص۳۷)

۹۔ "اس نام نہاد مسلم حکومت (پاکستان) کے انتظار میں اپنا وقت یا اس کے قیام کی کوشش میں اپنی قوّت ضائع کرنے کی حماقت آخر ہم کیوں کریں جس کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ وہ ہمارے مقاصد کے لئے نہ صرف غیر مفید ہوگی۔ بلکہ کچھ زیادہ ہی سدّ راہ ہوگی۔" (سیاسی کشمکش ص۱۳۸ حصّہ سوم)

۱۰۔ "رہا باقی نظام حکومت وہ پاکستان میں بھی ویسا ہی ہوگا جیسا ہندوستان میں ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ مسلمانوں کی کافرانہ اسلامی حکومت اسلامی نقطۂ نظر سے غیر مسلموں کی کافرانہ حکومت کے مقابلہ میں کچھ بھی قابل ترجیح نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ قابل لعنت ہے۔" (کتاب مذکور ص۱۳۱ حاشیہ)

الغرض۔ مودُودی صاحب نے اسلامیان ہند کو مسلم لیگ۔ تحریک پاکستان اور قائداعظم سے متنفّر کرنے کی خاطر اپنی تمام تر صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کردیں اس سلسلہ میں بھی ان کی ہفوات اس قدر ہیں۔ کہ اگر انہیں جمع کیا جائے

تو ایک بسوط دفتر تیار ہو جائے اور چونکہ مجھے تو ان کے خیالات اور طرز عمل کا نمونہ دکھانا تھا لہٰذا اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ تاہم اس وقت جبکہ حالات یکسر بدل چکے ہیں جماعت اسلامی اور اس کے پیشوا مودودی صاحب اپنی "حکمت عملی" کے تحت مسلم عوام اور خصوصاً قوم کے نوجوان طلباء کا تعاون حاصل کرنے کی خاطر تحریک پاکستان اور نظریۂ پاکستان کا سہرا اپنے سر باندھنے کی کوشش کرنے لگے ہیں چنانچہ میاں محمد طفیل صاحب اب دعویٰ کرتے ہیں کہ اس باب میں مودودی صاحب کی خدمات دوسرے تمام راہنماؤں کی خدمات پر بھاری ہیں۔ یہاں تک کہ خود مودودی صاحب نے یہ چیلنج بھی دے دیا ہے کہ کسی میں ہمت ہے تو ثابت کرے کہ میں نے کبھی بھی تحریک پاکستان کی مخالفت کی ہے، اگرچہ ان کی پاکستان دشمنی اظہر من الشمس ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اس صریح جھوٹ کی قلعی کھولنے کے لئے

جماعت اسلامی کی پاکستان دشمنی کے ثبوت میں ہائیکورٹ کا فیصلہ

پیش خدمت کر دیا جائے۔ واضح رہے کہ عدالت عالیہ نے یہ فیصلہ اپریل سنہ ۱۹۵۴ء میں سنایا تھا مگر جماعت اسلامی کو ابتک اس کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کرنے کی جرأت نہیں ہو سکی ہے۔ عدالت عالیہ کا یہ بنچ، چیف جسٹس مسٹر محمد منیر اور مسٹر جسٹس ایم۔ آر کیانی پر مشتمل تھا فاضل ججوں نے اپنے فیصلہ میں لکھا "جماعت مسلم لیگ کے تصور پاکستان کی علی الاعلان مخالف تھی اور جب سے پاکستان قائم ہوا ہے جس کو نا پاکستان کہہ کر یاد کیا جاتا ہے۔ یہ جماعت موجودہ نظام حکومت اور اس کے چلانے والوں کی مخالفت کر رہی ہے۔ ہمارے سامنے جماعت کی جو تحریریں پیش کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک بھی نہیں جس میں مطالبۂ پاکستان کی حمایت کا بعید سا اشارہ بھی موجود ہو۔ اس کے برعکس یہ تحریریں جن میں کئی ممکن مفروضے بھی شامل ہیں تمام کی تمام اس شکل کی مخالف ہیں جس میں پاکستان

وجود میں آیا اور جس میں اب تک موجود ہے۔" (رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص۲۶۱)

قادیانی مرزائی

مرزا غلام احمد قادیانی جھوٹے اور بناوٹی نبی کے دعوائے نبوت کو صحیح ماننے والوں کو عرف عام میں قادیانی یا مرزائی کہتے ہیں۔ مگر مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی ماننے والے خود کو احمدی کہتے ہیں۔ قرآن و حدیث کی نصوص قطعیہ کی رو سے خاتم النبیین سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر مدعی نبوت جھوٹا۔ کذاب اور کافر مرتد ہے اور دائرۂ اسلام سے قطعاً خارج ہے اور اس کے ماننے والے بھی اسی کی طرح کافر۔ مرتد اور دائرۂ اسلام سے قطعاً خارج ہیں۔ اور اس امر پر اجماع امت قائم ہے۔

مرزائیوں کا مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت پر اس قدر پختہ ایمان ہے۔ کہ وہ ان تمام مسلمانوں کو جو مدعی نبوت مرزا غلام احمد کو اس کے دعویٰ میں جھوٹا جانتے اور اسے نبی تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔ ان کے فتاویٰ ملاحظہ فرمائیے" ہمارا یہ فرض ہے۔ کہ غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی (یعنی مرزا غلام احمد) کے منکر ہیں۔ یہ دین کا معاملہ ہے اس میں کسی کا اپنا اختیار نہیں جو کچھ کر سکے"۔ (انوار خلافت ص۹ مصنفہ مرزا محمود احمد خلیفہ قادیان) مرزائیوں کے مفتیٔ اعظم نے ایک سوال۔ کیا کسی شخص کی وفات پر جو سلسلہ احمدیہ میں شامل نہ ہو۔ یہ کہنا جائز ہے۔ کہ خدا مرحوم کو جنت نصیب کرے اور مغفرت کرے"۔ کے جواب میں کہا۔ غیر احمدیوں کا کفر بینات سے ثابت ہے اور کفار کے لئے دعائے مغفرت جائز نہیں"۔ (الفضل جلد ۸ - ۵۹) نیز ملاحظہ فرمائیے"۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ غیر مبایع (لاہوری مرزائی) کہتے ہیں کہ غیر احمدی کے بچے کا جنازہ کیوں نہ پڑھا جائے وہ تو معصوم ہوتا ہے اور کیا ممکن نہیں کہ وہ بچہ جوان ہو کر احمدی ہوتا۔

اس کے متعلق امیر المومنین حضرت مصلح موعود نے فرمایا "جس طرح عیسائی بچّہ کا جنازہ نہیں پڑھا جا سکتا۔ اگرچہ وہ معصوم ہی ہوتا ہے اسی طرح ایک غیر احمدی کے بچّہ کا بھی جنازہ نہیں پڑھا جا سکتا"۔ (ڈائری حضرت مصلح موعود مندرجہ الفضل قادیان جلد ۱۰-۳۲)

اگرچہ اُمّت مرزائیہ مسلمانوں کے فرقوں میں سے ایک فرقہ نہیں بلکہ یہ لوگ مسلمانوں کے تمام فرقوں سے خارج اور بالکل الگ ایک علیحدہ غیر مسلم قوم کی حیثیّت رکھتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے اس کتاب میں ان کا ذکر نہیں ہونا چاہیئے تھا مگر چونکہ بد قسمتی سے سرکاری طور پر انہیں آج تک غیر مسلم اقلیّت قرار نہیں دیا گیا۔ اور مرزائی بھی اپنے مخصوص مقاصد اور مفادات کے تحت بہ ظاہر مسلمانوں میں شامل رہنا چاہتے ہیں۔ اس لئے مجبوراً ان کا تذکرہ بھی کرنا پڑ رہا ہے تاکہ مسلم عوام مسلم سیاسی رہنما اور ارباب حکومت ان کے ناپاک عزائم سے خبردار اور ہُشیار رہیں۔ مرزائیوں کی جانب سے زیادہ محتاط اور چوکنّا رہنے کی اشد ضرورت اس لئے بھی ہے کہ یہ لوگ بہ ظاہر پاکستان کے وفادار رہتے ہوئے بھی بہ باطن پاکستان کے اتنے سخت دشمن ہیں کہ پاکستان کے وجُود کو ہی ختم کر کے پاکستان کے علاقے کو بہر صُورت بھارت میں شامل کر دینا ان کے مذہبی فرائض میں سے ایک اہم فرض ہے اور یہ لوگ اپنے اس فرض سے کسی بھی وقت غافل نہیں۔ بلکہ اس فرض سے جلد سبکدوش ہو جانے کی تدابیر میں ہمہ وقت مصروف ہیں اور مناسب موقعہ کی تلاش میں ہیں۔ بصورت دیگر ان کی دُوسری سکیم یہ بھی ہے کہ پاکستان کو ہی قادیانی اسٹیٹ میں تبدیل کر کے ہندوستان سے الحاق کر لیا جائے ہماری یہ انتہائی بد قسمتی ہے کہ مسلمانوں کی غفلت اور ارباب حکومت کی غلط پالیسی کی بدولت مرزائی اپنی منزل مقصود کی جانب نہایت ہشیاری مگر خاموشی کے ساتھ قدم بڑھاتے نظر آ رہے ہیں۔ مملکت کے متعدّد کلیدی عہدوں پر مرزائی قابض ہیں۔ ملک کی سیاست اور مملکت کی پالیسیوں میں کافی حد تک انہیں عمل دخل

حاصل ہو چکا ہے اور ان کے عزائم جوان دکھائی دیتے ہیں۔

مملکت پاکستان کے تحفّظ اور اس کی بقا و سالمیت کے پیش نظر مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ مرزائی خطرہ سے لمحہ بھر کے لئے غافل نہ ہوں اور ارباب حکومت کا فرض ہے کہ وہ وقتی مصلحتوں کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے مرزائیوں کو اوّلین فُرصت میں غیر مسلم اقلیّت قرار دے کر انہیں کلیدی عہدوں سے فی الفور سبکدوش کر دیں اور ملکی سیاست اور مملکت کی پالیسیوں میں ان کے عمل دخل کا مکمّل طور پر خاتمہ کر دیں۔ ہر سچّے پاکستانی کو یہ بات نہ بھُولنی چاہیئے۔ کہ

پاکستان کو قادیانی اسٹیٹ بنانا یا پاکستان کا خاتمہ مرزائیوں کا اوّلین مقصد ہے:

ثبوت کے لئے ملاحظہ فرمائیے "حضور نے اپنا ایک رُویا بیان فرمایا۔ جس میں ذکر تھا کہ گاندھی جی آئے ہیں اور ایک چارپائی پر لیٹنا چاہتے ہیں۔ اور ذرا سی دیر لیٹنے پر اُٹھ بیٹھے۔ اس کی تعبیر حضور نے یہ بتائی کہ اللّٰہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ کہ ساری قومیں متحّد رہیں تاکہ احمدیت اس وسیع تر بیس پر ترقّی کرے۔ چنانچہ اس رُویا میں اس طرف اشارہ ہے" "ممکن ہے کہ افتراق عارضی ہو (اس لئے جماعت احمدیہ کا الہامی عقیدہ ہے کہ پاکستان کا وجُود عارضی ہے) اور کچھ وقت کے لئے دونوں قومیں جُدا رہیں۔ یہ حالت عارضی ہوگی۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ جلد دُور ہو جائے"۔ (الفضل ۵ اپریل ۱۹۴۷ء)

خلیفۂ قادیان کا فرمان ملاحظہ ہو "مَیں قبل ازیں بتا چکا ہوں کہ اللّٰہ تعالیٰ کی مشیّت ہندوستان کو اکٹّھا رکھنا چاہتی ہے لیکن قوموں کی غیر معمولی منافرت کی وجہ سے عارضی طور پر الگ بھی کرنا پڑے تو یہ اور بات ہے بسا اوقات عضو ماؤف کو ڈاکٹر کاٹ دینے کا بھی مشورہ دیتے ہیں لیکن یہ خوشی سے نہیں ہوتا بلکہ مجبوری اور معذوری کے عالم میں اور صرف اس وقت جبکہ اس کے بغیر چارہ نہ ہو اور

اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس ماؤف عضو کی جگہ نیا لگ سکتا ہے۔ تو کون جاہل انسان اس کے لئے کوشش نہیں کرے گا۔ اسی طرح ہندوستان کی تقسیم پر اگر ہم رضامند ہوئے ہیں۔ تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے اور پھر یہ کوشش کریں گے۔ کہ یہ کسی نہ کسی طرح جلد متحد ہو جائے۔" مرزا محمود کی مجلس علم و عرفان میں مرزائی اُمّت کو حکم (الفضل ۱۶ رمئی ۱۹۴۷ء) نیز بشیر الدین محمود احمد خلیفۂ قادیان نے دورۂ کوئٹہ میں مرزائیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ "بلوچستان میں تو صرف پانچ چھ لاکھ انسان بستے ہیں۔ اس میں بڑی مشکل سے دو تین ہزار احمدی ہیں۔ اگر ہم سارے صوبہ کو احمدی بنالیں تو کم از کم ایک صوبہ تو ایسا ہو جائے جس کو ہم اپنا صوبہ کہہ سکیں۔" (الفضل ۱۳ راگست ۱۹۴۸ء) مزید تسلّی کے لئے

مرزائیوں کے بارے میں تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ

ملاحظہ ہو "جب تقسیم ملک سے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن (پاکستان) کا دُھندلا سا امکان اُفق پر نظر آنے لگا۔ تو احمدی آنے والے واقعات کے متعلق متفکّر ہونے لگے۔ ۔۔۔ ۔۔۔ انہیں پہلے انگریزوں کا جانشین بننے کی توقع تھی لیکن جب ان کو یہ امر کسی قدر دُشوار معلوم ہُوا۔ کہ ایک نئی مملکت کے تصوّر کو مستقل طور پر گوارا کر لیں۔ اُنہوں نے اپنے آپ کو عجیب گومگو کی حالت میں پایا ہو گا۔ کیونکہ نہ تو وہ بھارت کی غیر مذہبی ہندو مملکت کو اپنے لئے چُن سکتے تھے نہ پاکستان کو پسند کر سکتے تھے۔ جس میں فرقہ بازی کے روا رکھے جانے کی کوئی توقّع نہ تھی۔ ان کی بعض تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ تقسیم کے مخالف تھے۔ اور کہتے تھے کہ اگر ملک تقسیم بھی ہو گیا تو وہ اسے دوبارہ متحد کرنے کی کوشش کریں گے"۔

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص ۲۰۹)

تحریک پاکستان کی سیاسی جنگ کا فیصلہ کُن مرحلہ معاندین و مخالفین پاکستان سے مشائخ و عُلمائے اہلسنّت (بریلویہ) کی کامیاب ٹکّر

مورخہ ۲۳ رمارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ نے تاریخی قرارداد پاکستان منظور کی۔ مسلم لیگ، اس وقت تک مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت کی حیثیت سے ایک ناقابل تسخیر قوت بن چکی تھی۔ مسلمان مسلم لیگ کے سبز ہلالی پرچم کے سائے میں متحد و منظّم ہو چکے تھے اور قائد اعظم محمّد علی جناح کی قیادت میں بہ یک وقت تین مخالف و معاند قوتوں (حکمران انگریز، ہندو کانگریس اور وہابی مولوی) سے ٹکراتے ہُوئے مردانہ وار اپنی منزل مقصود (پاکستان) کی جانب بڑھ رہے تھے۔ اب حصول پاکستان مسلم قوم کی زندگی اور موت کا سوال بن چکا تھا۔

اسی دوران ۱۹۴۶ء کے انتخابات کا طوفانی مرحلہ پیش آگیا غیر منقسم ہندوستان کے ان آخری انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی کا مطلب حصول پاکستان اور مسلم لیگ کی شکست کا مطلب یہ تھا کہ مسلم قوم متحدہ ہندوستان میں حکمران انگریز کے بعد ہندو کانگریس کی دائمی غلامی قبول کرتی ہے۔ یہ انتخابات مسلم قوم کی عزّت و ذلّت، آزادی و غلامی، زندگی و موت یعنی تقسیم ملک و قیام پاکستان یا اکھنڈ بھارت کے سوال کی بنیاد پر لڑے جا رہے تھے۔ ہندو لیڈر وہابی مولویوں کے ذریعہ مسلمانوں کو بہکا کر قائداعظم کے دکھائے ہوئے راستہ سے ہٹا دینا چاہتے تھے، مسلم لیگ کو شکست دے کر پُورے ہندوستان پر قبضہ جما لینا چاہتے تھے، مسلمان قوم پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسلّط ہو جانا چاہتے تھے تاکہ انگریز سے اختیارات حکمرانی حاصل کر لینے کے بعد ہندو کانگریس اپنے رام راجی منصوبوں کو اطمینان کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچا سکے۔ ہندو لیڈروں نے فرزندان اسلام کو پھانس لینے کی خاطر طرح طرح کی سازشیں تیار کر ڈالیں اور دام ہمرنگ زمین بچھا کر زر پرست وہابی مولویوں پر تجوریوں اور خزانوں کے دروازے کھول دئیے۔ پس پھر کیا تھا۔ بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ ابن الوقت وہابی مولوی

اس کانگریسی مہم کو سَر کرنے کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔ انہوں نے ملک میں طوفانی دورے کر کے قائدین مسلم لیگ اور قائدِ اعظم کے خلاف ایک طوفان بدتمیزی برپا کر دیا۔

الغرض کانگریسی وہابی مولوی کانگریس کا حق نمک ادا کرنے کے جوش میں تہذیب و شرافت کی تمام حدُود پھلانگ گئے، ان لوگوں نے قائدین مسلم لیگ کو ملحدِ بے دین، اور اسلام کے دشمن اور قائدِ اعظم کو کافرِ اعظم تک کہنے سے دریغ نہ کیا۔ اور پاکستان کو ناپاکستان۔ خاکستان اور دیوانوں کی جنّت کہہ کر مسلمانوں کو تحریک پاکستان سے متنفّر کرنے کی ہر توڑ کوشش کی اور مسلم لیگ کو انتخابات میں شکست دینے کی جدّ و جہد میں اپنے کانگریسی ہندو آقاؤں سے بھی بازی لے گئے۔ چنانچہ جناب کوثر نیازی صاحب لکھتے ہیں "مگر مسلمانان ہند کی تاریخ کے اس نازک موڑ پر بھی مودُودی صاحب نے مسلم لیگ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ ان کے اپنے عقیدتمندوں نے ان سے اپیل کی کہ وہ کم سے کم اس اہم مرحلے پر تو انہیں مسلم لیگ کے حق میں ووٹ دینے کی اجازت دیدیں مگر مودُودی صاحب کا فتویٰ یہ تھا۔ کہ اس الیکشن میں حصّہ لینا اسلام کے خلاف ہے۔ اس لئے ہمیں اس کی کچھ پروا نہیں کہ ان الیکشنوں کے نتیجہ میں ہندو ملک پر مسلّط ہو جائیں گے یا دس کروڑ مسلمانوں کی قومی ہستی ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے غیر مبہم انداز میں یہ اعلان کیا کہ "ووٹ اور الیکشن کے معاملے میں ہماری پوزیشن کو صاف صاف ذہن نشین کر لیجئے۔ پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنے والے اسی طرح کے انتخابات کی اہمیّت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا کچھ بھی اثر ہماری قوم یا ہمارے ملک پر پڑتا ہو۔ بہرحال ایک با اُصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بناء پر ہم ان اُصولوں کی قربانی گوارا کریں جن پر ہم ایمان لائے ہیں" (ترجمان القرآن ستمبر اکتوبر ۱۹۴۵ء بحوالہ رسائل و مسائل جلد اوّل ص۵۱۳)

(مودودیت عوامی عدالت میں ص۶۱، ۶۲)

اِن ابن الوقت وہابی مولویوں کے اس طلسم ہوشربا کو توڑنے اور مسلمانان ہند کو ان کے دام تزویر سے بچانے کے لئے مشائخ و علمائے اہلسنّت و جماعت (بریلویہ) سینہ سپر ہو کر بے محابا ان کے مقابلہ پر میدان میں آگئے اور ہر مقام پر ان کی خرافات کا رَدّ کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے ان مجاہدین ملّت نے اس نازک اور ہنگامی دَور میں مسلم قوم کی کماحقہٗ صحیح راہنمائی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ قائدِ اعظم اور دوسرے لیگی لیڈروں کے دوش بدوش تحریک پاکستان کا دفاع کرتے ہوئے مسلمانوں کو مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر متحدّ و منظّم کر دینے کی خاطر دن کا چین اور رات کی نیند قربان کر دی۔ اور اس قومی جنگ میں اپنی تمام تر خُدا داد قابلیتوں اور صلاحیتوں کو پُوری قوت و ہمّت کے ساتھ وہابی مولویوں کے مقابلہ میں صرف کر دیا۔ اور ان کے مکرو فریب کا پردہ چاک کر کے رکھ دیا۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں بحمدہٖ تعالیٰ و بفیض رسولہ الاعلیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم مسلمان اچھی طرح بیدار اور ہشیار ہو کر وہابیہ کی گمراہ کُن اور تباہ کُن سرگرمیوں سے محفُوظ رہ گئے اور ملّت اسلامیہ قومی خودکشی سے بچ گئی۔

۱۹۴۶ء کے انتخابات کے موقعہ پر حضرت قائدِ اعظم نے مسلمانوں کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا "مسلم لیگ کسی کھمبے کے ساتھ ٹکٹ باندھ دے۔ تو تم اس کھمبے کو ووٹ دو" مشائخ و علمائے بریلویہ نے قائدِ اعظم کے اس فرمان کی بجان و دل تائید کی اور تعمیل کر کے دکھا دی۔ مشائخ نے اپنے مُریدین و متوسلّین کو سختی کے ساتھ ہدایت فرمائی کہ اپنے تمام ووٹ آنکھ بند کر کے مسلم لیگی اُمیدواروں کے حق میں استعمال کریں۔ اور علمائے حق نے یہ بات مسلمانوں کے ذہن نشین کر دی کہ اس وقت مسلم لیگ کو ووٹ دینا اسلام کو ووٹ دینا ہے اور مسلم لیگی اُمیدوار کے بجائے کسی دُوسرے کو ووٹ دینا قطعاً حرام اور دین اسلام کے خلاف ہے۔ پس مسلمانوں کو لازم ہے۔ کہ وہ نہ صرف اپنے ووٹ بلکہ ووٹ کے ساتھ نوٹ بھی مسلم لیگ کے اُمیدواروں کو دے کر اسلامی حمیّت کا ثبوت دیں۔ مشائخ عظّام و علمائے کرام کی ہدایات پر مسلم قوم نے پُوری طرح عمل کر کے دکھا دیا اور یہ ثابت کر دیا۔ کہ وہ جاگ اُٹھے ہیں اور انہوں نے ملّت فروش وہابی مولویوں کو پہچان کر انہیں ٹھکرا

دیا ہے۔ فرزندان اسلام نے مسلم لیگ کو ووٹ بھی دئے اور نوٹ بھی۔ چنانچہ
الیکشن کا نتیجہ نہایت شاندار نکلا۔ مسلم لیگ کو بے مثال کامیابی حاصل ہوئی۔ مسلمانان
ہند نے پاکستان کے حق میں اپنا دوٹوک فیصلہ دے دیا۔ ہندو کانگریس اور اس کے
نمک خوار وہابی مولویوں کو انتہائی ذلّت آمیز شکست فاش نصیب ہوئی۔
ملّت اسلامیہ اس قومی جنگ میں کامیاب اور سرخرو ہوئی۔ قائداعظم کا سر فخر
سے اور اونچا ہوگیا۔ مسلم لیگی راہنما جیت گئے۔ اور مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء
کو ایک آزاد اور خود مختار اسلامی دنیا کا سب سے بڑا اور عظیم ملک "پاکستان" ایک
حقیقت بن کر نقشۂ عالم پر نمودار ہوگیا۔ فضائیں مسلم لیگ زندہ باد۔ قائدِ
اعظم زندہ باد اور پاکستان پائندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھیں
وللہ الحمد علیٰ ذالک والصلوٰۃ والسّلام علیٰ حبیبہٖ سیّدنا محمّد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلّم۔
موضوع کی مناسبت سے پاکستان کے مؤقر جریدہ روزنامہ "جنگ" کراچی
میں شائع شدہ ایک مضمون سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں:۔

ہماری تاریخ کا سب سے المناک باب ان مسلمانوں کا رویہ ہے جو اس
مہم میں کانگریس اور ہندوؤں
کے ہمنوا بن گئے۔ مسلم سیاست دانوں کا وہ طبقہ جو اپنے آپ کو فخریہ طور پر قوم
پرست کہتا اور قوم پرستی کے زعم میں اپنی قوم کے مفاد کو نقصان پہنچانے میں ہمیشہ
پیش پیش رہا۔ اس موقعہ پر اپنی ہندو دوستی اور لیگ دشمنی کے امتحان میں اس
شدّ و مد سے شریک ہوا۔ کہ ہندو بھی اس سے پیچھے رہ گئے۔ مسلمانان ہند
کی یہ تاریخی بدنصیبی ہی کہلا سکتی ہے۔ کہ ان کا سب سے معزّز اور محترم طبقہ جنہیں
علمائے کرام کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس مہم میں سب سے پیش پیش رہا۔
ہندوستان میں جمعیۃ العلماء ہند اس بزرگ طبقے کی سب سے بڑی تنظیم تھی اور
اس تنظیم نے اپنے آپ کو مسلم لیگ اور اس کے مطالبے کی مخالفت کے لئے وقف
کرلیا ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ کہ اس تنظیم نے ہندوستان کے سب سے بڑے

قوم پرست لیڈر مولانا ابوالکلام آزاد کی مخلصانہ کوششوں کے نتیجہ میں ۱۹۳۷ء
ہی میں مسلم لیگ سے علیحدگی کا عزم کر لیا تھا۔ جب ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ نے تقسیم
ملک کا مطالبہ پیش کیا۔ تو یہ علیحدگی مخالفت بلکہ کھلم کھلا دشمنی کی شکل اختیار
کر گئی۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ نے تقسیم ملک کا مطالبہ پیش کیا اور
اس کے دو یا تین ہفتہ بعد اپریل ۱۹۴۰ء میں جمعیۃ العلماء ہند کی سرپرستی اور
سرگردگی میں "آزاد مسلم کانفرنس" کا اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس کی تجاویز
میں پہلے تو اس نام نہاد کانفرنس کی نمائندہ اور ہندوستان گیر حیثیت
کے دعوے کئے گئے اور پھر یہ اعلان ہوا کہ ہندوستان ایک ناقابل تقسیم وحدت
ہے۔ ہندوستان کے مسلمان لازمی طور پر ہندوستانی قومیت کے اجزا ہیں"۔
... ... "آگے چل کر یہ مخالفت لیگ کے قائدین کی شخصیت پر مرکوز
ہونے لگی۔ قائداعظم ان کے دست راست اور مسلم لیگ کے معتمد عمومی خان
لیاقت علی خان اور دوسرے لیگی زعماء کا اسلام ہی مشکوک قرار دیا گیا بالخصوص
۱۹۴۶ء کے عام انتخابات کے دوران جمعیۃ العلماء ہند کے نام نہاد حامیوں نے
جس قسم کے رکیک اور ناروا حملے مسلم لیگی قائدین اور بالخصوص قائداعظم
اور لیاقت علی خان کی شخصیت اور ذاتیات پر کئے انہیں کسی بھی معیار
سے شریفانہ نہیں کہا جا سکتا"۔ ... ... "یہ چند اوراق ہماری تاریخ کی
چند نہایت ہی تلخ روایات کو دہراتے ہیں یہاں ان کے اعادے سے صرف
یہ بتلانا مقصود تھا کہ مطالبۂ پاکستان سے لے کر قیام پاکستان تک مسلم لیگ
اور اس کے عظیم قائد کو کن کن محاذوں پر لڑنا پڑا۔ انگریز، ہندو اور خود
مسلمان، مگر یہ قائداعظم اور ان کے رفقاء کا بے پناہ خلوص تھا کہ پاکستان
کا سفینہ مخالفتوں کے ان شدید طوفانوں کا مقابلہ کرتے ہوئے (۱۴ اگست
۱۹۴۷ء کو) ساحل مراد تک پہنچ گیا"۔ (روزنامہ جنگ کراچی یوم پاکستان ایڈیشن ۱۴ اگست ۱۹۶۸ء)
الغرض غیر منقسم ہندوستان میں "ملّت از وطن است" کا نعرہ لگانے

والے وہابی مولویوں کے خلاف حکیم الامت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ اور مشائخ وعلمائے اہلسنّت وجماعت (بریلویہ) کی جدّوجہد تاریخ پاکستان کا نہایت اہم اور روشن باب ہے۔ یہ حضرات اگر وہابی مولویوں کی تردید میں جدّوجہد نہ کرتے اور خدانخواستہ وہابی مولوی اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب ہو جاتے اور مسلمان ان کے دام تزویر میں پھنس جاتے تو عین ممکن تھا کہ ہندوستان کی جغرافیائی حدود مسلمانانِ برّصغیر کو ملّتِ اسلامیہ سے علیحدہ کرکے ان کی انفرادیت ہمیشہ کے لئے ختم کرا دیتیں اور مسلمانانِ ہند ہندو سامراج کے غلام بن جاتے اور پھر اس کے بعد مسلم قوم کا جو حشر ہوتا اس کے تصوّر سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مسلمانوں پر رحم فرمایا۔ قائداعظم محمّد علی جناح اور ان کے ساتھ لیگی زعماء اور مشائخ وعلمائے حق کی مجاہدانہ جدّوجہد کو کامیاب فرمایا اور وہابی مولویوں سمیت مسلم لیگ کے مخالفین و دشمنانِ پاکستان خائب و خاسر ہوئے۔

قیام پاکستان کے بعد وہابی مولویوں کی سرگرمیاں

تقسیم ملک اور قیام پاکستان کے بعد وہی وہابی مولوی جو تحریکِ پاکستان کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ مسلم لیگی لیڈروں اور مسلمانوں کو ملحد اور بے دین کہہ رہے تھے۔ بانیٔ پاکستان قائداعظم کو کافرِ اعظم قرار دیتے تھے۔ ہندوستان میں ان کے ہندو آقاؤں نے جب انہیں جوتے مارنے شروع کردئے تو یہ وہابی صاحبان کمال ڈھٹائی اور انتہائی بے حیائی کے ساتھ پاکستان میں آکر پناہ گیر ہو گئے جیسے وہ ابھی ابھی ناپاکستان، پلیدستان، خاکستان اور احمقوں کی جنّت کہتے رہے تھے اور انہی میں سے وہ وہابی مولوی جو اپنے مفادات کے تحت پاکستان میں نہ آسکتے تھے وہ ہندوستان

میں رہ کر حکمران ہندو لیڈروں کی خوشنودی حاصل کرنے اور ان کے منظورِ نظر بنے رہنے کی خاطر اپنی بچی کھچی غیرت وحمیّت کو بھی خیرباد کہہ بیٹھے اور اس قدر چھچھوری حرکات پر اُتر آئے کہ دُوسرے بھارتی مسلمانوں کو بھی شرم محسوس ہونے لگی۔ چنانچہ مولوی عامر عثمانی فاضل دیوبند کے رسالہ میں ان احساسات کا اظہار مندرجہ ذیل نظم کی صورت میں کیا گیا ؎

کیا گردشِ دوراں کا فسوں دیکھ رہا ہوں — دیوبند ترا حال زبوں دیکھ رہا ہوں
اللہ رے یہ مسندِ افتا کی اہانت — اپنوں کا بھی ہوتا ہوا خوں دیکھ رہا ہوں
آوارگیٔ فکر و نظر اہل حرم کی — ناپختہ مگر جوشِ جنوں دیکھ رہا ہوں
جو داعیٔ اسلام تھے وہ دیش بھگت ہیں — نیرنگیٔ دوراں کا فسوں دیکھ رہا ہوں
اسلاف کے دل بھی ترے فتووں سے ہیں مجروح — تکفیر کا یہ شوق فزوں دیکھ رہا ہوں
غیروں سے ہے اُلفت تجھے اپنوں سے ہے الجھاؤ — بدلا ہُوا انداز جنوں دیکھ رہا ہوں
یہ منصبِ افتاء ایسے فتووں کا یہ اندھیر — فنکاریٔ شیطاں کا فسوں دیکھ رہا ہوں
حق گوئی و بیباکیٔ اسلاف کی سوگند — تجھ کو پئے اغراض نگوں دیکھ رہا ہوں

(ماہنامہ "تجلّی" دیوبند۔ مئی ۱۹۵۷ء)

ہندوستان کے مسلمان ان وہابی مولویوں کی اسلام دشمنی، ملّت فروشی اور کفر نوازی اور مفاد پرستی دیکھ کر ان سے انتہائی نفرت کا اظہار کرنے لگے۔ چونکہ جمعیۃ العلمائے ہند جو مدرسۂ دیوبند کے علماء وطلباء پر مشتمل تھی جس نے اپنی مذموم حرکات سے اسلام دشمنی میں مثالی کردار ادا کیا تھا اس لئے ان کے خلاف بھارتی مسلمانوں کی نفرت انتہائی عروج پر پہنچ گئی اور اس کا اظہار فاضل دیوبند عامر عثمانی کے رسالہ میں ان اشعار سے ہوتا ہے ؎

دغا کی دال ہے یاجوج کی ہے ’ی‘ اس میں — وطن فروشی کی ’واؤ‘ بدی کی ’ب‘ اس میں
جو اس کے ’نون‘ میں نارِ جحیم غلطاں ہے — تو اس کی ’دال‘ سے دہقانیت نمایاں ہے
ملے یہ حرف تو بیچارہ دیوبند بنا — بُرے خمیر سے یہ شہر ناپسند بنا

(ملاحظہ ہو ماہنامہ تجلّی۔ دیوبند۔ فروری ۱۹۵۷ء)

چونکہ ہمارا سابقہ براہِ راست اب ان ابن الوقت وہابیوں سے ہے۔ جو
پاکستان میں پناہ گزین ہو چکے ہیں۔ لہٰذا ہندوستانی وہابیوں کے حالات پر مزید
کچھ لکھنے کے بجائے پاکستانی وہابیہ کے موجودہ حالات و کردار پر روشنی ڈالنا مناسب ہے۔

پاکستان میں وہابی مولویوں کی شر انگیز اور انتقامی کارروائیاں

قائدِ اعظم کی ناقابلِ شکست اور عظیم قیادت میں فرزندانِ اسلام کے نظم و
ضبط اور یقین محکم سے ٹکرا کر ہندو کانگریس نے قہراً و جبراً تقسیم ملک اور قیام
پاکستان کو بظاہر منظور تو کر لیا مگر انہوں نے پاکستان کو اب تک دل سے قبول
نہیں کیا۔ کانگریسی لیڈر نہیں چاہتے کہ پاکستان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر قائم
رہ سکے۔ بھارتی لیڈر روزِ اوّل سے ہی حکومت پاکستان کو اقتصادی، معاشی،
معاشرتی اور سیاسی بحران میں مبتلا کر کے اپنے سامنے گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور
کر دینا چاہتے تھے۔ یہ لوگ تقسیم کے خاتمے اور اکھنڈ بھارت کے خواب دیکھ
رہے تھے۔ اپنے سامراجی عزائم اور رام راجی منصوبوں کی جلد از جلد تکمیل
کے لئے بےچین و مضطرب تھے۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے بھارتی لیڈروں
نے ملک کے طول و عرض میں سکھوں اور ہندو غنڈوں کے ہاتھوں منظم طور
سے وسیع پیمانہ پر مسلمانوں کا قتلِ عام شروع کرا دیا۔ مسلمانوں کی آبادیوں
کو لوٹ مار کے بعد نذرِ آتش کر دیا گیا۔ معصوم شیر خوار بچوں کو ہوا میں اچھال
اچھال کر تلواروں، نیزوں اور برچھیوں کی نوک پر پرو کر ہلاک کیا گیا اور
اور ماؤں کے سینوں پر بچوں کو لٹا لٹا کر ذبح کیا گیا۔ لاکھوں مسلمان بے دریغ
قتل کر دئیے گئے۔ پچاس ہزار سے زیادہ مسلم خواتین کو جبراً اغوا کیا گیا۔ ان
ظالمانہ کارروائیوں میں بھارتی مسلح پولیس اور فوج برابر شریک رہی۔ لُٹے
پٹے مسلم مہاجرین کے قافلے نہایت بے سروسامانی کے عالم میں پاکستان میں
داخل ہونے لگے کم و بیش پچاس لاکھ مہاجرین پاکستان میں وارد ہو گئے۔ اور

اس کے ساتھ ہی طے شدہ منصوبہ کے تحت پاکستان کے علاقوں سے ہندو اور
سکھ نقل مکانی کر کے بھارت چلے گئے۔ اس دو طرفہ کارروائی سے بھارتی لیڈروں
کا منشا یہ تھا کہ ایک طرف تو حکومت پاکستان مسلم مہاجرین کے بے پناہ سیلاب
کو سنبھال نہ سکے گی۔ اور معاشی و معاشرتی بحران کا شکار ہو جائے گی اور
دوسری طرف غیر مسلم سرمایہ داروں کے یک لخت پاکستان سے نکل جانے کے
باعث پاکستان اقتصادی لحاظ سے مفلوج ہو کر رہ جائے گا۔ اور اس کے
نتیجے میں حکومت پاکستان، بھارت کے آگے گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور ہو جائے گی
اسی بناء پر بھارتی لیڈر بڑے فخر و غرور کے ساتھ یہ اعلان کر رہے تھے۔
"پاکستان چھ مہینہ سے زیادہ قائم نہیں رہ سکے گا۔" اور اکھنڈ بھارت بن کر
رہے گا۔" اس پُر آشوب اور سخت امتحانی دور میں جب کہ راہنمایانِ قوم
اور پاکستان کے عوام نہایت عزم و استقلال کے ساتھ حالات پر قابو پا
لینے کی کوشش میں سرگرم عمل تھے۔ آنے والے تباہ حال مہاجرین کی نگہداشت
امداد اور آبادکاری۔ جانے والے سکھوں اور ہندوؤں کے انتظامات میں ہمہ
تن مصروف اور اس کے ساتھ ساتھ امن و امان کی نگرانی، اقتصادی ڈھانچہ
کی بحالی۔ اور معاشی و معاشرتی حالات کے درست رکھنے میں لگے ہوئے تھے۔
نیز داخلی اور خارجی نت نئے مسائل کا مردانہ وار مقابلہ کر رہے تھے۔ اس
نازک وقت میں شکست خوردہ ملت فروش وہابی کچھ اور ہی سوچ رہے تھے۔
بلکہ یوں کہئے کہ انہیں اس وقت بہت دور کی سوجھ رہی تھی۔ یہ لوگ حکومت
پاکستان، راہنمایانِ قوم اور پاکستانی عوام سے اپنی ذلت و شکست کا انتقام
لینا چاہتے تھے۔ بھرپور انتقام۔ ان کے دل و دماغ میں پاکستان کے متعلق
اس قدر زہر بھرا ہوا تھا کہ قیام پاکستان کے بعد لاہور میں تقریر کرتے ہوئے
وہابیوں کے پیشوا عطاء اللہ شاہ بخاری نے اعلان کیا کہ "پاکستان ایک
بازاری عورت ہے جس کو احرار نے مجبوراً قبول کیا ہے۔" (رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ ۲۷۵)

وہابی مولویوں اور اُن کے متعلقین نے حالات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے۔
ایک طرف۔ شہروں۔ قصبات اور دیہات میں زرعی وغیر زرعی متروکہ املاک
کے زیادہ سے زیادہ الاٹمنٹ حاصل کرنے شروع کر دئے۔ اور دُوسری
طرف پاکستان کے اطراف وجوانب میں اپنے مدرسے اور ادارے قائم کرنے
میں مصروف ہوگئے۔ تیسری طرف مسلمانوں سے چندے اور عطیات وصول
کر کے تبلیغ اسلام کی آڑ میں وہابیت کی نشر واشاعت شروع کر دی۔
تحریر اور تقریر سے اختلافی مسائل کو ہوا دے کر مسلمانوں میں انتشار
برپا کرنے اور باہمی سر پھٹول کرانے کی پُرانی ترکیب پر عمل شروع کر دیا۔
اور حسب سابق عقائد اہلسنّت وجماعت کی تردید اور بات بات پر بدعت
وشرک کا بازار گرم کر دیا۔ چوتھی طرف پاکستان میں اسلامی حکومت اور
آئین اسلامی کے نعرے لگا کر میدان سیاست میں ہنگامہ آرائی کا آغاز
کر دیا۔ یہ لوگ حکومت پاکستان کو غیر اسلامی قرار دے کر ارباب حکومت
کو پریشان کرنے اور عوام کو حکومت کے خلاف بھڑکانے کی خاطر نت نئے
مسائل کھڑے کرنے لگے۔ اور پانچویں طرف۔ کچھ وہابی مولوی ذاتی وگروہی
مفادات کے تحت ارباب حکومت کا تقرب حاصل کر کے حکومت پر اثر
انداز ہونے کی خاطر ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔ اور یہ سب کچھ اس لئے کہ وہابی
مولوی اُصول وہابیہ کے مطابق مذہب کی آڑ میں اقتدار کا شکار رچاہتے
تھے۔ ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو سُنّی وہابی کے جھگڑے میں
اُلجھا کر باہم لڑا دیں تاکہ ملک میں انتشار، بدامنی اور افراتفری پھیل
جائے۔ راہنمایان قوم اور ارباب حکومت داخلی نظم ونسق اور امن بحال
کرنے میں مشغول ومصروف رہیں۔ اور بھارتی لیڈروں کی پاکستان دُشمن
کارروائیوں کا مقابلہ یکسُوئی کے ساتھ نہ کر سکیں۔ نیز یہ کہ ارباب حکومت
کی توجہ مہاجرین کی آبادکاری وانتظام سے ہٹ جائے۔ اور ملک میں

شدید بحران واقع ہو سکے تاکہ بھارتی حکومت اس سے فائدہ اُٹھا کر بھرپور
وار کرنے میں کامیاب ہو جائے اور اگر اس طرح بھی مقصد حاصل نہ ہو۔ تو
وہابیت کی نشر واشاعت کر کے عوام کو زیادہ سے زیادہ اپنا ہم خیال بنا کر
انتخابات میں کامیابی حاصل کر کے ملک کو ریاست وہابیہ میں تبدیل کر دیا
جائے اور اس طرح مسلم لیگی راہنماؤں اور سُنّی عوام سے اپنی شکست کا انتقام
لے سکیں۔ مگر ؎ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

مقام شکر ہے کہ ہمارے قومی راہنماؤں نے انتہائی تحمّل، بلند ہمّتی، تدبّر
اور دُور اندیشی کے ساتھ ان تمام حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ مشائخ و
علمائے اہلسنّت وجماعت بریلویہ نے اس موقعہ پر بھی ہر مقام پر ہر لحاظ
سے جذبۂ حق پرستی کا شاندار مظاہرہ کرتے ہوئے قوم کی صحیح راہنمائی فرمائی
وہابیہ کی شدید اشتعال انگیزیوں کے باوجود نہ خود مشتعل ہوئے اور نہ
ہی قوم کو مشتعل ہونے دیا بلکہ وہابی مولویوں کی ہر بداخلاقی۔ بدتہذیبی
اور ان کی امن سوز حرکات کا جواب اخلاق وتہذیب کے دائرہ میں
رہتے ہوئے مؤثر طور پر دیتے رہے اور اس طرح ان کی مذموم سازشوں
کو ناکام اور ان کے ناپاک مقصدوں کو خاک میں ملا کر رکھ دیا۔ علمائے
حق کے اس ہوشمندانہ رویّے اور ان کی مجاہدانہ جدّ وجہد کے نتیجہ میں نہ
صرف یہ کہ ملک میں امن وامان بحال رہا بلکہ ان بزرگان دین نے اپنے
عاقلانہ طرز عمل سے ملک کی فضاء کو سازگار رکھ کر پاکستان کی قومی
حکومت کو پُورے اطمینان اور سرگرمی کے ساتھ ملک کے استحکام اور
ترقّی کے لئے کام کرنے میں پُوری پُوری مدد بہم پہنچائی۔ رفتہ رفتہ مہاجرین
کے مسائل حل ہوتے رہے اور ملک بفضلہٖ تعالیٰ ترقی اور استحکام کے
راستہ پر گامزن ہوگیا۔ پاکستان اپنے اکیس سالہ دور میں سیاسی اعتبار
سے متعدد سنگین حالات اور انقلابات سے گذر چکا ہے۔ اور اس کے

باوجود نہ صرف قائم ہے۔ بلکہ مزید ترقّی واستحکام کی جانب گامزن ہے اور انشاء اللہ پاکستان ہمیشہ کے لئے قائم ودائم رہے گا۔ اور ملّت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کا باعث بنے گا۔

لیکن وہابیوں کی حالت پر جس قدر بھی افسوس کیا جائے کم ہے کہ اتنا عرصہ گذر جانے پر بھی ان کی ذہنیت تبدیل نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی ان کے طور طریقوں میں کچھ فرق واقع ہُوا ہے۔ بلکہ یہ لوگ اب بھی وُہی عزائم رکھتے ہیں۔ جو پہلے تھے اور انہی مقاصد پر قائم ہیں۔

اس وقت منجملہ دیگر وہابیہ کے دو تنظیمیں نمایاں طور پر سرگرم عمل ہیں۔ ایک جماعت اسلامی اور دُوسری جمعیۃ العلمائے اسلام۔ اور یہ دونوں جماعتیں سیاسی میدان میں ایک دُوسرے پر سبقت لے جانے کی سرتوڑ کوشش میں ہیں۔ لیکن اپنی اصلیت اور حقیقت کے لحاظ سے دونوں یکساں ہیں۔ اسلام کی رُو سے یا پاکستانی نقطہ نگاہ سے دونوں ہی ناقابل اعتماد ہیں۔ پاکستان دشمنی میں دیگر وہابیہ کی طرح یہ بھی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ مودُودی صاحب کی تنظیم جماعت اسلامی کے متعلق گذشتہ اوراق میں مفصّل حقائق پیش کئے جاچکے ہیں۔ اور جمعیۃ العلمائے اسلام کی پاکستان دُشمنی کے متعلق آئندہ صفحات میں حقائق ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے تاہم یہاں مزید یہ واضح کرنا مقصود ہے۔ کہ جماعت اسلامی کے بانی و راہنما مودُودی صاحب پاکستان بن جانے اور پاکستان میں پناہ گزین ہوجانے کے بعد بھی پاکستان کو قبول نہیں کرسکے۔ بلکہ وہ قیام پاکستان کو مسلم لیگ اور مسلمانوں کی غلطی اور حماقت ہی قرار دیتے رہے ہیں۔ جناب کوثر نیازی صاحب اپنی کتاب "مودُودیت عوامی عدالت میں" ص۴۸ پر لکھتے ہیں:۔ "اس اجتماع مدراس میں جس کا ذکر پچھلی سطور میں ہوچکا ہے۔ مودُودی صاحب نے تقسیم کے بعد بھارت میں رہ جانے والے مسلمانوں کو بعض زرّیں مشورے

دئے اس موقعہ پر انہوں نے پھر اعلان کیا کہ حصولِ پاکستان کی تحریک ایک غلط تحریک تھی اور اسے اسلام کے بجائے اغراض کے لئے برپا کیا گیا تھا۔ فرمایا "سب سے مقدّم کام یہ ہے کہ اس قومی کشمکش کا خاتمہ کیا جائے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اب تک برپا رہی ہے۔ میرے نزدیک یہ بات پہلے بھی غلط تھی کہ مسلمان اسلام کے لئے کام کرنے کے بجائے اپنے قومی اغراض اور مطالبوں کے لئے لڑتے رہے مگر اب تو اس لڑائی کو جاری رکھنا محض غلطی نہیں بلکہ مہلک غلطی اور احمقانہ خُودکشی ہے۔" نیز اسی کتاب کے ص۶۵، ۶۶ پر ہے۔

"سنہ ۱۹۴۸ء میں مودُودی صاحب میاں طفیل صاحب کی معیّت میں جھنگ کے دَورے پر آئے تو مشہور صحافی اور روزنامہ نوائے وقت کے وقائع نگار خصُوصی عرفان چغتائی مرحُوم اپنے بعض دوستوں کے ہمراہ ان سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے۔ عرفان مرحُوم نے اپنی اس ملاقات کا حال روزنامہ نوائے وقت ۲۹ اگست سنہ ۱۹۴۸ء میں قلمبند کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں نے مودُودی صاحب کی توجّہ جماعت کے اس پوسٹر کی طرف مبذول کرائی جس میں درج تھا کہ "مسلمانو! تم نے باطل اُصولوں کی خاطر گھر بار چھوڑا۔ عزیز واقارب کو ذبح کرایا" اور آپ سے پُوچھا کہ مولانا کیا وُہ اُصول باطل تھے جن کے لئے مشرقی پنجاب اور ریاستوں کے مسلمانوں کو ہجرت کرکے یہاں آنا پڑا۔ تو مولانا نے جواب دیا "واقعی میرے نزدیک کسی کو مہاجر کہنا از رُوئے شریعت ناجائز ہے۔ کیونکہ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کا یہ سفر ہجرت نہیں ہے۔" عرفان صاحب کا دُوسرا سوال یہ تھا کہ "کیا پھر آپ کے نزدیک مہاجرین کی جانی اور مالی قربانیوں کی کوئی قیمت نہیں ہے۔" اس پر مولانا مودُودی صاحب نے فرمایا "نہیں وُہ بھگوڑے اور بُزدل ہیں۔ انہوں نے ایک غلط قدم اُٹھایا تھا۔ قومیّت کی جنگ لڑی تھی۔ جب اس کی سزا بھگتنے کا وقت آیا تو مشکلات سے گھبرا کر فرار کی راہ اختیار کی۔" مگر عرفان مرحُوم بھی کہاں ماننے والے تھے۔ انہوں نے بھری بزم

میں راز کی بات کہہ دی۔ کہا مولانا! "گستاخی معاف! کیا آپ بھی اسی زمرہ میں داخل نہیں۔ جو پٹھانکوٹ سے بھاگ کر پاکستان آئے؟ ظاہر ہے کہ مودودی صاحب کے پاس خموشی کے سوا اس سوال کا اور کیا جواب ہو سکتا تھا"۔

نیز قیام پاکستان کے بعد اور قائد اعظم علیہ الرحمۃ کے بنائے ہوئے پاکستان میں پناہ لینے کے باوجود گستاخ مودودی، بابائے قوم قائد اعظم محمد علی جناح کی شان میں انتہائی گستاخی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ قائد اعظم اداکار تھے۔

مودودی کے اصل الفاظ یہ ہیں "اس اداکار کا پارٹ اس ڈرامے میں سب سے زیادہ ناکام ہے"۔ (کتاب مذکور ص)

جمعیۃ العلمائے اسلام

واضح رہے کہ جمعیۃ العلمائے اسلام کانگریسی ان وہابی مولویوں کی تنظیم جمعیۃ العلمائے ہند کی پاکستان میں ایک شاخ ہے۔ وہی "جمعیۃ العلماء ہند" جو کانگریس نوازی اور پاکستان دشمنی کی وجہ سے انتہائی بدنام ہے۔ کانگریسی مولوی جو قیام پاکستان سے قبل پاکستان کی سخت مخالفت کرتے رہے تھے۔ پاکستان میں "جمعیۃ العلمائے اسلام" کی آڑ میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔

دیوبندی وہابی مولویوں میں سے جب مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اور اُن کے چند ساتھیوں نے تحریک پاکستان کی حمایت کا فیصلہ کیا اور جمعیۃ العلمائے ہند سے علیحدہ ہو کر حصول پاکستان کی جدّ جہد میں شریک ہو گئے تو انہوں نے جمعیۃ العلمائے اسلام کے نام سے اپنی تنظیم قائم کر لی تھی۔ مگر ان کے بعد جب یہ تنظیم عملاً دم توڑ گئی تو پاکستان دشمن وہابی مولویوں نے اسی نام سے اپنی تنظیم قائم کر لی۔ اور آج تک اسی نام کو استعمال کر رہے ہیں۔ ان کے متعلق چند شہادتیں ملاحظہ ہوں "موجودہ جمعیۃ العلمائے اسلام کانگریسی علماء کی جمعیۃ العلماء ہند کی پاکستانی شاخ ہے۔ کچھ عرصہ ہوا اس شاخ میں ایک مسئلہ پر شدید

اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ تو بھارت سے دارالعلوم دیوبند کے قاری محمد طیب صاحب (کانگریسی) نے پاکستان تشریف لا کر اس شاخ میں مصالحت کرائی تھی (الغرض) موجودہ جمعیۃ العلماء اسلام کے شرکاء عموماً وہ لوگ ہیں۔ جو پاکستان کے نظریہ سے ہمیشہ مختلف رہے اور جمعیۃ العلماء ہند (دیوبند) سے وابستہ رہے"۔ (مراسلہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۲ مئی ۱۹۶۳ء) نیز ملاحظہ ہو۔

"بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا یعنی مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی قائم فرمودہ جمعیۃ العلمائے اسلام اندرونی بد نظمی کا شکار ہو کر موت و زیست کی کش مکش میں مبتلا ہو گئی احراری اور کانگرسی خیال کے علماء حضرات نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور انہوں نے جمعیۃ العلمائے اسلام کے خانۂ خالی میں اپنا دیو داخل کرنے کی مساعی شروع کر دیں۔ اس مقصد کے لئے ان کی نگہ انتخاب نے لاہور کے ایک سادہ لوح عالم دین یعنی مولانا احمد علی کو تاکا۔ مولانا احمد علی نے اس موقعہ پر احراری حضرات کی دستگیری پر آمادگی کا اظہار فرمایا اور پھر احراری حضرات نے کوئی نئی تنظیم بنانے کے بجائے جاں بلب جمعیۃ علمائے اسلام کے تن خالی پر قبضہ جمانے کی شرمناک تدبیر کی۔ چنانچہ اس تدبیر کی تزویر کے ماتحت پاکستان کے تقریباً تمام احراری، کانگرسی اور سرخپوش حضرات نے ملتان میں ایک روز جمع ہو کر جمعیۃ علمائے اسلام کا نام ہتھیایا اور اس کا صدر مولانا احمد علی کو بنا دیا اور پھر چشم فلک نے یہ عجیب منظر دیکھا۔ کہ جس جمعیۃ علمائے اسلام کی مسند پر سالہا سال تک نظریۂ پاکستان کے موئد و حامی علماء متمکن رہے وہاں اب نظریۂ پاکستان کے پرانے مخالف اور ہندو کانگریس کے قدیم خیمہ بردار سربرآراء ہو گئے اور علماء کی اس مشہور جماعت پر طوطیان پاکستان کی جگہ "زاغان ہندوستان" کا تصرّف قائم ہو گیا۔ اس طرح ۔ ع

زاغوں کے تصرّف میں عقابوں کے نشیمن ۔۔ ۔۔ ۔۔" کی اندوہناک روایت ایک مرتبہ پھر پاکستان میں تازہ ہو گئی۔ ایک طرفہ تماشا کے ماتحت اس کے

سربراہ خان عبدالغفار خان سرحد کی تحریک کے مولوی محمد یوسف بنوری اور احرار کے مولوی غلام غوث ہزاروی قرار پائے ۔" (کتاب مولانا مودودی اور جماعت اسلامی اسّی علماء کی نظر میں)

مفتی محمود اور غلام غوث ہزاروی

یہ دونوں صاحبان بھی دیگر وہابیہ کی طرح تحریک پاکستان کے سخت مخالف ۔ اکھنڈ بھارت کے سرگرم حامی اور کانگریسی لیڈروں کے مشہور حاشیہ بردار تھے ۔ اُنہوں نے تحریک پاکستان کو ناکام بنانے کی سخت جدوجہد کی اور ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کو شکست دینے کی سرتوڑ کوشش کرتے رہے ۔ اور ہندو لیڈروں کا نمک حلال کرنے کی خاطر انہوں نے قائدین مسلم لیگ اور قائد اعظم کے خلاف انتہائی دریدہ دہنی کا مظاہرہ کیا۔ ملک کے طول و عرض میں تحریک پاکستان، مسلم لیگ اور قائد اعظم کے خلاف۔ دھواں دھار تقریریں کرتے رہے ہیں ۔ پاکستان میں بفضلہ تعالیٰ اب تک ایسے افراد بکثرت موجود ہیں ۔ جو ان کو قیام پاکستان سے پہلے وقتوں سے بخوبی جانتے پہچانتے ہیں اور ان کے سابقہ و موجودہ کردار سے اچھی طرح واقف ہیں ۔ "موجودہ جمعیتہ العلماء اسلام کانگریسی اور احراری علماء پر مشتمل ہے اور یہ قدیم جمعیتہ العلماء ہند کی پاکستانی شاخ ہے ۔ مفتی محمود صاحب ان لوگوں کے ساتھ شامل تھے ۔ جنہوں نے پاکستان کی شدید طور پر مخالفت کی ۔ یہاں تک کہ قائد اعظم کو کافر اعظم تک کہا ۔ مفتی محمود کے علاوہ غلام غوث ہزاروی صاحب بھی تحریک پاکستان کے مخالف اور کانگریس کے ہمنوا تھے ۔" (خواجہ ارشاد احمد حیدر آباد ۔ روزنامہ نوائے وقت مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۶۳ء)

"مولوی غلام غوث ہزاروی ۱۷ اگست ۱۹۴۷ء تک قائد اعظم اور نظریہ پاکستان کے مخالف تھے ۔ لاہور میں احرار کا وہ جلسہ جس میں قائد اعظم کو مظہر علی اظہر نے کافر اعظم کہا اس کے صدر بھی غلام غوث ہزاروی تھے ۔ وہ کبھی انکار نہیں کر سکیں گے ۔

کہ اُنہوں نے قائد اعظم اور مسلم لیگ کی آخری وقت تک مخالفت کی ۔ وزارتی مشن کی آمد کے دنوں میں احرار کانفرنس کے سالانہ اجلاس ہزارہ میں ان کا خطبہ، پاکستان کے خلاف انتہائی قہر و غضب میں ڈوبا ہوا تھا ۔ روزنامہ ترجمان احرار کے پرانے شماروں میں اس کی دستاویزی شہادت موجود ہے (حافظ لقاء اللہ ۔ گجرات) اس کے علاوہ آئے دن اخبارات و رسائل میں واقفان حال کے ایسے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں ۔ جن سے ایسے لوگوں کی نقاب کشائی ہوتی ہے ۔ اس کتاب میں ایسے مضامین کا حصر نہ مقصود ہے نہ ممکن بلکہ مقصود محض اظہار حقیقت ہے جو مندرجہ بالا حوالہ جات سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے ۔ لیکن تعجب تو اس بات پر ہے کہ یہی لوگ جو تحریک پاکستان کو ناکام بنا دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے ہیں ۔ قیام پاکستان کے بعد انہیں پناہ بھی پاکستان میں ہی نصیب ہوئی اور اب وہی پاکستان ہے جس پر یہ لوگ حکومت کرنے کے خواب تک دیکھنے لگے ہیں ۔ آج یہ ابن الوقت وہابی پاکستان کے بڑے غمخوار اور مسلمانوں کے سچے ہمدرد بن کر انہیں فریب دینا چاہتے ہیں ۔ اسلام کے علمبردار بن کر ان کی حمایت کے طلبگار رہیں اور اس کوشش میں ہیں کہ مسلمانوں کے ووٹ حاصل کر کے مسند اقتدار پر مسلط ہو جائیں ۔ شاید یہ ملت فروش وہابی اپنے سابقہ کردار کو فراموش کر چکے ہوں یا مصلحتاً فراموش کر دینا چاہتے ہوں مگر انہیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے ۔ کہ مسلم عوام نے ان کے کردار کو فراموش نہیں کیا ہے ۔ انہیں اچھی طرح یاد ہے کہ ان لوگوں نے مسلم لیگ کے مطالبۂ پاکستان کو دیوانے کی بڑ قرار دے کر اس کا مذاق اُڑایا تھا ۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کو شکست دینے کے جوش میں مسلم لیگ کو ووٹ دینا حرام قرار دے دیا تھا ۔ یہانتک کہ یہ عوام کے سچے ہمدرد اور اسلام کے علمبردار وہابی مولوی مسلم دشمنی میں اس قدر حد سے گذر گئے کہ مسلم لیگ کے حامی مسلمانوں کو کافروں سے بھی بدتر قرار دے

رہے تھے۔ محض اس جرم میں کہ مسلمان، مسلم لیگ کی قیادت میں حصول پاکستان کی جدّوجہد کیوں کر رہے ہیں۔ وہابیوں کے سرپرست ہندو لیڈروں کی دائمی غلامی پر کیوں رضامند نہیں ہوتے۔ وہابی مولویوں کی بات مان کر "اکھنڈ بھارت" قبول کیوں نہیں کر لیتے۔ ایک دردمند پاکستانی مسلمان بجا طور پر سوال کرتا ہے کہ "مفتی محمود کو اگر پاکستان اور اسلام سے ایسی ہی ہمدردی تھی تو انہوں نے متحدّہ قومیت کی حمایت کا نعرہ کیوں لگایا تھا اور پاکستان کے قیام کی زبردست مخالفت کیوں کی گئی تھی؟ پھر کیا یہ غلط ہے۔ کہ مفتی صاحب نے ایک فتوٰی بھی صادر فرمایا تھا کہ "ہندوستان کی تمام قوموں سے رشتے ناطے کرنا جائز ہے لیکن کسی مسلم لیگی سے کسی مسلمان لڑکی کا نکاح جائز نہیں"۔ (بحوالہ اخبار "آزاد" مورخہ ۱۵ اگست ۱۹۴۶ء اکرام الحق شیخ جوہر آباد۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۶۳ء) بشمول مفتی محمود صاحب اس سوال کا جواب دینا تمام وہابیہ کے ذمّے ہے۔

هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ۔

بحمدہٖ تعالیٰ۔ قیام پاکستان سے قبل۔ قیام پاکستان کے دوران اور قیام پاکستان کے بعد کے واقعات پر مشتمل ناقابل تردید حقائق کی روشنی میں وہابیوں کا مجموعی کردار واضح و مبرہن ہو چکا۔ اگرچہ مجھے اس کا بھی اعتراف ہے کہ ان کے متعلق کئی ایک پہلو مزید بحث طلب اور تشنہ رہ گئے ہیں مگر چونکہ خلاف توقع مضمون طویل ہو چکا ہے۔ لہٰذا مزید طوالت سے بچنے کی خاطر سردست اسی پر اکتفا کر رہا ہوں۔ اگر حالات نے اجازت دی اور عمر نے وفا کی تو انشاء اللہ تعالیٰ ان پہلوؤں پر ایک الگ تصنیف میں شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔ واللہ المستعان۔

آخر میں ملتجی ہوں۔ کہ مسلمانان پاکستان، قائدین ملک و ملّت اور ارباب حکومت۔ خدارا ان مٹھی بھر مار آستین وہابیہ کی سرگرمیوں پر ہمہ وقت کڑی نظر رکھیں تاکہ یہ لوگ اپنے مخصوص ہتھکنڈوں کے ذریعے اقتدار پر قابض ہو کر

مملکت پاکستان کو ریاستِ وہابیہ بنا دینے یا اس میں ناکامی کی صورت میں اپنے پرانے آقایان ولی نعمت بھارتی لیڈروں کے خواب "اکھنڈ بھارت" کو شرمندۂ تعبیر کر دینے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ وما علینا الّا البلاغ المبین۔

دُوسرا باب

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء اور تحریک پاکستان کے ہیرو

مشائخ وعلمائے اہلسنّت وجماعت (بریلویہ)

تفصیل میں جانے سے قبل اس امر کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ مشائخ و علمائے اہلسنّت وجماعت کے تذکرہ میں لفظ "بریلویہ" لکھنے سے فرقہ واریّت کا اظہار مقصود نہیں۔ بلکہ علماء سُوء اور علمائے حق میں امتیاز کی خاطر یہ لفظ لکھا جاتا ہے۔ چونکہ اسلام میں فتنوں کے ظہور کے وقت سے لیکر آج تک علماء سُوء اور علمائے حق میں مسلسل ٹکراؤ ہوتا رہا ہے اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ علمائے حق ہر مصلحت کو ٹھکراتے ہوئے حق پر قائم رہتے ہیں اور علمائے سُوء مفادات اور مصلحتوں کے پیش نظر حالات کے مطابق رُوپ بہروپ بدلتے رہتے ہیں۔ عوام کے سامنے جبّہ و دستار کی نمائش کر کے بڑے مخلص۔ انتہائی متّقی پرہیزگار اور پارسا بن کر آتے ہیں مگر یہ مصداق ع چوں بہ خلوت میروند آں کار دیگر می کنند۔ ان کا اصل مقصد عوام کو فریب دینا ہوتا ہے۔ اور عوام بھی نقل و اصل اور ملمّع و حقیقت میں استعدادِ امتیاز کی کمی کے باعث اکثر دھوکہ کھا جاتے اور نقصان اُٹھاتے ہیں۔ لہٰذا اظہار حقیقت کے پیش نظر موجودہ زمانہ میں علمائے حق کے تذکرے میں لفظ "بریلویہ" لکھنا ضروری ٹھہرا۔ نیز علمائے حق کو "بریلویہ" لکھنے

کی توجیہ یُوں ہے۔ کہ موجُودہ زمانہ میں امام وقت مجدّد دین و ملّت حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی نے سلف صالحین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عُلمائے حق کے کردار کو اپنایا اور آخری وقت تک علماءِ سُوء کے مقابلہ میں سینہ سپر رہے۔ اور اپنی خداداد قابلیّت سے شہر بریلی کو علماءِ حق کا مرکز بنا دیا۔ تو برّصغیر پاک و ہند میں علماءِ حق اور علماءِ سُوء وہابی مولویوں کا فرق ظاہر ہُوا۔ اور عموماً علمائے حق کی پہچان کے لئے انہیں بریلی سے نسبت دینا مروّج ہو گیا۔

عُرف عام میں جب علماءِ حق اہلسنّت وجماعت کو علماءِ بریلویہ اور دوسرے مولویوں کو وہابی سمجھا اور کہا جانے لگا۔ تو وہابی مولوی بڑے سٹپٹائے کہ اب اپنی وہابیت کو کیونکر چھپائیں۔ بہت پاپڑ بیلنے پر بھی جب یہ لوگ اپنی وہابیت کو نہ چھپا سکے تو بالآخر انہوں نے اپنی مخصوص "حکمت عملی" سے کام لیتے ہوئے خود کو اہلسنّت وجماعت کہلانا شروع کر دیا۔ چنانچہ اب وہابیہ کے تمام گروہ خواہ مقلّد ہوں یا غیر مقلّد اپنی تحریروں میں خود کو اہلسنّت وجماعت لکھ رہے ہیں۔ گویا یہ لوگ وہابیت کے کھوٹے سکّے کو کھرا ظاہر کر کے چلانا چاہتے ہیں۔ لیکن ان کی یہ کوشش بھی ناکام رہتی ہے۔ جبکہ اپنے متعلّق اہلسنّت وجماعت کے ساتھ لفظ "بریلویہ" کسی صُورت نہیں لکھ سکتے اور ان کا کھوٹ ظاہر ہو جاتا ہے۔ فھو المراد۔

اس ضروری وضاحت کے بعد اب آئیے اصل موضوع کی جانب۔

متحدہ ہندوستان میں جب انگریز نے سازشوں کے جال بچھا کر نہایت مکّاری کے ساتھ اپنے قدم جما لئے اور اس ملک کے باشندوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھانے شروع کئے تو باشندگانِ ہند کے دلوں میں فطری طور پر غاصب و ظالم انگریز کے خلاف شدید غم و غصّہ پیدا ہو گیا۔ اور نفرت بڑھنے لگی۔ شاطرانِ فرنگ نے جب مسلمانوں کے آخری شیر دل

مجاہد سلطان ٹیپو شہید کو اپنے راستہ سے ہٹا دیا۔ تو اب علمائے بریلی کے جانباز مجاہدین کے سوا ان کی مزاحمت کرنے والا کوئی نہ تھا اس لئے کہ سیّد احمد اور اسماعیل دہلوی کے پیروکار وہابی، غیر مقلدین (اہلحدیث) اور دیوبندی وہابی مولوی اپنے پیشروؤں کے مشن پر کاربند تھے اور انگریزی حکومت کی وفاداری کو اپنا نصب العین قرار دے چکے تھے چنانچہ اس کی تفصیل آپ پہلے باب میں پڑھ چکے ہیں۔ پس ایک طرف وہابی مولویوں کا وہ شرمناک کردار رہا۔ جو مذکور ہوا اور دوسری طرف علمائے حق اہلسنّت وجماعت کا یہ شاندار کردار رہا ہے۔ جو نہایت اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے۔ جن علمائے اہلسنّت نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بنیادی مجاہدانہ کردار ادا کیا اور اُس وقت حکومتِ برطانیہ کے خلاف مردانہ وار اعلانِ جہاد فرمایا۔ جبکہ انگریزوں کے ظلم و ستم اور جابرانہ قوّت کو دیکھ کر بڑے بڑے بہادروں کا پتّہ پانی ہوتا تھا اور وہابی مولوی حکمران انگریز کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خوشامد، چاپلوسی اور ان کی مدح سرائی میں مصروف تھے۔ انگریز کے خلاف جہاد کو ناجائز، حرام اور منسوخ قرار دے رہے تھے۔ برٹش گورنمنٹ کی حفاظت کے لئے مجاہدین آزادی کے خلاف سینہ سپر ہو کر لڑتے مرنے کو اپنے لئے سعادت دارین سمجھتے تھے۔ ان مجاہدین ملک و ملّت نامور علمائے اہلسنّت میں سے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا فیض احمد بدایونی، مولانا امام بخش صہبائی، مولانا رضی اللہ بدایونی، مولانا سیّد کفایت علی کافی مراد آبادی، مولانا سیّد مبارک شاہ رامپوری اور مولانا سیّد احمد اللہ شاہ (رحمہم اللہ علیہم) کے نام سرفہرست ہیں۔ ان اکابرین ملّت اور ان کے رفقاء کار نے انگریزوں کے خلاف جس شان سے علم جہاد بلند کیا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ان مجاہدین ملک و ملّت نے جنگ

آزادی میں جو نمایاں خدمات سر انجام دیں، وہ ہماری قومی تاریخ میں ایک شاندار سنہری باب کا اضافہ کرتی ہیں۔

برّصغیر پاک و ہند سے اجنبی اقتدار کو ختم کرنے کی جدّوجہد میں علمائے حق کے کارنامے انتہائی اہمیّت کے حامل ہیں۔ اس سلسلہ میں علمائے اہلسنّت نے جو تگ و تاز کی، جو مصائب برداشت کئے اور جن مشکلات سے دوچار ہوئے کوئی دوسرا طبقہ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ ان علمائے اہلسنّت نے اس دور اور ان حالات میں پرچم آزادی لہرایا اور اس وقت نعرۂ حریّت بلند کیا جب چاروں جانب ظلم و ستم کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ جبکہ آزادی کا نام لینے والے کی سزا پھانسی یا دریائے شور سے کسی صورت کم نہ تھی۔ اس پاکباز گروہ کے نزدیک حصول آزادی اور فرنگی اقتدار سے نجات حاصل کرنا ایک خالص مذہبی اور دینی مسئلہ تھا۔ اس لئے وہ ہر خطرہ سے بے نیاز ہو کر میدان جہاد میں کود پڑے ؎

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق　　　عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

یوں تو شمع آزادی کے ان پروانوں میں سے ہر ایک کی داستان، تاریخ کا ایک مستقل باب ہے۔ ان شیدایان ملک و ملّت کے مفصّل و مکمّل حالات قلمبند کرنے کے لئے ایک الگ مستقل تصنیف درکار ہے۔ اور اس کتاب میں چونکہ ابن الوقت وہابیہ کے کردار کے بالمقابل ان کے کردار کا تقابلی اظہار مطلوب ہے۔ لہٰذا ان شیران بیشۂ حریّت میں سے چند ایک کا ذکر مختصراً کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔ کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

کچھ لوگ تھے کہ وقت کے سانچوں میں ڈھل گئے
کچھ لوگ تھے کہ وقت کے سانچے بدل گئے

سفید فام و سیاہ دل انگریز کی کچہری میں مولانا فضل حق کا نعرۂ حق

"میں انگریزی حکومت کا باغی ہوں اور ہمیشہ باغی رہوں گا۔"

جب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی شروع ہوئی تو اس وقت مولانا فضل حق بمقام الور قیام پذیر تھے۔ وہیں رہ کر آزادی خواہ طبقہ کو منظّم کرتے اور اس سلسلہ میں نشر و اشاعت کے فرائض سر انجام دیتے رہے۔ اگست ۱۸۵۷ء میں دہلی تشریف لائے۔ اس اثناء میں بادشاہ بہادر شاہ ظفر سے ملتے اور ضروری مشورے کرتے اور مجاہدین آزادی اور سرکردہ لوگوں کے نام فرامین جاری فرماتے تھے۔ بالآخر ہمہ گیر پیمانہ پر جنگ آزادی شروع کرنے اور اس میں مسلمانوں کو شرکت پر آمادہ کرنے کے لئے باقاعدہ ایک فتویٰ مولانا موصوف کے ایماء اور مشورہ سے مرتّب کیا گیا جس پر ہم عصر علماء کے دستخط لئے گئے۔ یہی فتویٰ مولانا کی گرفتاری کا سبب بنا۔ مورخہ ۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو انگریزی فوج نے شہر دہلی کو فتح کر لیا اور خونریزی کا بازار گرم کر دیا تھا۔ مولانا کا بیان ہے کہ وہ دہلی پر انگریزی افواج کی فتح کے بعد پانچ روز مکان میں بند رہے اور اس دوران انہیں کھانے پینے کی کوئی چیز نہ ملی۔ پانچ روز کے بعد اپنے اہل و عیال کے ہمراہ بھوکے پیاسے رات کی تاریکی میں چھپ چھپا کر نکلے اور سخت تکلیف کے مراحل طے کرتے ہوئے ضلع علی گڑھ کے ایک مقام بھیکن پور پہنچے۔ وہاں پورے اٹھارہ دن چھپے رہے۔ آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالحق بھی آپ کے ہمراہ تھے اٹھارہ روز کے بعد بھیکن پور کے عبدالشکور خان نے سانکدرہ کے گھاٹ سے جو بھیکن پور سے آٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے انہیں دریا کے پار پہنچا دیا۔ اور کچھ مدّت اسی طرح چھپے رہے۔ جب ملکہ وکٹوریہ نے عام معافی کا اعلان کیا تو مولانا اس اعلان پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے وطن خیر آباد تشریف لے

گئے۔ فرماتے ہیں "مجھے اس بات کا بالکل خیال نہ رہا۔ کہ بے ایمان کے عہد و پیمان پر بھروسہ اور بے دین کی قسم و حلف پر اعتماد کسی صورت میں بھی درست نہیں خصوصاً جب وہ بے دین آخرت کی جزاء و سزا کا بھی قائل نہ ہو۔" (الثورۃ الہندیہ) کچھ دن تو خیر آباد میں اطمینان سے گذر گئے۔ پھر دو آدمیوں نے مخبری کی اور مولانا کو ان کے مکان سے گرفتار کر لیا گیا۔ اور مقدمے کے لئے لکھنؤ لائے گئے۔ بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہیں ۱۸۵۸ء میں سیتاپور سے لکھنؤ لایا گیا اور ان پر سلطنت مغلیہ سے وفاداری، فتوائے جہاد کے اجراء اور انگریز کے خلاف بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ مولانا اپنا مقدمہ خود ہی لڑتے اور سرکاری وکیل سے بحث کرتے تھے ان کے بیانات سن کر اسیسر (ان) نے رہا کر دینے کا مشورہ دیا۔ ایک روز مولانا نے عدالت کے سامنے مخبر کی خود ہی تصدیق کر دی۔ اور کہا فتویٰ فی الواقع میں نے ہی دیا تھا۔ گواہ نے میرے خلاف پہلے بیان میں سچ کہا تھا۔ اب وہ میری صورت دیکھ کر مرعوب ہو گیا ہے اور اپنے پہلے بیان سے جو صحیح تھا۔ منحرف ہو گیا ہے۔ فتویٰ میرا ہی لکھا ہوا ہے۔ اور اس وقت جبکہ عدالت میں کھڑا ہوں۔ وہی رائے رکھتا ہوں جو فتویٰ میں ظاہر کی گئی ہے۔ میں انگریزی حکومت کا باغی ہوں اور ہمیشہ باغی رہوں گا۔" انگریز جج اور حاکم کی عدالت میں مولانا کا مقدمہ تھا اس کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں "میرا معاملہ ایسے حاکم کے سپرد کر دیا گیا ہے جو مظلوم پر رحم کرنا ہی نہ جانتا تھا اس ظالم نے میری جلا وطنی اور عمر قید کا فیصلہ کر دیا۔" مولانا کو عمر قید بہ عبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔ ان کی تمام کتابیں بحق سرکار ضبط کر لی گئیں۔ جائداد بھی ضبط کر لی گئی اور پوری املاک منقولہ و غیر منقولہ سے محروم قرار دے کر انگریزی حکومت نے مولانا کے اہل و عیال کو رہائشی مکان سے بھی نکال باہر کیا۔ مولانا کی ہر چیز پر قبضہ کر کے انہیں "کالا پانی" بھیج دیا گیا۔ "کالے پانی" میں مولانا کو سخت اذیت ناک سزائیں دی گئیں۔ آپ نے

پوری زندگی آرام و راحت اور رئیسانہ ٹھاٹھ سے گذاری تھی۔ لیکن اب وہ محض جرم آزادی کی پاداش میں ہر قسم کا تشدد برداشت کر رہے تھے اور انتہائی تکلیف میں مبتلا تھے۔ مولانا سے پہلے علماء کی خاصی تعداد وہاں موجود تھی ان حضرات کو بھی انگریزوں نے اسی جرم بغاوت میں وہاں بھیجا تھا۔ جنمیں مفتی عنایت احمد کاکوروی اور مفتی مظہر کریم دریابادی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ یہ لوگ اپنے دور میں بڑے علماء و فضلاء میں شمار ہوتے تھے۔ لیکن وہاں کی زندگی بدرجۂ غایت تکلیف دہ اور المناک تھی۔ مولانا خود وہاں کے حالات کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں "آب و ہوا ناموافق، پہاڑی علاقہ۔ اس میں دشوار گذار گھاٹیاں اور راتیں وہاں کی دوپہر کی طرح تپتی ہوئی۔ نسیم سحر گرم و تیز ہوا سے بھی زیادہ سخت۔ غذا حنظل سے زیادہ کڑوی۔ پانی سانپوں کے زہر سے بڑھ کر ضرر رساں۔ اس کے سنگریزے بدن کی پھنسیاں۔" وہاں کے قید خانے کے بارے میں فرماتے ہیں "ہر کوٹھری پر چھپر۔ جس میں تکلیف و مرض بھرا ہوا۔ چھتیں ٹپکتی ہیں۔ بیماری عام و ارزاں۔ خارش بے حد و حساب۔ آرام مفقود۔ علاج کی سہولتیں ختم۔ صحت و تندرستی کو باقی رکھنے کی تمام صورتیں غائب۔ زخم ہو جائے تو اندمال کی کوئی شکل نہیں۔"

مولانا کالے پانی گئے تو انہیں سخت مشقت کا کام دیا گیا۔ ان کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ راستوں کی صفائی کریں۔ اور کوڑا کرکٹ اٹھا کر دور لے جا کر پھینکیں۔ ان کے کپڑے اتروائے گئے۔ اوڑھنے کے لئے صرف ایک تہبند اور ایک چادر دی گئی۔ پاؤں میں جوتا پہننے کی بھی اجازت نہ تھی۔ وہاں کے سپرنٹنڈنٹ کے پاس علمی خدمات کے لئے ایک عالم دین مقرر تھے۔ ایک روز سپرنٹنڈنٹ صاحب کے پاس علم ہیئت کی ایک قلمی کتاب آئی۔ اس عالم دین سے اس نے کہا کہ اس کتاب کی عبارت درست کر دیں۔ مگر وہ اچھی طرح یہ کام نہ کر سکے اور کتاب مولانا فضل حق صاحب کے پاس لے آئے۔ مولانا نے اس کتاب کی عبارت بھی درست

کردی۔ اور مشکل مقامات پر حواشی بھی لکھ دئے اور اس موضوع پر مختلف کتابوں کے حوالے بھی دے دئے۔ جب سپرنٹنڈنٹ پر یہ راز کھلا۔ کہ مولانا بہت بڑے عالم اور بالغ النظر بزرگ ہیں۔ تو اُس نے ان کی مشقّت ختم کردی جس سے مولانا کو کچھ سہولت مل گئی۔ مولانا مورخہ ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۹ اگست ۱۸۶۱ء کو ۶۶ برس کی عمر پاکر دُنیائے فانی سے عالم جاودانی کو سدھار گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ (رضائے مصطفٰے۔ گوجرانوالہ۔ ۱۷ صفر ۱۳۸۶ھ)

مولانا موصوف کی ذات گرامی بحیثیت ایک جیّد عالم اور مجاہد ملّت ہونے کے اس قدر بلند مقام رکھتی ہے۔ کہ اس کے اعتراف پر بیگانے بھی مجبور ہیں۔

مجاہد ملّت مولانا فضل حق کے متعلق فاضل دیوبند مولوی مستقیم احسن کا اعترافِ حقیقت —— ملاحظہ ہو:۔

ایک جانباز، حق گو بہادر اور جامع کمالات شخصیّت جس کی آزاد روح نے انگریز کا احسان اُٹھانا پسند نہ کیا: "بُرا ہو تاریخ کا اس نے اپنے حافظہ سے ایسی ایسی جانباز، حق گو، بہادر اور جامع کمالات شخصیّتوں کو نکال پھینکا۔ جنہوں نے اپنے دور میں وقت کے تیز و تُند طوفانوں سے بےخوف و خطر ٹکّر لی۔ اور پیٹھ نہیں دکھائی۔ مولانا فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ کے ان جوانمرد اور نڈر مجاہدین میں سے تھے۔ جن کی جُرأت و ہمّت اور حق گوئی و بیباکی نے دُنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ مگر تاریخ کے صفحات میں ان کو شایان شان کیا کوئی معمولی جگہ بھی نہیں مل سکی۔ مولانا فضل حق خیرآبادی ۱۷۹۷ء میں قصبہ خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۸۶۱ء میں جزیرۂ انڈمان میں بحالت نظر بندی وفات پائی۔ یہ زمانہ مسلمانوں کے لئے بڑا ہی پُرفتن اور پُرخطر تھا۔ ممکن ہے جسے صرف اپنی فکر رہی ہو۔ وہ کسی قدر مطمئن بھی رہا ہو۔ مگر اس شخص کو کسی طرح بھی

اطمینان کا سانس لینا نصیب نہیں تھا جو اپنے بعد ہندوستان کو بیرونی تسلّط سے پاک اور اسلام کو باقی رکھنا چاہ رہا ہو اور اپنی ہی طرح اپنے اہل و عیال کو بھی اسلامی تہذیب و تمدّن میں دیکھنا چاہتا رہا ہو۔

ہندوستان پر دن بہ دن انگریزوں کا قبضہ ہوتا جا رہا تھا۔ اور مسلمانوں کی قوّت و سطوت پاش پاش ہوتی جا رہی تھی۔ اور سب سے بڑی ٹریجڈی یہ تھی کہ ابھی تک مسلمانوں کو اس کا احساس تک نہیں ہو سکا تھا اور ان کی آنکھیں کھلتی تو کیا وہ اور بھی غفلت کی نیند سوتے جا رہے تھے۔ ایسی حالت تھی جس پر کسی نے کہا تھا ؎

واۓ ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا   کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

ہندوستان میں مسلمانوں کے اقتدار میں ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی سے گھن لگنا شروع ہوا۔ مولانا مرحوم کی ولادت کے سال ۱۷۹۷ء میں میسور کی جنگ چھڑی اور ننگِ دین، ننگِ وطن میر صادق کی غدّاری اور دغابازی نے شیر میسور سلطان ٹیپو کو جام شہادت نوش کرا دیا۔ اس شیر کی شہادت سے پورے ملک کے مسلمانوں میں مایوسی کی ایک لہر دوڑ گئی اور ان کے حوصلے اور ولولے سرد پڑ گئے۔ اس کے بعد بھی متعدّد واقعات پیش آئے۔ جن سے ان کی ساری قوّت ختم ہوگئی۔ پھر ۱۸۰۶ء میں جب اکبر بادشاہ ثانی کی تخت نشینی عمل میں آئی تو رہی سہی شان و شوکت بھی تھا کہ [illegible] ہوگئی۔ اقتدار والوں کو تو اپنا اقتدار عزیز تھا یا اپنی جان اور اولاد کی فکر تھی لیکن علمائے اسلام اور اولیائے عظّام کو ملک کے ساتھ ساتھ اس اسلام کے مستقبل کی فکر تھی جو ان کی نظر میں دُنیا کی ہر شئے سے عزیز تھا۔ اور اب جو اپنے قدیم ترین دُشمن کے ہاتھوں میں مجبور اور لاچار نظر آ رہا تھا۔ حسّاس انگریزوں نے ماتھے کی لکیریں پڑھ لیں۔ کہ مقتدر طبقہ سے زیادہ ان مولویوں اور مُلّاؤں کا خوف ہے جو اسلام کی حقّانیت پر اور اس کے بقاء کے لئے پروانہ وار نثار ہو

رہے ہیں ۔ علامہ فضل حق خیر آبادی نے انگریزوں کے خلاف فتویٰ دے کر
مسلمانوں کو عدم تعاون پر تیار کیا ۔ لیکن بالآخر انگریزوں کا قبضہ ہو کر رہا اور
ان بہادران ملک و ملت کے ساتھ انگریزوں نے وہ سلوک کیا کہ اس دور
تہذیب و تمدن میں اس پر شرم سے ان کی اپنی گردن جھک جاتی ہے ۔ علماء و
اُمراء اور خواص و عوام کی تباہی کی داستان بڑی طویل ہے ۔ لاتعداد مجاہدین
کو تختہ دار پر چڑھایا گیا ۔ سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد کو گوڑگاؤں وغیرہ
میں قربانی کے جانوروں کی طرح ذبح کیا گیا ۔ کتنے ننھے بچوں کو پیروں تلے رونڈا
گیا اور کتنی عفیف بیبیاں ان کے منہ کی سیاہی کا سامان بنیں ۔ ہزاروں کی
تعداد میں ہندوستانی باشندوں کو جلاوطن کر دیا گیا ۔ سیّد اسماعیل حسین
منیر شکوہ آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مفتی مظہر کریم دریابادی وغیرہم
کے لئے کالے پانی کی سزا تجویز ہوئی ۔

مولانا فضل حق خیر آبادی بھی باغی قرار دئے گئے ۔ سلطنت مغلیہ کی
وفاداری، فتوائے جہاد اور جرم بغاوت میں مولانا ماخوذ کر کے سیتاپور
سے لکھنؤ لائے گئے ۔ مقدمہ چلا ۔ مولانا موصوف کے فیصلے کے لئے جیوری بیٹھی
ایک اسپیسر نے واقعات سن کر بالکل چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا ۔ سرکاری وکیل
کے مقابل مولانا خود بحث کرتے تھے ، بلکہ حالت یہ تھا کہ جتنا الزام اپنے اُوپر
خود قائم کئے اور پھر مثل تار عنکبوت عقلی و قانونی دلائل سے توڑ دئے ۔ جج
نے صدر الصدور کے عہد میں مولانا سے کچھ عرصہ کام بھی سیکھا تھا اور وہ
مولانا کی عظمت و تبحر سے بھی واقف تھا وہ دل سے چاہتا تھا کہ مولانا بری ہو
جائیں ۔ کرے تو کیا کرے ۔ ظاہر یہ ہو رہا تھا کہ مولانا بری ہو جائیں گے ۔ سرکاری
وکیل لاجواب تھے اور پیروکار مقدمہ منشی کرم احمد خیر آبادی نے خیر آباد
میں خط بھی لکھ دیا تھا کہ انشاءاللہ مولانا بری ہو جائیں گے ۔ اب آپ
مولانا کی آمد کا انتظار کریں ۔ مولانا کا یہ انداز دیکھ کر جس مخبر نے فتویٰ کی

خبر پہنچائی تھی اس نے اپنے بیان کی تکذیب کر دی اور یہ کہا کہ فتویٰ دینے والے
یہ فضل حق نہیں ہیں ۔ بلکہ وہ کوئی دوسرے شخص ہیں لیکن شیر اپنی ایک گھنٹہ
کی زندگی پر گیدڑ کی سو سالہ زندگی کو کبھی ترجیح نہیں دے سکتا ۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی — اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

دوسرے دن جو فیصلہ کا دن تھا ۔ مولانا نے اپنے اُوپر عائد کئے گئے ۔ تمام
الزامات کو ایک ایک کر کے رد کر دیا ۔ لیکن فتویٰ جہاد کی تصدیق کی ۔ فرمایا "پہلے
گواہ نے سچ کہا تھا ۔ اور رپورٹ بالکل صحیح لکھوائی تھی ۔ اب عدالت میں میری
صورت دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور جھوٹ بول گیا ہے ۔ وہ فتویٰ صحیح ہے ۔ میرا
لکھا ہوا ہے ۔ اور آج اس وقت بھی میری یہی رائے ہے ۔" مولانا کا یہ اقرار
سن کر جج تڑپ کر رہ گیا ۔ مگر اب گنجایش ہی کیا باقی رہ گئی تھی ۔ عدالت نے
حبس دوام کا فیصلہ سنا دیا ۔ اور آپ نے کمال مسرت و خندہ پیشانی سے اس
فیصلۂ سزا کو سنا ۔ بس پھر کیا تھا ۔ آپ جزیرۂ انڈیمان روانہ کر دئے گئے ۔
کیونکہ انگریزوں کے مذہب میں حق گوئی و راست بازی ایسا جرم ہے جو کبھی
معاف نہیں ہو سکتا ۔

مولانا جس دن انڈیمان روانہ کئے گئے ۔ اسی دن مولانا کے صاحبزادوں
اور اعزاء نے مولانا کی رہائی کے لئے اپیل دائر کر دی تھی ۔ وہ اپیل ڈھائی
سال کے بعد ۱۸۶۱ء میں منظور ہو گئی ۔ رہائی کا پروانہ حاصل کر کے علامہ کے بڑے
صاحبزادے مولانا شمس الحق صاحب انڈیمان روانہ ہوئے ۔ وہاں جہاز سے
اُتر کر شہر میں گئے ۔ تو دور ہی سے ایک جنازہ نظر پڑا جو بڑی دھوم دھام سے
چلا آ رہا تھا اور اس کے پیچھے ایک جم غفیر تھا ۔ قریب پہنچ کر دریافت کیا ۔ تو
معلوم ہوا کہ کل ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۱ء کو ہندوستان کے مجاہد جلیل حضرت
مولانا فضل حق خیر آبادی واصل بحق ہو گئے ۔ اب سپرد خاک کرنے جا رہے ہیں ۔
مولانا کے صاحبزادے بھی بصد حسرت و یاس شریک تدفین ہوئے اور ناکام

واپس لوٹ آئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مولانا کی رُوحِ آزاد نے شاید اس کو پسند نہیں کیا کہ وہ انگریزوں کا احسان اُٹھا کر پھر دوبارہ اس محکوم اور غلام ملک میں جائیں اور اپنی آنکھوں سے اسلام کی تباہی و بربادی اور وطن عزیز کی تاراجی دیکھیں۔" (رسالہ "خدّام الدین" - لاہور - ۲۳ نومبر ۱۹۶۲ء)

ناظرین بابِ اوّل میں وہابی مولویوں کے کردار کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ اب انصاف سے کہیں کہ آیا ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نظر آتا ہے۔ کہ جسے حق پرستی، حق گوئی اور اسلام دوستی کے معیار پر پورا اور دُرست کہہ سکیں۔ کیا ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا ہے۔ جسے اہلسنّت وجماعت کے دیگر علمائے حق سے قطع نظر کر کے صرف ایک مردِ حق علّامہ فضل حق علیہ الرحمۃ کے مقابل کھڑا کیا جا سکے۔؟ ممکن ہے کہ کوئی وہابی صاحب اپنی مخصوص "حکمتِ عملی" کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہہ دے کہ مولانا فضل حق وہابی تھے۔ لہٰذا اس خدشہ کے پیشِ نظر یہ وضاحت کر دینا مناسب بلکہ انتہائی ضروری سمجھتا ہوں کہ بحمدہٖ تعالیٰ

علّامہ فضل حق خیرآبادی پکّے اہلسنّت وجماعت اور وہابیوں کے سخت مخالف تھے

علّامہ فضل حق خیرآبادی پکّے اہلسنّت وجماعت اور وہابیوں کے سخت مخالف تھے: - حضرت علّامہ مرحوم ومغفور کے وہابی نہ ہونے کا اس سے بڑا اور کونسا ثبوت ہو سکتا ہے۔ کہ آپ بفضلہ تعالیٰ اسلام کے سچّے شیدائی، حق پرست، حق گو اور دین کی خاطر دُنیا کو ٹھکرانے والے بے مثال مجاہد تھے۔ اور یہ وہ صفات ہیں۔ جو وہابیت کی ضدّ ہیں۔ ان صفات کا کسی وہابی میں ہونا محال وناممکن ہے کہ اجتماعِ ضدّین کا محال ہونا بدیہیات میں سے ہے۔ پھر اس کے علاوہ مولانا موصوف کے وہابی نہ ہونے کے ثبوت میں ناقابلِ تردید شواہد بھی موجود ہیں لیجئے ملاحظہ فرمائیے:-

مولانا فضلِ حق خیرآبادی کے وہابی نہ ہونیکے ثبوت میں مرزا غالب کی گواہی

مرزا غالب - مرزا رحیم بیگ کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں "فخر الفضلاء -

ختم العلماء - امیر الدولہ مولوی محمّد فضل حق رحمۃ اللہ علیہ نے ردِّ عقائد وہابیہ میں بزبان فارسی ایک رسالہ (امتناع النظیر) لکھا ہے اور اس عہد کے علماء کی اس پر مہریں ہیں۔" (نادر نگارشات غالب ص۷۷)

مولانا فضل حق خیرآبادی کی فرمائش پر مرزا غالب نے عقائد وہابیہ کے رَدّ میں نظم لکھی

مولانا فضل حق خیرآبادی کی فرمائش پر مرزا غالب نے عقائد وہابیہ کے رَدّ میں نظم لکھی: - مولوی الطاف حسین حالی کا بیان ہے کہ "مولانا فضل حق، مرزا کے بڑے دوست تھے۔ چونکہ مولانا کو وہابیوں سے سخت مخالفت تھی۔ انہوں نے نہایت اصرار کے ساتھ یہ فرمائش کی کہ فارسی میں وہابیوں کے خلاف ایک مثنوی لکھ دو جس میں "امتناع نظیر" کے مسئلہ کو بیان کرو۔ اس مسئلہ میں مولانا اسماعیل[1] کی یہ رائے تھی۔ کہ خاتم النّبیّین کا مثل ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے۔ برخلاف اس کے مولانا فضل حق کی یہ رائے تھی کہ خاتم النّبیّین صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مثل ممتنع بالذات ہے۔ لاچار مرزا نے ایک مثنوی جو کہ ان کے کلیات میں مثنویات کے سلسلہ میں چھٹی مثنوی ہے۔ لکھ کر مولانا کو سُنائی۔ اُنہوں نے بے انتہا تعریف کی۔ مرزا نے اس مضمون کو اس طرح نظم کیا ہے ؎

یک جہاں تا ہست یک خاتم بس است — قُدرتِ حق را نہ یک عالم بس است

خواہد از ہر ذرّہ آرد عالمے — ہم بود ہر عالمے را خاتمے

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود — رحمۃ اللعالمینے ہم بود

کثرتِ ابداعِ عالم خُوب تر — یا بہ یک عالم دو خاتم خُوب تر

در یکے عالم دو تا خاتم مجو — صد ہزاراں عالم و خاتم بگو

غالب ایں اندیشہ نپذیرم ہمے — خردہ ہم بر خویش میگیرم ہمے

اے کہ ختم المرسلینش خواندۂ — دانم از رُوئے یقینش خواندۂ

---

[1] یہ اسی وہابی مولوی اسماعیل دہلوی کا ذکر ہے۔ جو سید احمد رائے بریلوی کا ساتھی اور "تقویۃ الایمان" کا مصنّف ہے۔ (مؤلّف)

این الف لامے کہ استغراق راست | حکم ناطق معنئے اطلاق راست
منشاءِ ایجادِ ہر عالم یکے ست | گر دو صد عالم بود خاتم یکے ست
منفرد اندر کمالِ ذاتی است | لاجرم مثلش محال ذاتی است

زیں عقیدت بر نہ گردم والسلام
نامہ را در مے نوردم والسلام (یادگارِ غالب ص۱۱ ملخصاً)

مولانا فیض احمد بدایونی ودیگر علمائے اہلسنّت وجماعت کا مثالی

جذبۂ جہاد :- ناظرین باب اوّل میں وہابی مولویوں کی انگریزوں کی فدویانہ خدمات اور برطانوی حکومت سے وفاداری اور جان نثاری کی کیفیت ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں علمائے اہلسنّت کا شاندار اور بلند کردار بھی دیکھیں اور دیانت داری وغیر جانبداری کے ساتھ فیصلہ کریں۔ کہ تحریک آزادی کے ہیرو اور راہنما علمائے اہلسنّت وجماعت ہیں۔ یا ابن الوقت وہابی مولوی!

"مولانا فیض احمد بدایونی نے بریلی اور آگرہ میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ اور مسلمانوں کو انگریزی اقتدار سے نجات حاصل کرنے کے لئے ولولہ انگیز تقریریں کی۔ جن سے عوام میں تحریک آزادی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اور روہیل کھنڈ کے عوام جہاد آزادی کے لئے میدان جہاد میں کود پڑے۔ اسی طرح دیگر علمائے کرام۔ مفتی عنایت احمد کاکوروی، مفتی محمد عوض بدایونی اور مولانا کافی مرادآبادی نے تمام عمر انگریزوں کے خلاف جہاد میں گزار دی۔" (ہفت روزہ "اقدام" لاہور ۲۶ مئی ۱۹۶۳ء)

مجاہد اعظم مولانا سیّد کفایت علی کافی مرادآبادی شہید

آپ نے انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا اور مسلمانوں کو اپنی شعلہ

بیانی سے جہاد کے لئے ہر قسم کی قربانیاں دینے کی تلقین کی جس کی وجہ سے انگریزوں کے خلاف جہاد کی تحریک زور پکڑ گئی۔ انگریزی حکومت نے آپ کو بغاوت کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ مگر آپ کے جذبۂ جہاد اور جوش آزادی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ آپ نے انگریزوں کی عدالت میں بھی صاف کہدیا۔ کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ آزادی کی خاطر جہاد کرے اور انگریزوں کو ملک سے نکال دینے کی خاطر کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرے۔ چنانچہ حکومت برطانیہ نے انہیں سزائے موت سنائی۔ اور پھانسی پر چڑھا دیا۔ آپ نہایت بشاشت کے ساتھ خوشی سے جھومتے ہوئے تختہ دار پر آئے اور کلمہ شہادت پڑھا اور عشق رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ اشعار بلند آواز سے پڑھتے ہوئے جام شہادت نوش فرما گئے ؎

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائیگا | پر رسول اللہ کا دینِ حسن رہ جائیگا
اطلس و کمخواب کی پوشاک پر نازاں ہو | اس تنِ بیجان پر خاکی کفن رہ جائیگا
سب فنا ہو جائیں گے کافی ولیکن حشر تک | نعتِ حضرت کا زبانوں پر سخن رہ جائیگا

(الثورۃ الهندیہ)

الغرض جس وقت سنّی علماء حق، فرنگی اقتدار کو ختم کر دینے کی خاطر مصروف جہاد تھے۔ وہابی مولوی فرنگی اقتدار کے استحکام کے لئے سردھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ تحریک جہاد کو "شر" و "فساد" کہہ رہے تھے۔ مجاہدین آزادی کے خلاف برسرپیکار تھے اور انگریزوں کے خلاف جہاد کو حرام قرار دے رہے تھے اور دنیاوی مفادات حاصل کرنے کی خاطر قرآن و حدیث میں تحریف کر کے اپنی وہابیت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ غیر مقلد وہابیہ کا پیشوا نواب صدیق حسن خان بھوپالی صاف طور پر لکھتا ہے "جتنے لوگوں نے غدر (۱۸۵۷ء) میں شر و فساد کیا اور حکّام انگلشیہ سے برسرعناد ہوئے۔ وہ سب کے سب مقلدان مذہب حنفیہ تھے نہ متبعان حدیث نبوی" (ترجمان وہابیہ ص۲۶)

تحریک پاکستان اور علمائے اہلسنّت وجماعت بریلویہ

سرتاج علمائے حق مولانا شاہ احمد رضا خان

سرتاج علمائے حق اعلیحضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ملک کی گندی اور مخلوط سیاست سے دامن بچاکر پاکیزہ سیاست کو اپنایا۔ اسلام کی برتری اور مسلمانوں کی بہتری کے لئے ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ مسلم لیگ نے بعد میں جو "دو قومی" نظریہ پیش کیا۔ اعلیحضرت بریلوی بہت پہلے اس کی نشاندہی فرما چکے تھے۔ جب آپ کے سامنے گاندھی کی آندھی چلی اور بڑے بڑے دیوبندی و دیگر وہابی مولویوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ تو اس وقت آپ نے فتنۂ گاندھوی کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور مسلمانوں کو ہندوؤں کی سازشوں سے خبردار کیا۔ اسلام واہل اسلام کے خلاف کانگریس کے ناپاک عزائم کو اعلیحضرت مجدد دین وملت نے اپنی چشم بصیرت و نورِ فراست سے اس وقت بھانپ لیا تھا۔ جبکہ آگے چل کر پاکستان کے ہونے والے بڑے بڑے سیاسی لیڈر ابھی خود کانگریس میں شامل تھے۔ بعد میں رفتہ رفتہ انکی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے کانگریس و فتنۂ گاندھوی کی اسلام کش پالیسی دیکھ کر اس سے کنارا کیا اور پھر مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے عروج کا دور شروع ہوا جب آپ پر گاندھی کے چیلوں اور کانگریسی وہابیوں نے خالص اسلامی احکام کی توضیح کی بناء پر انگریز کی خوشنودی کا الزام لگایا تو اعلیحضرت بریلوی نے فرمایا۔ "مسلمان کو خدا لگتی کہنی چاہیئے۔ ہندوؤں کی غلامی سے چھڑانے کو جو فتاویٰ اہلسنت نے دئے۔ کلام الٰہی واحکام الٰہی بیان کئے تو یہ ان (کانگریسیوں) کے دھرم میں انگریزوں کو خوش کرنے کو ہوئے؟ اور وہ جو پیر نیچریت (سرسید احمد) کے دور میں نصرانیت کی غلامی اونچی تھی جسے اب آدھی صدی کے بعد لیڈر رو تے بیٹھے ہیں۔ کیا اس کا رد علمائے اہلسنت نے نہ کیا؟ وہ کس کے خوش کرنے کو تھا؟ کیا بکثرت رسائل و مسائل اس کی رد میں نہ لکھے گئے۔ حتیٰ کہ اس کے بچے ندوے کے رد میں پچاس سے زائد رسائل شائع کئے جن میں جابجا اس نیم نصرانیت کا بھی رد ہے یہ کس کے خوش کرنے کو تھا؟

اظہار مسائل میں خادمان شرع کا مقصود کسی مخلوق کی خوشی نہیں ہوتا۔ صرف اللہ عزّوجلّ کی رضا اور اس کے بندوں کو اس کے احکام پہنچانا، وللہ الحمد۔ سُنئے ہم کہیں واحد قہار اور اس کے رسولوں اور آدمیوں سب کی ہزار در ہزار لعنتیں جس نے انگریزوں کے خوش کرنے کو مسئلہ نکالا ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی کہہ لیجئے کہ اللہ واحد قہار اور اس کے رسولوں اور ملائکہ اور آدمیوں سب کی ہزار در ہزار لعنتیں ان پر جنھوں نے خوشنودئ مشرکین کے لئے تباہئ اسلام کے مسائل دل سے نکالے۔ اللہ عزّوجل کے کلام واحکام تحریف وتغیّر سے کایا پلٹ کر ڈالے۔ شعائر اسلام بند کیئے۔ شعائر کفر پسند کیئے۔ مشرکوں کو امام وہادی بنایا۔ ان سے وداد واتحاد منایا" (المحجۃ المؤتمنہ)۔ ہر شخص اس تحقیق سے اعلیحضرت بریلوی کی صداقت اور بالغ نظری کا اندازہ لگا سکتا ہے۔

"جب انگریز ملک چھوڑنے پر مجبور ہوا اور ہندو سامراج نے مسلمان قوم کو غلام بنانے کی سازشیں شروع کیں۔ تو مسلمان کہلانے والے جمعیت احرار اور جمعیۃ علمائے ہند نے کانگریس کا ساتھ دے کر پاکستان کی بنیاد کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا۔ یہ ان کی پرانی روایات تھیں ان لوگوں نے قائد اعظم کو کافر اعظم تک کے فتوے لگائے اور مسلم لیگ کو ختم کرنے کی ہزاروں کوششیں کیں۔ چنانچہ احراریوں کی سازش سے ہی مسلم لیگی رضاکار محمد صدیق نامی شہید ہوئے۔ ان لوگوں نے آخری دم تک پاکستان کی مخالفت کی۔

علمائے حق نے جہاں ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں ہزاروں قربانیاں دیں۔ وہاں تحریک پاکستان میں بھی حضرات مشائخ عظام اور علمائے کرام کا بڑا دخل ہے۔ ان تمام حضرات نے مسلم لیگ کے پرچم تلے رہ کر اپنی انتھک کوششوں سے قائد اعظم کی اعانت کی۔ چنانچہ حضرت پیر صاحب زکوڑی شریف، صاحبزادہ غلام محی الدین صاحب گولڑہ شریف، حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری، حضرت پیر صاحب مانکی شریف، خواجہ نظام الدین صاحب تونسہ شریف

وغیرہم نے جدّ و جہد آزادی میں جو نمایاں خدمات انجام دیں وہ روزِ روشن کی طرح واضح ہیں۔ ان کے علاوہ مبلّغ اسلام علاّمہ عبدالعلیم صاحب قادری میرٹھی نے مسلم لیگ کی طرف سے کئی ممالک کا دورہ کرکے پاکستان کی اہمیّت دنیا پر واضح کی اور سفیر اسلام مشہور ہوئے۔ مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی۔ مولانا ابوالحسنات مرحوم (ناظم حزب الاحناف لاہور) مولانا محمّد یوسف صاحب سیالکوٹی۔ مولانا عبدالغفور صاحب سیالکوٹی۔ مولانا عبدالغفور صاحب ہزاروی۔ مولانا محمّد بشیر صاحب مدیر قاہِ طیبہ کوٹلی لوہاراں۔ مولانا محمّد عارف اللہ صاحب میرٹھی نے تمام ملک کا دورہ کرکے سوئے ہوئے مسلمانوں کو بیدار کیا۔ یہاں تک کہ ان مقتدر علمائے کرام کا وفد کشمیر میں بھی گیا اور محاذ کشمیر پر مجاہدین کو کافی خوراک پہنچائی۔ مخدوم سیّد شوکت حسین سجادہ نشین موسٰی پاک شہید نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے تحریک آزادی میں حصّہ لیا۔" (ہفت روزہ اقدام لاہور۔ ۲۶ مئی ۱۹۶۳ء)

صدرالافاضل مولانا حکیم محمّد نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اعلحضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ آپ نے کئی پارسیوں اور آریہ پنڈتوں سے مناظرے کئے۔ جن میں بفضلہ تعالیٰ آپ کو شاندار کامیابیاں نصیب ہوئیں۔ قرارداد لاہور کے بعد جب تحریک پاکستان کا آغاز ہوا۔ تو آپ بھی میدانِ عمل میں آئے۔ اور پاکستان کی حمایت میں تقریریں کرتے رہے۔ آپ نے ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سُنّی کانفرنس شہر بنارس میں منعقد کرکے تمام علمائے اہلسنّت وجماعت کو ایک اسٹیج پر جمع کیا۔ اس کانفرنس میں تقریبًا دو ہزار علمائے کرام شریک ہوئے۔ آپ نے اس کانفرنس میں دو گھنٹہ تک تقریر کی اور علمائے کرام سے اپیل کی۔ کہ وہ منظّم ہو کر تحریک

پاکستان کی عملی طور پر مدد اور تائید کریں۔ آپ نے اس کانفرنس میں کئی قراردادیں بھی پیش کیں جنہیں اتفاق رائے سے منظور کیا گیا۔ بنارس سُنّی کانفرنس کے بعد بھی آپ ہندوستان کے مختلف حصّوں میں تشریف لے گئے اور بڑے بڑے عظیم الشّان جلسوں میں پاکستان کی حمایت میں فصیح و بلیغ تقریریں کرتے رہے۔

خطیب الہند مولانا سیّد محمّد صاحب محدّث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ تحریک آزادی کے ایک نامور راہنما ہیں۔ جنہوں نے مسلم لیگ کی حمایت اور تحریک پاکستان کے سلسلے میں مجاہدانہ کردار ادا کیا ہے۔ آپ نے تقریبًا پورے ملک کا طوفانی دورہ کرکے مسلمانوں کو مسلم لیگ کی حمایت اور حصول پاکستان کے لئے ہر قسم کی قربانیاں پیش کرنے کی تلقین فرمائی۔ آپ نے صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے ساتھ مل کر شدید مشکلات اور موانع کے باوجود آل انڈیا سُنّی کانفرنس منعقد کی اور اس میں پاکستان کی حمایت میں ایک نہایت فصیح و بلیغ اور جامع تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس نے تحریک پاکستان کو زبردست تقویت پہنچائی اور کانگریسی حلقوں میں صفِ ماتم بچھا دی۔

امیر ملّت مولانا حافظ پیر جماعت علی شاہ صاحب محدّث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ

تحریک پاکستان میں آپ کی جدّ و جہد کا بڑا حصّہ ہے۔ اور آپ نے حصولِ پاکستان کی خاطر نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔ ۱۹۴۰ء میں جس وقت قرارداد پاکستان منظور ہوئی۔ تو آپ نے اس کی زبردست حمایت کی اور اپنے مواعظ میں مسلم عوام کو مسلم لیگ کی حمایت کرنے کی تلقین فرمائی۔ آپ کا حلقۂ ارادت اس قدر وسیع ہے کہ پاکستان کے تمام صوبوں میں آپ کے مُرید اور متوسّلین بکثرت موجود ہیں۔ ۱۹۴۶ء میں جب مرکزی اسمبلی کے انتخابات کا زمانہ آیا۔ تو

آپ نے اپنے صاحبزادوں، پوتوں اور خلفاء کو گاؤں گاؤں۔ شہر شہر دورہ کر کے
مسلمانوں کو مسلم لیگ کی حمایت پر آمادہ کرنے کے لئے روانہ کیا اور آپ خود بھی
پیرانہ سالی کے باوجود صوبہ سرحد میں تشریف لے گئے اور وہاں کے مشائخ کے ہمراہ
تمام صوبہ کا دورہ کر کے مسلم لیگ کی حمایت اور پاکستان کے حق میں رائے عامہ
کو ہموار کیا۔ صوبہ سرحد میں بھی آپ کے مرید بہ کثرت تھے۔ آپ نے ان سب سے
فرداً فرداً حلف لیا کہ وہ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے
اپنے دستخط سے قدِ آدم اشتہارات شائع کئے۔ جن میں لوگوں سے مسلم لیگ کو
ووٹ دینے کی اپیل کی گئی تھی اور لکھا تھا کہ جو کوئی مسلمان مسلم لیگ کی حمایت
نہیں کرے گا۔ اس کو اور اس کے اہل و عیال کو مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن
نہیں کرنے دیا جائے گا۔ انتخابات میں مسلم لیگ کی شاندار کامیابی کے بعد بھی آپ
پاکستان کی حمایت میں تقریریں کرتے رہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے "لوگو دو پرچم ہیں،
ایک مسلمانوں کا۔ دوسرا کافروں کا بتاؤ۔ تم کس پرچم کے سائے میں رہنا چاہتے
ہو؟" آپ کی زبان مبارک سے جس وقت یہ جملہ نکلتا تھا۔ حاضرین تڑپ کر رہ جاتے
تھے اور اسی وقت یہ نعرے بلند ہونے لگتے۔ مسلم لیگ زندہ باد۔ قائد اعظم زندہ باد۔
لے کے رہیں گے پاکستان۔ اور لوگ دھڑا دھڑ مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کرنے
لگتے اور آپ ان سب سے مسلم لیگ اور پاکستان کی وفاداری کا حلف لیتے تھے۔
قیام پاکستان کے بعد بھی آپ کو پاکستان سے گہرا لگاؤ رہا۔ آپ جب بھی دعا فرماتے
تو پاکستان کے استحکام و ترقی کی دعا ضرور کرتے۔ آپ نے ۱۹۵۲ء میں بمقام قصبہ
علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ میں وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری ناظم حزب الاحناف لاہور

آپ کا نام نامی دینی اور سیاسی حلقوں میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔
آپ شہر لاہور سے متعلق تھے۔ تحریک پاکستان کی حمایت میں آپ کی خدمات نہایت

شاندار رہیں۔ ۱۹۴۰ء میں جب قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو اس کے جواب
میں مولوی ابوالکلام آزاد کی سرپرستی میں بمقام دہلی مسلم کانفرنس، منعقد
ہوئی۔ جس میں جمعیۃ العلماء ہند۔ مجلس احرار اور شیعہ پولیٹیکل کانفرنس نے
شرکت کی۔ اس کانفرنس میں ملک کی تقسیم اور قیام پاکستان کی شدید مخالفت
کی گئی تھی۔ آپ نے اس کے جواب میں بمقام شہر لاہور سُنّی جمعیۃ العلمائے پاکستان
کی بنیاد رکھ کر تقسیم ملک اور قیام پاکستان کی زبردست حمایت کا اعلان
فرمایا اور ہندوستان کا دورہ کرتے ہوئے مختلف شہروں اور قصبات میں شاندار
جلسے منعقد کر کے مسلم عوام کو وہابیہ کی مسلم کانفرنس کے عزائم سے خبردار اور
ہشیار رہتے ہوئے پاکستان کی بھرپور حمایت کرنے پر آمادہ کیا۔ ۱۹۴۵ء میں آپ
فریضۂ حج ادا کرنے حجاز مقدس پہنچے تو وہاں آپ نے ممالک اسلامیہ کے علماء
کو مسئلہ قیام پاکستان کی اہمیت سے آگاہ کیا اور انہیں اس پر رضامند کر لیا۔
کہ وہ اپنے اپنے ملک کی جانب سے پاکستان کے حق میں مؤثر آواز بلند کریں گے۔
خصوصاً مصری اور شامی علماء نے آپ کی تقاریر کو بہت پسند کیا۔ فریضۂ حج
ادا کر کے آپ وطن تشریف لائے تو ان دنوں مرکزی اسمبلی کے انتخابات کا زمانہ
تھا۔ آپ نے آتے ہی مسلم لیگ کو کامیاب بنانے کے لئے پورے زور کے ساتھ انتخابی
مہم میں حصہ لینا شروع کیا۔ جگہ جگہ جلسے منعقد کرتے اور اپنی شعلہ نوائیوں سے
فرزندانِ توحید کے دلوں کو گرماتے اور حاضرین سے ہاتھ اٹھوا کر وعدہ لیتے کہ
اپنے ووٹ بہر صورت مسلم لیگ کو دیں گے اور تحریک پاکستان کو کامیاب کرنے
کی خاطر کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ آپ کی مجاہدانہ سرگرمیوں سے تنگ
آ کر خضر حیات ٹوانہ کی حکومت نے آپ پر طرح طرح کی پابندیاں لگا کر آپ کی
جدّ و جہد کو روکنے کی کوشش کی مگر آپ حکومت کی ہر پابندی کو توڑتے اور
بدستور تقریریں کرتے رہے۔ اسی مہم کے سلسلہ میں آپ صوبہ سرحد بھی تشریف
لے گئے اور پیر صاحب مانکی شریف اور دیگر مشائخ کی معیّت میں دورہ کرتے اور

جلسوں میں تقریریں کرتے رہے۔ آپ کئی مرتبہ گرفتار بھی ہوئے مگر آپ کے
جذبۂ حریت میں کوئی کمی واقع نہ ہو سکی۔ قیام پاکستان کے بعد جب جہاد
کشمیر شروع ہوا تو آپ اس میں بھی پیش پیش رہے۔ اور "غازئ کشمیر" مشہور ہوئے۔
الغرض آپ کی تمام عمر اسلام اور اہل اسلام کی خدمت میں بسر ہوئی۔
آپ نے ہر مرحلہ پر باطل اور اہل باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ آپ ہر مصلحت
سے بے نیاز ہو کر حق کا بول بالا کرنے کی جدّوجہد کرتے رہے۔ تا آنکہ مورخہ
۲۰ جنوری ۱۹۶۱ء کو آپ نے اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کی۔ آپ کا مزار
حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کے مزار پُر انوار کے احاطہ میں واقع ہے رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت العلامہ مولانا عبد الحامد بدایونی مدظلہ

آپ ملک وملت کے صف اوّل کے راہنما
اور بانئ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے معتمد ساتھی اور تحریک پاکستان
کے سرگرم مجاہد ہیں۔ ۱۹۴۰ء کے جس اجلاس میں قرار داد پاکستان منظور
ہوئی۔ آپ اس میں شریک تھے۔ آپ نے تحریک پاکستان میں نمایاں کارنامے
سرانجام دئے ہیں۔ آپ نے مسلم عوام کو حصول پاکستان کی جدّوجہد میں
منظم کرنے میں اپنی تمامتر توانائیوں کو صرف کر دیا۔ بڑے بڑے جلسوں
میں اپنی خطابت کے جوہر دکھاتے اور کانگریسی وہابی مولویوں کے اعتراضات
کے دندان شکن جواب دیتے۔ آل انڈیا سنّی کانفرنس منعقدہ ۱۹۴۶ء میں
بھی آپ شریک ہوئے۔ اور علمائے حق کی تنظیم میں حصّہ لیا۔ آپ مسلم لیگ کی
دعوت پر لائل پور بھی تشریف لے گئے۔ اور وہاں تحریک پاکستان کے سلسلہ
میں بڑا کام کیا۔ ۱۹۴۶ء کے مرکزی انتخابات کے زمانہ میں صوبہ سرحد کے
کانگریسیوں اور سرخپوشوں کا زور توڑنے کے لئے حضرت پیر صاحب مانکی
شریف نے خصوصیت کے ساتھ قائد اعظم سے سفارش کی۔ کہ جہاں وہ دوسرے
مشائخ وعلماء کو بھیجیں۔ وہاں مولانا عبد الحامد بدایونی کو ضرور بھیجیں۔ چنانچہ

قائد اعظم نے پیر صاحب مانکی شریف کی سفارش پر مولانا کو خاص طور پر صوبہ
سرحد تشریف لے جانے کا حکم دیا۔ آپ نے صوبہ سرحد پہنچ کر نہایت مؤثر
انداز میں تقریریں کیں اور سرحدی مسلمانوں کو قیام پاکستان کی ضرورت
کا احساس دلایا جس کے نتیجے میں فضا یکسر بدل کر مسلم لیگ اور پاکستان
کے حق میں ہو گئی اور آپکے سامنے وہابی کانگریسی مولویوں اور سرخپوشوں کا
کوئی داؤ کارگر نہ ہو سکا۔ مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے بعد بھی آپ صوبہ
سرحد کے دورہ پر متعدد مرتبہ تشریف لے جا چکے ہیں۔ آپ آج کل کراچی میں
مقیم ہیں۔ اور جمعیتہ العلمائے پاکستان کراچی کے صدر رہیں۔ نیز آپ حکومت
کی قائم کردہ اسلامی مشاورتی کونسل کے رکن بھی ہیں۔

حضرت علاّمہ مولانا عبد الغفور صاحب ہزاروی مدظلہ (وزیرآباد)

آپ اہلسنّت وجماعت کے عظیم راہنما اور بلند پایہ عالم حق ہیں۔ آپ
ہمیشہ حق کی حمایت میں باطل کے خلاف مردانہ وار سینہ سپر رہے ہیں۔ تحریک
پاکستان میں آپ کی خدمات شاندار اور مثالی ہیں۔ دشمنان ملک وملت
آپ کے نام سے کانپتے رہے ہیں۔ تحریک پاکستان ومسلم لیگ کے مخالفین وہابی
مولویوں کا زور توڑنے میں آپنے قابل فخر کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ آپ کی
ولولہ انگیز تقریروں نے وہابیہ کے چھکے چھڑا دئے۔ اور مسلم عوام کو ان کے
مکروہ عزائم سے باخبر کرتے ہوئے انہیں وہابیہ کی سازشوں سے بچا لیا۔
آنے والی نسلیں آپ کی عظیم خدمات پر فخر کریں گی جن دنوں تحریک
پاکستان کا آغاز ہوا۔ ان دنوں بھی آپ وزیرآباد میں ہی مقیم تھے۔ ابتدائی
دور میں احراری وکانگریسی وہابی مولویوں کا بڑا زور تھا۔ آپ نے ان کے
زور کو توڑنے کی خاطر انتھک محنت کی۔ آپ نے قائد اعظم کو وزیرآباد آنے
کی دعوت دی جسے قائد اعظم نے منظور کیا اور وزیرآباد تشریف لاکر مولانا

موصوف کی مسجد کے قریب ایک جلسہ عام سے خطاب فرمایا۔

مولانا نے پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت میں پنجاب کا طوفانی دورہ کیا اور مختلف مقامات پر باطل سوز تقریریں کرکے مسلم عوام کو تحریک پاکستان سے روشناس فرمایا اور مسلم لیگ کے سبز ہلالی پرچم کے سایہ میں منظم اور متحد ہو جانے کی اپیل کی جس کا خاطر خواہ نتیجہ ظاہر ہوا۔ اور فضائیں "لے کے رہیں گے پاکستان" "مسلم لیگ زندہ باد" اور "قائد اعظم زندہ باد" کے پرشکوہ نعروں سے گونجنے لگیں۔

حضرت صاحبزادہ خواجہ قمر الدین صاحب (سیال شریف)

آپ ضلع سرگودھا کے مشہور مقام سیال شریف کے سجادہ نشین ہیں۔ تحریک پاکستان کی جدوجہد میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش اور نہایت شاندار ہیں۔ آپ نے وہابی مولویوں کے طلسم ہوشربا کو توڑ کر رکھ دیا۔ مسلم لیگ نے جب قرارداد پاکستان منظور کی تو آپ نے اس کی پرزور تائید کی اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پہنچ کر مسلمانوں کو حصول پاکستان کی جدوجہد میں ہر قسم کی قربانیاں دینے پر آمادہ کیا۔ آپ نے ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں اپنی جدوجہد کو تیز تر کر دیا۔ اور اپنے مریدین اور متوسلین سے حلف لیا۔ کہ وہ مسلم لیگی امیدواروں کو ووٹ دیں گے۔ کانگریسیوں اور سرخپوشوں کے مقابلہ پر آپ صوبہ سرحد تشریف لے گئے۔ اور جگہ جگہ جلسے اور اجتماع کرکے وہابی مولویوں کے مکرو فریب کا پردہ چاک کرتے ہوئے مسلمانوں سے پرزور اپیل کرتے رہے کہ ہندو لیڈروں کی غلامی سے بچنے کی خاطر مسلم لیگ کا ساتھ دیں۔ اور لیگی امیدواروں کو کامیاب بنائیں۔

المختصر آپ کی مجاہدانہ خدمات ہماری قومی تاریخ میں ہمیشہ تاباں اور درخشندہ رہیں گی۔

حضرت پیر صاحب پاگارہ شریف کے خلیفہ مجاز پیر عبدالرحمن صاحب

(بھرچونڈی شریف) :- سندھ میں مسلم لیگ کے عوامی تحریک بننے سے پیشتر مجاہد اسلام شیخ ثالث مولانا پیر عبدالرحمن صاحب نے مسلمانوں کی حالت سدھارنے اور ان کی پسماندگی کو دور کرنے اور شرع متین کے نفاذ کے پیش نظر جماعت احیاء الاسلام کی بنیاد رکھی اور صوبہ سندھ کے ایک نمائندہ اجلاس میں آپ اس جماعت کے صدر منتخب ہوئے۔ یہ جماعت اس قدر مقبول ہوئی۔ کہ سندھ کے طول و عرض میں اس کی شاخیں قائم ہو گئیں۔ تین ماہ کے قلیل عرصہ میں ہی اس جماعت کے باقاعدہ ممبران کی تعداد آٹھ دس ہزار تک پہنچ گئی۔ جماعت احیاء الاسلام کے زیر اہتمام شہر جیکب آباد میں ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی گئی۔ اور جماعت نے اپنا پریس خرید کر شکارپور سے ایک اخبار الجماعۃ مولوی صدرالدین شاہ صاحب کی ادارت میں جاری کیا۔ پیر صاحب موصوف کی جدوجہد کے نتیجہ میں مسلمانان سندھ میں بیداری کی لہر دوڑ گئی۔ اور مختلف شہروں میں آئے دن احیاء الاسلام کے زیر اہتمام جلسے منعقد ہونے لگے۔ حتیٰ کہ کوئی قصبہ یا قریہ ایسا نہ رہا جہاں احیاء الاسلام کا تذکرہ اور چرچا نہ ہو۔

ان دنوں پورے صوبہ سندھ میں ہندو کانگریس زوروں پر تھی۔ اسمبلی میں ہندوؤں کا غلبہ تھا۔ سیاسی۔ اقتصادی۔ معاشی اور سرکاری ملازمتوں اور عہدوں پر ہر میدان میں ہندو مسلمانوں پر چھائے ہوئے تھے اور مسلم لیگ صرف سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون کے دفتر تک محدود تھی۔

مسلم لیگ کو صوبہ سندھ میں متعارف کرانے اور کانگریس کا زور توڑنے کی خاطر حاجی عبداللہ ہارون اور محمد ایوب کھوڑو نے ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا۔ اس جلسہ میں شرکت کے لئے حضرت پیر صاحب بھرچونڈی کو احیاء الاسلام کے صدر کی حیثیت سے مدعو کیا گیا۔ جلسہ سے بانئ پاکستان قائد اعظم

محمد علی جناح، نوابزادہ لیاقت علی خان، نوابزادہ اسمٰعیل خان اور دیگر اکابرین
مسلم لیگ نے خطاب کیا۔ اس موقعہ پر سندھ اسمبلی کے آٹھ مسلم ممبران نے
مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کیا۔ ان آٹھ ممبران میں سے پانچ ممبر وہ تھے
جنہیں پیر صاحب موصوف نے احیاء الاسلام کی طرف سے کامیاب کرایا تھا
چنانچہ یہ پانچوں ممبران پیر صاحب کے حکم سے مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔

قائد اعظم اور نوابزادہ خان لیاقت علی خان سے ملاقات کے نتیجہ میں پیر
صاحب نے اپنی جماعت احیاء الاسلام کو مسلم لیگ میں مدغم کرنے کا اعلان فرمایا
اور اسی دن سے آپ نے مسلم لیگ کے راہنما کی حیثیت سے تحریک پاکستان کے
لئے خود کو وقف کردیا۔ آپ کی مخلصانہ کوششوں کے نتیجہ میں سندھ کے مشہور
معروف اور با اثر مشائخ عظام میں سے حضرت آغا عبدالستار جان سرہندی
اور آغا پیر محمد ہاشم جان سرہندی مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور ان حضرات
نے حصول پاکستان کے لئے مسلم لیگ کا پورا پورا ساتھ دیا۔ اور ہر طرح کی
قربانیاں دیتے رہے۔ پیر صاحب بھرچونڈی نے مسلم لیگ کو عوام سے روشناس
کرانے اور تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے کی خاطر مختلف شہروں اور
مقامات پر پے بہ پے جلسے منعقد کرانے شروع کئے چنانچہ بعض اوقات
پندرہ پندرہ دن مسلسل جلسوں کا پروگرام جاری رہتا۔ حضرت علامہ
احمد سعید صاحب کاظمی حال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بہاولپور،
مولانا عبداللہ صاحب احمد پوری اور مولانا پیر سید مغفور القادری صاحب
پیر صاحب بھرچونڈی کے زیر صدارت جلسوں میں مدلل اور دلنشین تقریریں
فرماتے اور مسلمانوں کو مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر حصول پاکستان کے لئے متحد و
منظم ہو جانے کی تاکید فرماتے اور اس کے نتیجہ میں روزانہ سینکڑوں ہزاروں
مسلمان مسلم لیگ میں شامل ہوتے چلے گئے اور کانگریس کا زور ٹوٹتا گیا۔
کانگریسی ہندو لیڈر اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے وظیفہ خوار

وہابی مولویوں کو میدان میں لائے۔ مگر ان مشائخ و علمائے حق کے سامنے ان
وہابی مولویوں کی کوئی پیش نہ گئی اور علمائے اہلسنّت و جماعت بریلویہ
کی مجاہدانہ جدّ و جہد کے نتیجے میں مسلم لیگ مقبول اور مستحکم تر ہوتی چلی گئی۔

انہی دنوں صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی
اور سیّد محمد شاہ صاحب محدّث کچھوچھوی کی مساعی سے بمقام کنیز فاطمہ
باغ بنارس مورخہ ۲۷ اپریل ۱۹۴۶ء کو آل انڈیا سنّی کانفرنس منعقد ہوئی
اس کانفرنس میں ملک کے ہر گوشہ سے تقریباً دو ہزار مشائخ عظام و علمائے
کرام نے شرکت کی۔ حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب محدّث علی پوری اور
حضرت پیر عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف بھی نہایت شان و شوکت کے
ساتھ شریک ہوئے۔

اس عظیم کانفرنس میں متفقہ طور پر حسب ذیل قرارداد منظور کی گئی:۔

۱۔ آل انڈیا سنّی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبۂ پاکستان کی پرزور حمایت
کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہلسنّت، اسلامی حکومت کے
قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر امکانی قربانی کے لئے تیار رہیں۔
اور اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں۔ جو قرآن اور
حدیث نبویہ کی روشنی میں فقہی اصولوں کے مطابق ہو۔

۲۔ یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ اسلامی حکومت کے مکمل لائحہ عمل مرتب کرنے
کے لئے حسب ذیل حضرات کی ایک کمیٹی بنائی جائے

حضرت مولانا شاہ ابوالمحامد سیّد محمد صاحب محدّث اعظم کچھوچھوی۔
صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی۔ مفتئ اعظم ہند
مولانا مصطفٰے رضا خان صاحب خلف الرشید اعلیحضرت بریلوی۔ صدر
الشریعہ حضرت مولانا امجد علی صاحب۔ حضرت پیر خواجہ عبدالرحمان صاحب
بھرچونڈی شریف سندھ۔ حضرت پیر سیّد زین الحسنات صاحب مانکی شریف۔

حضرت مولانا قمر الدین صاحب سیال شریف۔ خان بہادر حاجی بخشی مصطفےٰ علی صاحب مدراس۔ حضرت مولانا شاہ دیوان رسول خانصاحب اجمیر شریف۔

سندھ میں پیر صاحب بھرچونڈی شریف کے اثر و رسوخ کا یہ عالم تھا کہ سندھ کی وزارتوں کے ردّ و بدل میں ہمیشہ آپ کا ہاتھ رہا ہے۔ بالآخر جب پاکستان کے سوال پر انتخابات کا مرحلہ آیا تو آپ رختِ سفر باندھ کر کراچی تشریف لے گئے۔ اور سندھ زمیندار ہوٹل میں قیام کیا۔ ممبران اسمبلی اور وزراء کی کاریں آدھی آدھی رات تک ہوٹل کا طواف کرتی نظر آتیں۔ آپ سب کو نہایت سختی کے ساتھ حکم فرماتے کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ بہر صورت مسلم لیگی امیدوار کو کامیاب کرانا ہے اس لئے کہ اس وقت مسلم قوم کی زندگی اور موت کا سوال درپیش ہے۔ اور اسی انتخاب کے نتیجہ پر مسلمانوں کے مستقبل کا دار و مدار ہے۔ بحمدہٖ تعالیٰ حضرت پیر صاحب بھرچونڈی شریف اور دیگر مشائخ عظام اور علمائے کرام اہلسنّت وجماعت بریلویہ کی مساعی جمیلہ سے سندھ میں بھی مسلم لیگ کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی اور وہابی مولوی اور ان کے آقا ہندو کانگریسی ذلّت آمیز شکست کھا گئے۔ (ملاحظہ ہو کتاب عباد الرحمٰن ملخصًا)

قیام پاکستان سے قبل بمقام کراچی دُوسری مسلم لیگ کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں علماء و مشائخ اہلسنّت نے بھرپور حصّہ لیا اور تحریک پاکستان میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ حضرت پیر صاحب بھرچونڈی شریف کے متعلق چوہدری سلطان احمد صاحب زمیندار (سانگھڑ) کا بیان ہے کہ اس کانفرنس میں شرکت کے لئے عوام دیوانہ وار دُور دراز علاقوں سے سفر کر کے کراچی پہنچ رہے تھے ایک اسپیشل ٹرین میں پیر صاحب موصوف اپنے مریدین کی ایک بڑی جمعیّت کے ہمراہ اس کانفرنس میں شرکت کے لئے کراچی تشریف لے جا رہے تھے۔ ہم بھی اسی ٹرین میں سوار تھے۔ اتفاقاً دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ ٹرین پر مسلم لیگ کا پرچم نہیں ہے۔ جسے لوگوں نے بہت محسوس کیا۔ چند لوگ

پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ٹرین پر مسلم لیگ کا جھنڈا نہیں ہے آپ نے اپنی سبز رنگ کی چادر نکال کر انہیں مرحمت فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا۔ لو۔ یہ میری طرف سے مسلم لیگ کا پرچم لہرا دو۔ پیر صاحب کے اس جوش و جذبہ کو دیکھ کر عوام نہایت متأثر ہوئے اور پورے جوش و خروش سے نعرے بلند کرنے لگے۔ اسلام زندہ باد۔ مسلم لیگ زندہ باد۔ قائداعظم زندہ باد۔ لے کے رہیں گے پاکستان۔ پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور فضاء ان پُرجوش نعروں سے گونج اُٹھی۔

خطبۂ جمعہ میں پیر صاحب بھرچونڈی کا قائداعظم سے سوال اور قائداعظم کا جواب :-

المختصر اس شان و شوکت کے ساتھ ٹرین کراچی پہنچی۔ کراچی میں ہزاروں لاکھوں کے مجمع نے پیر صاحب موصوف کا نہایت شاندار استقبال کیا اور پیر صاحب فلک شگاف نعروں کی گونج میں جلوس کے ہمراہ منزل مقصود کو روانہ ہوئے۔ آپنے سندھ مدرسہ (حال سندھ یونیورسٹی) میں نماز جمعہ پڑھائی قائداعظم بھی نماز جمعہ میں شریک تھے۔ پیر صاحب نے نماز جمعہ کے وعظ میں ولولہ انگیز تقریر ارشاد فرمائی۔ جس میں آپنے مسلمانوں کو تلقین فرمائی۔ کہ اس وقت ملّت اسلامیہ کے لئے زندگی اور موت کا سوال درپیش ہے۔ مسلمان اگر باعزّت زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ تو قائداعظم کی راہنمائی میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر مجتمع ہو کر حصُول پاکستان کے لئے تن۔ من۔ دھن کی بازی لگا دیں۔ اور ہر قسم کی قربانیاں دینے کے لئے تیار ہو جائیں۔ پھر انہوں نے قائداعظم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ اس وقت ہم محض اسلام کی سربلندی کی خاطر حصُول پاکستان کی جدّ و جہد میں ہر طرح آپ کے ساتھ ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ قیام پاکستان کے بعد آپ پاکستان میں اسلامی آئین نافذ کرنے کے وعدے کو پورا نہ کر سکیں اس پر قائداعظم نے نہایت مختصر اور جامع الفاظ

ہیں اپنے اس حتمی وعدہ کو دُہرایا۔ کہ ہم پاکستان محض اس لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کہ مسلمان پاکستان میں خالص اسلامی اُصولوں کے مطابق آزادانہ طور پر زندگی بسر کر سکیں۔ مَیں وعدہ کرتا ہوں کہ پاکستان میں اسلامی دستُور و آئین کا نفاذ ہو گا۔" اس پر سارا مجمع جوشِ مسرّت میں بے اختیار نعرے بلند کرنے لگا۔ قائدِ اعظم زندہ باد۔ مسلم لیگ زندہ باد۔ پیر صاحب بھرچونڈی شریف زندہ باد۔

ان کے علاوہ سندھ کے تمام مشائخ و علمائے اہلسنّت و جماعت ملک بھر کے مشائخ و علمائے اہلسنّت و جماعت بریلویہ کے دوش بدوش تحریک پاکستان میں نہایت سرگرمی کے ساتھ شریک رہے ہیں۔ اور ملک بھر کے تو کیا کسی بھی ایک صُوبہ کے سارے مشائخ و علمائے حق کے مجاہدانہ کارناموں کو مختصر سے مختصر الفاظ میں بھی اگر جمع کرنے کی کوشش کی جائے تو ضخیم دفتر تیار ہو جائے۔ اور یہ اتنا مشکل کام ہے۔ کہ فقیر کے بس کا بھی نہیں ہے۔ لٰہذا اسی پر اکتفا کر رہا ہوں۔ تاہم صُوبہ سندھ کے اُن اکابرینِ اہلسنّت و جماعت بریلویہ کے اسمائے گرامی لکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔ جو علم و فضل اور بزرگی کے لحاظ سے اہلسنّت و جماعت کا سرمایۂ صد افتخار، تحریک۔ آزادی کے عظیم مجاہد اور ملک و ملّت کے سچّے دردمند راہنما ہیں۔ اور جن کے کارناموں کا تذکرہ محض اس وجہ سے نہیں کر سکا ہوں۔ کہ مجھے ان کے کارناموں کی تفصیل مستند ذرائع سے معلوم نہ ہو سکی۔

سندھ کے مایہ ناز مجاہدینِ آزادی مشائخ عظّام و علمائے کرام اہلسنّت

حضرت آغا پیر عبدالستّار جان سرہندی۔ آغا پیر محمّد ہاشم جان سرہندی۔ حضرت شاہ آغا پیر عبداللہ جان سرہندی۔ حضرت پیر محمّد ابراہیم جان سرہندی مجدّدی۔ حضرت پیر غلام مجدّد سرہندی ماتلوی۔ حضرت مولانا مفتی صاحبداد خان مفتی اعظم پاکستان و شیخ الحدیث جامعہ راشدیہ مدرسہ پیر صاحب پاگارا شریف

پیر گوٹھ۔ حضرت مولانا اُستاذ العلماء محمّد صالح صاحب مہتمم جامعہ راشدیہ و خطیب جامع مسجد پیر گوٹھ۔ حضرت مولانا مفتئ سندھ مخدوم عبدالعلیم صاحب دربیلوی۔ حضرت مولانا تاج محمّد صاحب آرہ بجوی۔ حضرت مولانا مفتئ سندھ محمّد ابراہیم صاحب گڑھی یاسین۔ حضرت مولانا پیر محمّد قاسم مشوری ضلع لاڑکانہ۔

یہ تمام حضرات جدّ و جہدِ آزادی میں سرگرم رہے ہیں اور حصُول پاکستان کی خاطر بڑی سے بڑی قربانیاں دیتے رہے ہیں۔

اَے سُنّیو پاکستان بنا کر دم لو کہ یہ کام صرف تمہارا ہے۔

اجمیر شریف کے اجلاس میں محدّث اعظم کچھوچھوی کا ولولہ انگیز تاریخی خطبہ

ماہ رجب ۱۳۶۵ھ بمطابق جون ۱۹۴۶ء میں بمقام درگاہ معلّٰے اجمیر شریف میں آل انڈیا سنّی کانفرنس کا تاریخی اجلاس منعقد ہوا جس میں رئیس المتکلّمین خطیب الہند مولانا سید محمّد صاحب محدّث کچھوچھوی صدر آل انڈیا سُنّی کانفرنس نے ولولہ انگیز تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا جو "الخطبۃ الاشرفیہ للجمہوریۃ الاسلامیہ" کے نام سے بہ صورت رسالہ وسیع پیمانہ پر شائع کیا گیا اس فصیح و بلیغ تاریخی خطبہ کا ایک حصّہ خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہ کے ساتھ عقیدت و نیاز مندی پر مشتمل ہے۔ اور دُوسرا حصّہ تحریک پاکستان کے متعلق ہے جو موضوع کی مناسبت سے درج ذیل ہے۔ حضرت محدّث کچھوچھوی نے فرمایا "زمانہ میں روشنی کے نام پر الحاد کی تاریک آندھیاں چلیں، دین فروشوں نے دین کے نام کو پیٹ کا دھندا بنایا۔ کھلے بازار میں ملّت فروشی کی جا رہی ہے ضمیر فروشی، قوم فروشی کا بلیک مارکیٹ قانون کی زد سے بھی آزاد ہے۔ نام دارالعلوم رکھا اور کام وِدّیا مندر کا کیا۔ نام پوچھو تو احرار بتائیں اور کام دیکھو تو غلاموں کی غلامی پر اُتر آئیں۔ یا رسول اللہ سُن کر گھبرائیں اور بندے ماترم کا ترانہ گائیں۔ نعرۂ تکبیر سے اُلجھیں اور اپنے باپو (گاندھی) کی جے منائیں۔

مسلمانوں سے بیزار اور مشرکوں کے علمبردار۔ اب تو تہنّد کا رنگ ایسا چڑھا ہے
کہ پہچاننا دشوار ہے کہ مولوی جی ہیں یا مالوی جی ہیں۔ سب کچھ ہے مگر اے خواجہ
تیری خواجگی کے قربان کہ تیرے مست تیرے ہی رہے۔ تیری تعلیم۔ تیرے پیغام سے
ایک انچ نہ ہٹے۔ چودہ سو برس کی پرانی لکیر کے فقیر بنے رہے، مشرک کے پاؤں
پر توحید کو کھڑا نہیں کیا اور کسی قیمت پر اپنے دین کو نہیں بیچا۔ نہ یورپ کی چال
ان پر چلی نہ اکثریت کی سرمایہ داری کا جال ان کو پھانس سکا۔ یہ خواجہ کی
دہائی دینے والے۔ یہ عُرس و فاتحہ والے۔ یہ میلاد و قیام والے۔ یہ نعرۂ تکبیر و
نعرۂ رسالت والے اُسی مقام پر رہے جہاں خواجہ کی کرامت نے انہیں کھڑا
کر دیا ہے۔ مَیں دیکھ رہا ہُوں۔ کہ کیسے اچّھے سُتھرے۔ خواجہ والے۔ غوث والے۔
اخوان میرے سامنے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمارا مقصد
بھی نہایت بلند پایہ ہے۔ آج ہمارا اجمیر میں وہی مقصد ہے۔ جو چشت کے
راجہ کو صدیوں پہلے اجمیر میں لا چکا ہے۔ جس نے جیلان والے غوث کو بغداد
پہنچایا ہے۔ جس کے لئے اللہ کا حبیب مکّہ سے مدینہ اور پھر مدینہ سے فاتحانہ
شان کے ساتھ مکّہ پہنچا۔ جس مقصد کا مختصر اور صاف نام خدا کے دین کے
پیغام اور اس دینداری کی آزادی ہے۔ ذرّہ ذرّہ کو مسلم بنانا اور اسلام
کے پرچم کو آزاد رکھنا ہے۔ انسان کو پاک کرنا اور انسانی آبادی کو پاکستان
بنانا ہے۔ ہمیں اپنے خواجہ سے یہی کہنا ہے کہ زمانہ اب روشنی کی اہلیت و
استعداد کو نہیں۔ بلکہ کپڑے مکوڑوں کی کثرتِ تعداد کو دیکھتا ہے۔ گوبر پیشاب
والوں کو پوِتّر اور اللہ کے پاک بندوں کو مُلیچھ کہا جاتا ہے۔ جن غدّاروں
کو زمین پر پاؤں رکھنے کا حق نہیں۔ اُن کو دیسی، اور جن کے لئے زمین پیدا
کی گئی اُن کو بدیسی کا لقب دیا جاتا ہے۔ فلسطین میں ذلّت کے ماروں اور
بے مسکن آواروں کو مسلمانوں کے سینہ پر بسایا جا رہا ہے کعبہ میں فریضۂ
حج پر ایک ایک ہزار کا ٹیکس لگایا جا رہا ہے۔ انڈونیشیا کے مسلمانوں پر

بے رحمی آزمائی جا رہی ہے۔ اور بڑا غضب یہ ہے خواجہ! کہ آپ کا پڑھایا
ہُوا کلمہ پڑھتے ہوئے کچھ ملّت فروش، دستار کے شملوں کو چوٹیوں پر۔
نساداروں کو دھوتیوں پر صرف چند ٹکوں کے لئے نچھاور کر چکے ہیں۔ نہرو نیو(دوانوں)
نے دوبارہ اپنا ایک نہرو بنا لیا ہے۔ اب ایک جے پال نہیں بلکہ جے پالوں
کی پلٹن ہو گئی ہے۔ اور ان سب کا مقصد یہ ہے۔ کہ خواجہ والے مسلمان یعنی
سُنّی مسلمان کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔ اے میرے خواجہ! آپ کے وفاداروں
نے۔ آپ کے اللہ اور آپ کے رسول اور آپ کے اخوان اولیاء کے خلاف
آوازے سُنے تو نہ گستاخوں کے جبّہ و دستار سے ڈرے اور نہ ریش کی
آرائش سے مرعوب ہوئے اور صرف اس لئے ان کو چھوڑ دیا کہ بے ان کے
چھوڑے۔ اے خواجہ۔ آپ کا دامن چھوٹا جاتا تھا۔ جو کسی طرح قابل
برداشت نہ تھا۔

شاید ہماری یہی ایک نیکی کام آئی اور اسی وفاداری پر خواجہ کو رحم آ
گیا۔ کیونکہ بلاشُبہ ہندوستان میں یہ وُلی الہندؒ ہی کی کرامت ہے کہ ہمارے
ان راہنماؤں کو بیداری بخشی جن کو رہنمائی کی سند زبان وحی سے ملی
ہے۔ اب ان کی نظر ہماری کمزوریوں پر نہیں بلکہ اپنے بازوؤں کی قوّت
پر پڑنے لگی۔ وہ راہنما کون ہیں؟ یہی ہمارے پیر۔ ہمارے علماء اہلسنّت
جماعت۔ سارے پیر خانقاہ کی چار دیواری سے نکل پڑے اور میدان
میں ڈٹ گئے۔ سارے علماء مدرسوں سے باہر بھی آ کر کھڑے ہو گئے۔ اور
ارادہ کر لیا کہ نو کروڑ شُدّھیوں میں رُوٹھے ہوؤں کو منایا جائے۔ اُن کو مبلّغ
بنا کر ذمّہ داری دی جائے کہ مرنے سے پہلے فی کس دس نہیں تو ایک غیر مسلم
کو مسلمان کرنا ہے۔ اُن کو تعلیم دین سے آراستہ کر کے اُن کے علم کو ان کے عمل
کو ان کے اخلاق کو پاک کر دینا ہے۔ تاکہ جہاں وہ قدم رکھیں پاکستان بن
جائے۔ اب ایسے مدراس ناقابل برداشت ہیں جو سُنّیوں کی جیبوں پر

ڈالیں اور سنیوں کے مفاد سے لڑتے رہیں۔ اور سنیوں میں انتشار پیدا کریں۔
اب تمام سنی مدارس کو ایک نظام میں لاکر اُن میں تعلیم و تربیت کی یکسانیت پیدا کرنی ہے۔ دار القضاء۔ دار الافتاء۔ سب کو مرکزی شان سے چلانا ہے۔ خانقاہوں کو آراستہ کرنا ہے۔ اور ان میں تبلیغ و تعلیم کی روح پھونکنی ہے۔ المشائخ کلھم کنفس واحدہ کر کے دکھانا ہے۔ ان پاکوں کا پاک عزم یہ ہے رفتہ رفتہ ہندوستان کو پاکستان بنا کر دکھا دینا ہے۔

یہی علماء و مشائخ اور ان کے برگزیدہ عزائم اور ارادے ہیں جس کا نام آل انڈیا سنی کانفرنس، یا جمہوریت اسلامیہ ہے اور جس میں اس وقت تک صرف علماء و مشائخ کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ ہے اور اسی سنی کانفرنس کا آج خواجہ کی چوکھٹ پر جلسہ صرف اپنے خواجہ کے حضور حلف وفاداری اُٹھانے کا ہے۔

میرے سنی بھائیو! اب ہم پر حجت الٰہیہ ختم ہو چکی اور اگر ہم ان ہمناؤں سے بچھڑ گئے۔ تو میدان حشر میں ہمارے پاس کوئی جواب نہ ہوگا۔ ہمارے جگانے والے پکار رہے ہیں۔ کہ سنیو جاگو جاگو۔ ہمارے ہشیار کرنے والے آواز دے رہے ہیں کہ سنیو ہوشیار خبردار، ہمیں ترقی دینے والے بُلا رہے ہیں۔ کہ آؤ بڑھے چلے آؤ۔ اے سنی بھائیو۔ اے مصطفےٰ کے لشکریو۔ اے خواجہ کے مستو۔ اب تم کیوں سوچو کہ سوچنے والے مہربان آگئے۔ اور تم کیوں رکو کہ چلانے والی طاقت خود آگئی۔ اب بحث کی لعنت چھوڑو۔ اب غفلت کے جرم سے باز آؤ۔ اُٹھ پڑو۔ کھڑے ہو جاؤ۔ چلے چلو۔ ایک منٹ بھی نہ رکو۔ پاکستان بنالو۔ تو جا کر دم لو کہ یہ کام اے سنیو سُن لو کہ صرف تمہارا ہے۔ حضرات میں نے بار بار پاکستان کا نام لیا ہے اور آخر میں صاف کہہ دیا ہے۔ کہ پاکستان بنانا، صرف سنیوں کا کام ہے، اور پاکستان کی تعمیر آل انڈیا سنی کانفرنس ہی کرے گی۔ اس میں

سے کوئی بات بھی نہ مبالغہ ہے نہ شاعری ہے۔ اور نہ سنی کانفرنس سے غلو کی بناء پر ہے۔ پاکستان کا نام بار بار لینا جس قدر ناپاکوں کو چڑ ہے اسی قدر پاکوں کا وظیفہ ہے۔ اور اپنا اپنا وظیفہ کون سوتے۔ جاگتے، اٹھتے بیٹھتے۔ کھاتے پیتے پورا نہیں کرتا۔ اب رہا۔ پاکستان کا رسنیاں است یہ ملک کی کسی سیاسی جماعت سے تصادم کے لئے نہیں۔ بلکہ ایک حقیقت ہے جس کا اظہار بلاخوف لومۃ لائم کر دیا ہے۔ اوّل تو مسلم لیگ کے سوا کوئی ٹولی ایسی نہیں جو پاکستان کے ساتھ لفظی موافقت بھی رکھتی ہو۔ الکفر ملۃ واحدہ۔ سارے ناپاکوں نے اپنے اندر بیشمار اختلاف رکھتے ہوئے پاکستان کے خلاف صف آرائی کر لی ہے۔ اور مسلم لیگ میں پاکستان کا پیغام کس سے پہنچا؟ اور کن لوگوں نے مسلم لیگ کا عقیدہ اس کو بتایا؟ اگر تاریخی طور پر دیکھا جائے گا۔ تو وہ صرف سنی ہیں۔ پاکستان کے معنے اسلامی، قرآنی، آزاد حکومت ہے۔ مسلم لیگ سے ہمارے سنی کانفرنس کی مجلس عاملہ کے رکن حضرت شاہ زین الحسنات صاحب، سجادہ نشین مانکی شریف (سرحد) نے لکھوا لیا ہے۔ اگر ایک دم سارے سنی مسلم لیگ سے نکل جائیں تو کوئی مجھے بتا دے۔ کہ مسلم لیگ، کس کو کہا جائے گا۔ اس کا دفتر کہاں رہے گا۔ اور اس کا جھنڈا سارے ملک میں کون اٹھائے گا۔ ان حقائق میں کیا اس دعویٰ کی روشنی موجود نہیں کہ پاکستان صرف سنیوں کو بنانا ہے۔“

تاریخ گواہ ہے کہ بیشک صرف سنیوں نے قائداعظم کی رہنمائی میں عظیم قربانیاں دے کر پاکستان بنا کر دکھا دیا۔ گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ کہ مرزائی پاکستان کے مخالف تھے۔ جملہ وہابی آزاد مسلم کانفرنس منعقد کر کے اکھنڈ بھارت کا نعرہ لگا چکے تھے۔ شیعہ پولٹیکل کانفرنس بھی انہی میں شامل تھی۔ تو اب آپ خود ہی بتائیں کہ سوائے سنیوں کے اور کون باقی رہ گئے۔ جنہوں نے من حیث الجماعت، مسلم لیگ اور قائداعظم کا پورا پورا ساتھ دیا اور قیام

پاکستان کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگائی۔

سُنّیوں کے علاوہ دُوسری کوئی بھی تنظیم یا جماعت یا گروہ پاکستان کی حمایت میں کوئی ایک ایسی مثال تو پیش کرے کہ جس طرح سُنّی مشائخ و علماء نے آل انڈیا سُنّی کانفرنس (بنارس)، یا اجلاس اجمیر شریف میں مسلم لیگ کی حمایت اور پاکستان کے حق میں علی الاعلان دو ٹوک فیصلہ کیا اور دشمنانِ اسلام اور مخالفین پاکستان کو مجاہدانہ شان کے ساتھ للکارا اور پورے ملک میں جلسوں جلوسوں کے ذریعہ تحریکِ پاکستان کو مقبول بنایا اور رائے عامہ کو پاکستان کے حق میں ہموار کیا۔ ان میں سے بھی کسی نے یہ جُرأت دکھائی ہو۔ کیا کسی کی مجال ہے کہ مجاہدِ اہلسنّت محدّث اعظم کچھوچھوی علیہ الرحمۃ کے اس ولولہ انگیز تاریخی خطبہ کی نظیر پیش کر سکے جو آپ نے بمقام اجمیر شریف عظیم الشّان جلسۂ عام میں ارشاد فرمایا تھا۔ یہ شان اہلسنّت ہی کی ہے۔

اس کے برعکس آپ وہابی مولویوں کی زندگیوں پر نظر ڈال لیجئے۔ ان کے کردار میں مسلم دُشمنی، حق کی مخالفت، مفاد پرستی، ابن الوقتی، مکر و فریب، فتنہ و فساد کے سوا اور کچھ نہ ملے گا۔ اور ان کی تحریروں کو دیکھئے تو ان کی حکمتِ عملی کے تحت تحریف قرآن و حدیث۔ انبیاء و اولیاء کی توہین۔ بزرگانِ دین کی شان میں دریدہ دہنی کے علاوہ کفّار کی حمایت خوشامد، چاپلوسی، اور دُشمنانِ اسلام انگریزوں اور ہندو لیڈروں کی وفاداری کے اعلانات اور مدحیہ قصیدے نظر آئیں گے۔

"حُر" مجاہدین

حضرت قبلہ پیر صبغۃ اللّٰہ شاہ صاحب رحمۃ اللّٰہ علیہ جملہ مسلمانانِ اہلسنّت و جماعت کے پیشوا اور لائق صد احترام بُزرگ تھے۔ سندھ میں اولیاء اللّٰہ کے مشہور و ممتاز خاندان راشدیہ کے چشم و چراغ اور مجاہدین کے سردار تھے۔ اللّٰہ تعالیٰ کے مقبول بندے اور سرکار دو عالم

محمّد رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے سچّے عاشق اور دین حق کے شیدائی تھے۔ آپ تمام عمر اسلام دُشمن قوتوں کے خلاف برسرِپیکار رہے۔ آپ نے اپنے جدِّ امجد سیّد المجاہدین حضرت امام حسین رضی اللّٰہ عنہٗ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسلام کی سربلندی اور دُشمنانانِ اسلام انگریزوں کی حکومت سے ملک و ملّت کو نجات دلانے کی خاطر سب کچھ قربان کر دیا۔ آپ نے سلطنت برطانیہ کے خلاف اس وقت علم جہاد بلند کیا۔ جبکہ وہابی مولوی انگریز کی غلامی کو اپنے لئے اللّٰہ کی نعمت اور رحمت قرار دے رہے تھے۔ حکومت برطانیہ کے نمک خوار اور پکّے وفادار بنے ہوئے تھے۔ اور پھر اس کے ساتھ ساتھ اپنی حکمتِ عملی کے تحت مسلمانوں کے دُشمن نہرو اور سردار پٹیل کی چوٹی اور اپنے باپو گاندھی کی لنگوٹی کے ساتھ اپنے رشتے استوار کر رہے تھے۔ فرزندانِ اسلام کو کفّار کی دائمی غلامی میں جکڑ دینے کی سازشوں میں مصروف تھے۔

قبلہ پیر صاحب موصوف نے اس تاریک دَور میں شمع آزادی کو روشن فرمایا جبکہ وہابی صاحبان کفّار کے آلۂ کار اور کفر کے علمبردار بنے ہوئے تھے۔ راتب کی تلاش میں کبھی انگریزوں کے قدم چاٹتے اور کبھی ہندو لیڈروں کے پاؤں چُومتے تھے۔ شیرِ خدا کے اس لاڈلے شیر نے برطانوی استعمار پر کاری ضرب لگانے کا فیصلہ اس زمانہ میں کیا۔ جب برطانوی سلطنت پر سُورج غروب نہ ہوتا تھا۔

پیرانِ پاگارا کا مرکز پیر جو گوٹھ جو دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر سابق ریاست خیرپُور اور دریائے سندھ کے درمیان گھرے ہوئے علاقے میں واقع ہے۔ یہ ضلع سکھر کا حصّہ تھا لیکن وَن یونٹ کے بعد اسے ضلع خیرپُور میں شامل کر دیا گیا۔ یہ ضلع خیرپور کے قصبے کنگری کے قریب واقع ہے۔ پیر صاحب پاگارا کا دوسرا مرکز سانگھڑ میں ہے جو صحرائے تھار (تھر)[1] کے مغربی

---

[1] یہی وہ ریگستان ہے جو مشرق میں ہندوستان کے شہر آگرہ سے مغرب میں دریائے سندھ
(بقیہ نوٹ، صفحہ ۲۳۲ پر دیکھئے)

کنارے پر واقع ہے۔ پیران پاگارا کے سلسلے کا آغاز سات پُشت پہلے ہُوا۔ اس سلسلہ کے پہلے بزرگ قطب زمان غوث دوراں شیخ المشائخ حضرت پیر سید محمد راشد[1] عرف پیر روضے دھنی علیہ الرحمۃ ہیں۔ یہ سلسلہ عالیہ انہی کی نسبت سے "راشدیہ" کہلاتا ہے۔

سرزمین سندھ کا یہ عظیم و متبرک خاندان دو حصّوں میں تقسیم ہُوا۔ ایک بھائی کو جھنڈا ملا اور دوسرے بھائی کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی دستار مبارک ملی۔ اسی دستار مبارک (پگڑی) کی نسبت سے یہ سلسلہ پگارا (یعنی پگ والا) مشہور ہُوا۔ اور دُوسرے بھائی کا سلسلہ جھنڈے کی نسبت سے جھنڈے وارا کہلایا۔ موجودہ گدّی نشین شاہ مردان شاہ سیّد سکندر علی شاہ صاحب پیر صاحب پاگارا ہفتم مورخہ ۲۲ نومبر سنہ ۱۹۲۸ء کو پیر جو گوٹھ میں پیدا ہوئے۔ اور قیام پاکستان کے بعد خان لیاقت علی خان کے عہدِ حکومت میں جب یہ گدّی بحال کی گئی۔ تو آپ پیر صاحب پاگارا ہفتم کی حیثیت سے ۲۳ برس کی عُمر میں مورخہ ۴ فروری سنہ ۱۹۵۲ء کو گدّی نشین ہُوئے۔

سندھ کے مشہور لیڈر قاضی محمّد اکبر صاحب اپنے مضمون میں لکھتے ہیں "حضرت پیر صبغۃ اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ انگریزی اقتدار کے سخت دشمن تھے۔ آپ نے راہِ حق میں جہاد اور غلبۂ کفر کو مٹانے کی خاطر حریّت پسندوں کی ایک عظیم الشّان جماعت مجاہدین کی تشکیل فرمائی۔ اس جماعت کا نام "حُر جماعت" مقرر فرمایا۔ اس کے لئے اپنے امیر یا پیر صاحب کے حکم پر اپنی جان اور مال قُربان کر دینا ان کا بنیادی اُصول ٹھہرا۔ حُر جماعت میں دو حصّے تھے۔ ایک سالم دُوسرے فرقی۔ فرقی حصّہ خود کو الگ اور مخصوص رکھتا تھا۔ یہ گویا پیر صاحب کے فدائی تھے۔

(بقیہ نوٹ ۲۳۱) تک اور شمال میں بیکانیر اور بہاولپور سے جنوب میں ہندوستان کے شہر مارواڑ تک محیط ہے انگریز اسے "گریٹ انڈین ڈیزرٹ" کہتے تھے۔ (مؤلف)

[1] شاہباز ولایت قبلہ عالم سیّد محمّد راشد عرف روضے دھنی علیہ الرحمۃ کی ولادت سال سنہ ۱۷۵۱ء مطابق سنہ ۱۱۷۰ھ ماہ رمضان المبارک میں ہوئی اور آپکی وفات سن ۱۸۱۷ء مطابق سنہ ۱۲۳۳ھ، شعبان کو ہوئی۔

پیر صبغۃ اللہ شاہ اوّل ایک تقدّس مآب بزرگ اور ہمہ صفت موصُوف تھے۔ انگریز ہمیشہ ان کو اور ان کی حُر جماعت کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے رہے۔ حکومت برطانیہ نے اس جماعت پر بلا وجہ سختیاں کرنی شروع کر دیں۔ اس صورت حال نے حُروں کو انگریزوں کے خلاف جنگ پر مجبور کر دیا۔

انگریزوں کے خلاف سنہ ۱۹۱۸ء میں حُروں نے پہلی بغاوت کی۔ ایک حُر بچو بادشاہ نے اپنے ساتھی پیروؔ کے ساتھ مل کر باغی آزاد حکومت قائم کی جو بارہ ۱۲ برس تک قائم رہی۔ اس جنگ کے دوران انگریز حُروں پر ناقابل بیان مظالم ڈھاتے رہے۔ ہزاروں کی تعداد میں حُر گرفتار کر کے جیلوں میں بند کئے گئے اور مقدمات چلائے بغیر ان کو ناکردہ گناہوں کی سزائیں دی گئیں۔ سینکڑوں حُروں کو پھانسی دے دی گئی۔ انگریز کی ان ظالمانہ کاروائیوں کے نتیجہ میں حُروں میں انگریز کے خلاف نفرت انتہا کو پہنچ گئی اور حُروں کی تحریک آزادی میں شدّت واقع ہوتی چلی گئی۔ حکومت برطانیہ نے حُروں کی زمینیں ضبط کر لیں۔ حیلوں بہانوں سے ان پر جُرمانے عائد کئے جانے لگے۔ اور جب جیلوں میں گنجائش نہ رہی تو خاردار تاروں کی باڑھ لگا کر لوڑھے قائم کئے گئے اور ان لوڑھوں میں لاتعداد حُروں کو قید کر دیا گیا۔

حُروں کے دُوسرے پیر حضرت صبغۃ اللہ شاہ دوم کے مسند نشیں ہونے پر صُورت حال اور زیادہ سنگین ہو گئی۔ اور انگریزوں نے پیر صاحب کو گرفتار کر کے ان پر مقدّمہ قائم کر دیا۔ اس مقدّمہ میں قائد اعظم محمّد علی جناح جو اس وقت بیرسٹر جناح کے نام سے مشہور تھے۔ پیر پگاڑو صاحب کے مقدمہ کی پیروی کرنے آئے۔ انگریز پیر صاحب موصُوف کو سزائے موت نہ دے سکا۔ تاہم کمال دھاندلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آٹھ سال قید با مشقّت کا فیصلہ سُنا دیا۔ اس سزا کے دوران پیر پگاڑو صاحب کو سندھ اور حُروں سے دُور

رکھنے کے لئے برِّ صغیر کی کئی جیلوں میں منتقل کیا جاتا رہا۔ رتناگری جیل، پُونا سنٹرل جیل اور دُوسرے مقامات پر جہاں ان کی ملاقاتیں ہندوستان کے مسلمان، ہندو اور سکھ فرقوں کے ان نظر بندوں سے ہوئیں جو آزادی کی جدّوجہد کے مقدّس گناہ میں محبوس تھے۔ ان ملاقاتوں کا اثر یہ ہُوا کہ پیر صاحب انگریزی اقتدار کے اور بھی زیادہ کٹّر مخالف ہو گئے۔ جنگ عظیم دوم کے آغاز سے تقریباً ایک سال قبل آپ رہا ہوئے اور ایک سال بعد جنگ شروع ہوتے ہی اُنھوں نے انگریزوں کے خلاف سندھ میں محاذ کھول دیا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ جرمنی کے ہٹلر اور جاپان کے جنرل ٹوجو نے انگریزوں پر جانکنی کا عالم طاری کر رکھا تھا۔ جنرل رومیل کی سرکردگی میں جرمن فوجیں نہر سویز کے علاقہ میں اور جاپانی کلکتہ کے گرد و نواح تک بڑھ آئے تھے۔ اس عالم میں انگریز اندرُونی طور پر کوئی خطرہ مُول لینے کو تیار نہ تھا۔ چنانچہ یکدم سندھ کے بتیس ۳۲ ہزار مربع میل کے علاقہ میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر رات کو ریلیں چلنا بند ہو گئیں تینتیس ۳۳ ہزار گورا مسلّح فوج ٹینک اور ہوائی جہازوں سے لیس سندھ میں تعیّنات کی گئی۔ مگر حُر ان عسکری انتظامات سے ذرّہ بھر متأثّر نہ ہوئے اور اپنی انقلابی جنگی کاروائیاں جاری رکھیں۔ تاریخ آزادی اور انگریز کے خلاف بغاوت کا یہ وہ باب ہے۔ جسکی مثال ہندو پاک کا کوئی صُوبہ پیش نہیں کر سکتا۔ ہندو جیسی دولتمند اور با اختیار قوم جب عدم تشدّد کی بنیاد پر محض سیاسی جنگ لڑتے پر مجبور تھی۔ اس وقت حُر سندھ میں انگریز کے خلاف مسلّح جنگ میں مصروف تھے۔ انگریزوں نے پیر صاحب کے گاؤں اور ان کے مکان واقع سانگھڑ میں بم باری کی۔ حُر باغیوں اور ان کے ٹھکانوں پر بمباری کے لئے خاص طور پر پٹیارو کا ہوائی اڈّہ کام میں لایا گیا۔ اکثر علاقوں میں شام سے صبح تک کسی کے نظر آتے ہی گولی مار دینا عام بات تھی۔

سنگ و آہن کی بارش میں آگ اور خُون کا یہ کھیل کئی برس تک جاری رہا۔ اس دوران میں پیر صاحب پاگارا کو گرفتار کر لیا گیا ان کے دو کم سن صاحبزادوں[1] کو جلاوطن کر دیا گیا۔ حُروں سے جیلیں بھرتی رہیں۔ ساری ساری رات حُروں کو پھانسیاں دی جانے لگیں۔ انگریز حُروں کی اس بغاوت سے اس قدر پاگل ہو چکا تھا کہ اپنی روائتی قانون دانی اور انصاف پسندی بھی بُھلا بیٹھا۔ خفیہ طور پر پیر صاحب پاگارا پر مقدمہ چلایا گیا۔ اور نامعلوم مقام پر لے جا کر انہیں شہید کر دیا گیا۔ اس انقلابی راہنما کی شہادت کے بعد لاکھوں حُروں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا۔ انگریزی حکومت کا یہ ظلم و ستم قیام پاکستان تک مسلسل جاری رہا۔ مختصر یہ کہ حُر قوم اور ان کی جدّوجہد آزادی تاریخ اسلام کا ایک ایسا سنہری باب ہے۔ جس پر پُوری ملّتِ اسلامیہ فخر و ناز کر سکتی ہے۔ اور کوئی غیر مسلم قوم اس خُون آشام جدّوجہد کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ مَیں نے پیر پگاڑہ کو اپنی چشم گنہگار سے دیکھا ہے۔ آپ انسانی حُسن و خُوبی کا ایک نادر نمونہ تھے۔ نیز رُوحانی عظمت نے ان کے چہرہ پر بلا کا نُور اور جلال بکھیر دیا تھا۔ کوئی شخص خواہ وہ کس قدر بھی مضبوط دل رکھتا ہو۔ ان سے آنکھیں ملانے کی تاب نہیں لا سکتا تھا۔ بڑے بڑے انگریز۔ سر اور خان بہادر اس مجاہد اعظم کے سامنے جاتے تو یکبارگی لرز جاتے تھے۔ لیکن یہ کس قدر شرمناک حقیقت ہے۔ کہ اس عظیم انقلابی مجاہد کے خلاف جھوٹا مقدّمہ گھڑنے والے اور شہادتیں دینے والے بیگانے نہ تھے، خُود اپنے ہی تھے۔ اس طرح اپنوں کی غدّاری کی روایت یہاں بھی قائم رہی۔ تاہم انگریز حُر جماعت کو کچل نہ سکا۔ اور نہ اس کا شیرازہ منتشر کر سکا۔

---

[1] اس وقت حضرت صاحبزادہ سیّد سکندر علی شاہ صاحب کی عُمر تیرہ ۱۳ سال اور حضرت صاحبزادہ سیّد نادر علی شاہ صاحب کی عُمر گیارہ ۱۱ سال تھی۔ (مؤلّف)

حُر مجاہدین کی تحریک آزادی کے دوران ایک یہ ہولناک واقعہ بھی رُونما ہُوا کہ حُر مجاہدین انگریزوں کے حامی وزیرِ اعلیٰ سر اللہ بخش اور ان کے وزیرِ مال نِچل داس کو ہلاک کرنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لئے میل ٹرین کو اُلٹ کر حادثہ سے دوچار کیا گیا۔ مگر یہ دونوں بچ گئے۔ اور ان کے دھوکے میں دوسرے مارے گئے۔ سر اللہ بخش اور نِچل داس اس گاڑی میں کراچی کینٹ سے سوار ہوئے۔ اس اطلاع کے ملتے ہی حُر مجاہدین نے اس گاڑی کو حیدرآباد سے پینتالیس[۴۵] میل دُور اُڈیرو لعل اور ٹنڈو آدم کے درمیان روک کر انہیں ہلاک کرنے کا پروگرام بنایا۔ پروگرام کے عین مطابق گوریلا جنگ کے ماہر حُروں نے اس کے فسٹ کلاس ڈبّے اچانک پٹڑی سے اُتارنے کا بندوبست کیا۔ اور ایسا ہی ہُوا کہ اعلیٰ کلاسوں کی بوگیاں مقررہ مقام پر اُلٹ گئیں۔ گاڑی ستّر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہی تھی۔ کراچی کا ایک انقلابی نوجوان دستی خان اپنے ہمراہیوں سمیت اسی گاڑی میں موجود تھا۔ ان لوگوں نے رات کی تاریکی میں اس حادثہ کے بعد انگریزوں کے پٹھوؤں کو قتل کرنا شروع کیا۔ نِچل داس وزیرِ مالی ایک اُلٹی ہُوئی بوگی کے پاخانے میں چھپ گیا۔ البتّہ ایک بیگناہ نوجوان مُنوّر حسینؔ مارا گیا۔ یہ غلام حسین ہدایت اللہ کا بیٹا تھا جو اس گاڑی میں سفر کر رہا تھا۔ اللہ بخش سومرو کے بچ جانے کا سبب یہ ہُوا کہ حیدرآباد اسٹیشن پر ان کے چند دوست ان سے ملنے آئے اور طے پایا کہ وہ ایک رات حیدرآباد میں قیام کریں۔ سر اللہ بخش، بغیر پروگرام کے اچانک حیدرآباد اُتر گئے۔ اور اس طرح وہ قتل ہونے سے بچ گئے۔ اس حادثہ کے بعد حُروں کے خلاف انگریز کے ظلم و ستم میں بے پناہ اضافہ ہو گیا اور یہ سلسلہ انگریزوں کے یہاں سے رُخصت ہو جانے تک قائم رہا۔

طلوعِ آزادی کے کئی برس قبل پیر صاحب پاگاڑو کی مسند مستقل طور پر ختم کر دی گئی تھی۔ ان کے دونوں صاحبزادے پیر سکندر علی شاہ اور پیر

نادر علی شاہ کمسن تھے جنہیں تعلیم کے بہانے لندن روانہ کر دیا گیا تھا۔ پیر صاحب کی قیام گاہ گنگری، کوٹ پر اس قدر شدید بمباری کی گئی تھی کہ وہاں صرف ملبہ کا ڈھیر نظر آتا تھا۔ صعوبتوں کی اس بے پناہ یورش میں بھی جب جگر دار حُروں کے پائے ثبات کو جنبش نہ ہوئی تو انگریزوں نے کمال مکاری و سازش کے ذریعہ پیر پگاڑو کی گدی پر اپنے ڈھب کے آلۂ کار اور فرماں بردار قسم کے کسی فرد کو متمکن کرنے کی کوشش کی[1]۔ اس وقت حیدرآباد کے کلکٹر سردار بہادر محمد بخش تھے۔ ان کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ انگریز سے تعاون کرنے والے سجادہ نشین کو مقرر کرنے کی کوشش کریں اور حُروں کے خلیفہ صاحبان اور سرکردہ افراد کی کانفرنس بلا کر اس کی توثیق حاصل کریں۔ مقتدر حُر راہنماؤں کی کانفرنس بھی بلا لی گئی۔ لیکن اس شیر دل جماعت کے ہر رُکن نے بیک زبان اس گھناؤنی تجویز کو نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ اور صاف

---

[1] موجودہ گدی نشین شاہ مردان شاہ سیّد سکندر علی شاہ صاحب پاگارہ ہفتم ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ "انگریزی حکومت نے تمام تر فوجی آپریشن کے باوجود جب عوام میں ہمارے خاندان سے عقیدت میں کوئی کمی نہ دیکھی تو اپنے ہاتھوں میں کھیلنے والا پیر بنانے کی کوشش کی لیکن وہ اس میں بُری طرح ناکام ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ حُروں کو اپنے قبضے میں لے لیں گے۔ وہ پیر علی محمّد راشدی تھے۔ جو چوتھی پُشت میں ہمارے خاندان میں آ ملتے ہیں۔ انگریزوں نے پیر صاحب شہید کے خلاف مقدمے میں بھی ان سے بہت کام لیا تھا۔ انہیں انگلش سرکار نے سرکاری گواہوں کے بیانات تیار کرنے اور گواہوں کو تربیت دینے پر لگایا تھا۔ پیر علی محمّد راشدی گواہوں کے بیانات پہلے خود سنتے پھر انہیں فائنل پرفارمنس کے لئے عدالت میں بھیج دیتے۔ ہمارے والد صاحب کے وکیل نے ہمیں ان تمام واقعات سے آگاہ کیا کہ کیسے پیر علی محمّد راشدی نے انگریزوں کے منشاء کے مطابق گواہیاں بھگتائیں۔ انگریز اس خدمت کا صلہ انہیں پیر پگارا کی گدی بخش کر دینا چاہتا تھا اور علی محمّد راشدی کی بھی یہی خواہش تھی لیکن انہیں اور اُن کے آقاؤں کو جلد ہی معلوم ہو گیا کہ ایسا کیا گیا تو انہیں پھر ایک نئے طوفان کا سامنا کرنا پڑے گا۔" (ہفت روزہ۔ لیل و نہار۔ لاہور۔ ۱۳ مئی ۱۹۷۳ء)

الفاظ میں کہہ دیا کہ پیر پگاڑو شہید کا جانشین ان کا جائز وارث ہی ہوگا۔ اور وہ جائز وارث ان کے بڑے صاحبزادے ہی ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی فرد کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

قیام پاکستان کے چند برس بعد خان لیاقت علی خان کی وزارت عظمیٰ کے عہد میں یہ گدی پھر آباد ہوئی اور جناب پیر سکندر علی شاہ صاحب اس پر فائز ہوئے جن کا لقب شاہ مردان ثانی ہے۔ آپ کی گدی نشینی کی تقریب سندھ کے حروں اور عام مسلمانوں نے بڑی شان و شوکت کے ساتھ منائی۔ اور دستار بندی کی رسم ادا کی گئی اور اس کے ساتھ ہی انگریزی حکومت کے قائم کردہ لوڑھوں کو ختم کر کے تمام حروں کو آزاد کر دیا گیا۔ انگریزی حکومت نے حر مجاہدین کو کچلنے اور ان کے جذبۂ حریت کو ختم کر دینے کی خاطر سارے جتن کر لئے۔ مگر انگریز ناقابل بیان مظالم توڑنے کے باوجود اپنے مقصد میں بری طرح ناکام رہا۔ حر مجاہدین کے جوش شجاعت میں ذرہ بھر کمی واقع نہ ہوئی۔ اور نہ ہی ان کا جذبۂ جہاد سرد ہو سکا۔ اس کا ثبوت پورے بیس[۲۰] برس بعد ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کی ہولناکیوں میں حر مجاہدین کے عظیم الشان کارناموں سے ملتا ہے سندھ کے ان مجاہدین نے راجستھان سیکٹر میں بھارتی ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے منہ راجہ پورس کے ہاتھیوں کی طرح پھیر دئے اور نہ صرف تین سو پچاس میل طویل سندھ راجستھان سرحد پر اپنے وطن پاکستان کا دفاع کیا۔ بلکہ دشمن کو روندتے ہوئے سینکڑوں میل تک بھارتی علاقوں میں جا گھسے اور بھارت کے اہم مقامات پر پاکستان کے پرچم لہرا دئے تھے۔" (اقتباس بہ تصرف قلیل۔ جنگ کراچی ۲۳ اپریل ۱۹۶۸ء)

حضرت قبلہ شاہ مردان شاہ پیر صاحب پاگارا تحریک آزادی کے متعلق فرماتے ہیں: "ہم ان دنوں چھوٹے بچے تھے۔ تاہم ہمیں کچھ نہ کچھ سوجھ بوجھ حاصل تھی۔ اسی بنا پر ہمارا اندازہ تھا کہ کوئی نہایت اہم

بات ہو رہی ہے۔ آج سے تینتیس[۳۳] برس پیشتر بچے آج کی طرح بڑوں کی مجلس میں نہ بیٹھتے تھے۔ اور نہ گفتگو میں شریک ہوتے تھے۔ اس لئے براہ راست تو کچھ علم نہیں۔ البتہ اس وقت کے مشاہدات کو یاد کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے۔ کہ تحریک بالکل ابتدائی درجے میں تھی۔ کچھ لوگ مسلح جدوجہد کی تربیت حاصل کر رہے تھے۔ لیکن اس وقت تک نہ تحریک کا کوئی ہیڈ کوارٹر طے ہوا تھا اور نہ طریقہ کار کا فیصلہ ہوا تھا۔ کوئی باقاعدہ کمانڈ بھی نہیں بنائی گئی تھی اور نہ جدوجہد کے لئے مقام اور وقت کا تعین ہوا تھا۔ اور شاید ابھی کوئی باقاعدہ تنظیم ہی نہیں بنی تھی۔ بہرحال ہمیں اپنے بھائی، والدہ اور گھر کے دوسرے افراد سمیت حراست میں لے لیا گیا۔ پیر گوٹھ سے کراچی لایا گیا۔ ہمیں اس وقت بندر روڈ کے ایک بنگلے میں زبردست پہرے میں نظر بند کر دیا گیا۔ کسی کو ہم سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ ہمارے ساتھ ہمارے جو پانچ ملازم تھے۔ انہیں بھی باہر جانے یا کسی سے بات کرنے کی اجازت نہ تھی یعنی وہ بھی ہمارے ساتھ ہماری طرح قید تھے۔ یہ بنگلہ ماما پارسی سکول کے پاس ہے۔ اس وقت یہ ٹنڈو باگو کے میر خدا بخش تالپور کی ملکیت تھا۔ آجکل اسی بنگلے میں ڈاکٹر مس صدیقی کا کلینک ہے۔ ہمارے پاس دو مرد ملازم تھے۔ ہم نے ان میں سے ایک کو جانے کے لئے مجبور کیا۔ اور اسے بمشکل راضی کیا حقیقتاً ہمارے لئے یہ نہایت مشکل کا دور تھا۔ نظر بندی کے سوا اور بہت سی تکالیف تھیں۔ ہمیں کسی قسم کی طبی امداد بھی نہ دی جاتی تھی۔ ہم اپنے بے قصور ملازمین کو اس مصیبت میں نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ لیکن انہوں نے ہمارے ساتھ رہنے کو ترجیح دی۔ انہی دنوں ہمارے والد پیر صاحب شہید پر حیدرآباد میں بند کمرے میں خصوصی مارشل لاء عدالت میں مقدمہ چلا۔ اور انگریزوں نے انہیں شہید کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہم ذہنی طور پر بہت پہلے سے اس کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ ہم جانتے تھے کہ انگریز آزادی کے اس مجاہد کو اس سے کیا کم سزا

تمامتر پابندیوں کے باوجود ہمیں کئی باتیں معلوم ہوتی رہیں۔ ہمارے پہرے پر مقرر سپاہیوں میں سے کئی ایک کو ہم سے اور اس مقصد سے جس مقصد کے لئے ہمارا خاندان قربانیاں پیش کر رہا تھا ہمدردی تھی۔ وہ ہمیں حالات سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ شہادت سے کچھ عرصہ بعد ۱۹۴۳ء کے اواخر یا ۱۹۴۴ء کے اوائل میں ہمیں تعلیم کے لئے علی گڑھ لے جایا گیا۔ اس کی صورت یہ تھی۔ کہ ہمیں اور ہمارے چھوٹے بھائی نادرشاہ کو شام جھٹپٹے میں برقع اوڑھا کر ریلوے اسٹیشن لایا گیا اور گاڑی میں تمام راستہ کھڑکیاں اور دروازے بند تھے اور ہم پر پولیس کا بھاری پہرہ تھا۔ دہلی کے قریب جا کر کھڑکیاں کھولی گئیں اور ہم نے برسوں کے بعد کھلی فضا کو دیکھا۔ یہ تمام کاروائی پولیس کے ایک افسر مسٹر محمود حسین کی نگرانی میں ہوئی۔ اور وہ تمام وقت ہمارے ساتھ رہے۔ یہ وہی محمود حسین صاحب ہیں جو بعد میں اسسٹنٹ انسپکٹر جنرل سی۔ آئی۔ ڈی ریٹائر ہوئے۔ نظر بندی کے دوران ہماری درخواست پر برطانوی حکومت نے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر صدرالدین جونیجو کو قرآن پاک پڑھانے پر مامور کیا جو کبھی کبھار آ کر ہمیں تھوڑا بہت قرآن پاک پڑھاتے اور سنتے۔ علی گڑھ میں ہمارے لئے کوئی خصوصی انتظام نہ تھا۔ جون ۱۹۴۶ء میں سمندری جہاز کے ذریعے مجھے اور نادرشاہ کو لورپول پہنچایا گیا۔ جہاں سے کسی پبلک سکول میں داخل کرنے کے بجائے ایک سابق فوجی میجر سی ڈیوس کے پرائیویٹ سکول میں داخل کرایا گیا۔ یہ سکول ہیرو کے قریب "پنر" نامی گاؤں میں تھا۔ یہ گاؤں عام راستے سے ہٹ کر تھا۔ وہاں سیاحوں کے لئے بھی دلچسپی کی کوئی چیز نہ تھی۔ اس لئے وہاں متعلقہ افراد کے علاوہ کسی کا گذر نہ ہوتا تھا۔ اس پر مزید ایک سابق فوجی کی نگرانی۔ ہم نہیں جانتے کہ ہمیں وہاں کیوں زیر تعلیم رکھا گیا۔ البتہ یہ سب کچھ برطانیہ میں برصغیر کے امور کے محکمے انڈیا ہاؤس کا انتظام تھا۔ ہمیں صرف اتنا بتایا گیا تھا کہ ہماری عمر پبلک سکول کے لئے زیادہ ہے۔

اس لئے یہاں رکھا جا رہا ہے۔ میجر ڈیوس کے سکول میں طالب علموں کی تعداد کبھی بارہ تیرہ سے زیادہ نہ رہی اور اس میں سب غیر ملکی تھے۔ ہمارے وہاں قیام کے دوران روڈیشیا۔ تھائی لینڈ، عراق، ایران، آئس لینڈ اور حبشہ (ایتھوپیا) کے طلبہ وہاں مقیم تھے۔ یہ تمام طالب علم ان ممالک کے نمایاں لیکن غالباً باغی خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ وہاں ایسی فضا تھی کہ کوئی بھی اپنے خاندان یا ملک کے بارے میں بات نہ کرتا تھا۔ ان میں حبشہ کے ایک مسٹر زوڈی بھی تھے جو ہمارے کچھ قریب آئے۔ زوڈی حبشہ کے بادشاہ ہیل سلاسی کے قریبی رشتہ دار تھے۔ مضامین کا انتخاب بھی ہماری مرضی پر نہ تھا۔ ہمیں جس امتحانی کورس کے لئے تیاری کروائی جا رہی تھی۔ اس میں عیسائیت کا ایک مضمون (DIVINITY) بھی تھا۔ میں اس کے ساتھ لاطینی پڑھتا تھا۔ چھوٹے بھائی نادرشاہ کو فرانسیسی پڑھائی جاتی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد بھی کچھ عرصہ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ حتیٰ کہ یہ پاکستان گورنمنٹ کے نوٹس میں آیا۔ حکومت پاکستان کو اس جانب متوجہ کرنے والے ڈاکٹر رحمان تھے۔ جو سی۔ پی (مدھیہ پردیش) کے مہاجر تھے۔ پاکستانی ہائی کمشنر نے اس کا سختی سے نوٹس لیا۔ اور ہمیں عیسائیت والے کورس کے بجائے دوسرا کورس دیا گیا۔ ہم انگلستان ہی میں زیر تعلیم تھے کہ ۱۹۴۹ء میں پاکستان کے پہلے وزیراعظم نوابزادہ لیاقت علی خان لندن کے دورے پر آئے۔ انہوں نے مجھے اور چھوٹے بھائی نادرشاہ کو اپنی قیام گاہ کلیرجز ہوٹل میں بلایا۔ اور تحریک آزادی میں ہماری خاندانی جدوجہد کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے بتایا۔ کہ حکومت پاکستان ہماری گدی کی بحالی اپنا قومی فرض خیال کرتی ہے۔ انہوں نے اپنی زبان سے یہ فیصلہ سنایا تھا۔ اور یہ بات ہمارے لئے قابل فخر ہے۔ گدی کے احیاء کا فیصلہ تو ۱۹۴۹ء میں کر لیا گیا تھا۔ لیکن اس پر عملدرآمد ۱۹۵۲ء میں ہوا۔ اس تاخیر کا باعث یہ ہو سکتا ہے۔ کہ ہمارے وہی مہربان جو پیر صاحب شہید کے زمانے میں انگریزوں کے دستِ راست

اور معاونِ خصوصی تھے اور آج مسٹر بھٹو کے خصوصی مشیر ہیں۔ ہماری وطن میں آمد
سے پریشان ہوں اور ان دنوں ایوان اقتدار میں انہیں جو رسائی حاصل تھی۔
اسے خود اپنی کھال بچانے کے لئے استعمال کر رہے ہوں۔

وطن واپسی اور گدی کی بحالی کے بعد حکومتِ پاکستان نے جو کچھ ہمارے
حوالے کیا۔ اس میں تاریخی نوادرات اور مقدس آثارات میں سے کچھ بھی نہ
تھا۔ حیدر آباد کی آرموری میں محفوظ کچھ فوٹو اور لیجر ہمیں دئے گئے۔ انہی
لیجروں میں کہیں ہماری وہ خاندانی مُہر تھی۔ جو آج ہمارے پاس محفوظ واحد
مقدس اور تاریخی ورثہ ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ مُہر انگریزوں کی نظر میں نہیں
آئی تھی۔ اس لئے بچ نکلی ورنہ ہمارے تمام تاریخی اور خاندانی اثاثے حتیٰ کہ
گھریلو زیورات تک حیدر آباد میں نیلام کر دئے گئے تھے۔ ان میں ہماری خاندانی
لائبریری بھی تھی۔ جس میں بیش قیمت قلمی نسخے تھے۔ پیر صاحب شہید کی نجی
ملکیت میں آنے والی ہر چیز ضبط کر لی گئی تھی۔ حکومت پاکستان نے جب ہماری
دستار بندی کی اجازت دی۔ تو ہم سے یہ تحریر لی گئی۔ کہ ہم اپنے خاندانی
اثاثوں اور نقدی میں سے کسی چیز کا دعویٰ نہیں کریں گے۔ اور نہ ہی اس
کا حساب طلب کریں گے۔ اس سے پیشتر ۱۹۴۶ء میں برطانوی حکومت نے
ہمارے خاندان کو کچھ جائداد اور معمولی سی کچھ نقدی دی تھی اور باقی
جائداد کا ٹرسٹ بنا دیا تھا۔ پیر صاحب شہید نے تحریک آزادی کی خاطر
بہت سی دولت جمع کر رکھی تھی اور اسے مختلف مقامات پر دیگوں میں
ڈال کر زمین میں دفن کر رکھا تھا۔ ایسی ہی ایک دیگ انگریزوں نے
پیر گوٹھ میں دریافت کی تھی۔ وطن واپسی پر سکھر کے ڈپٹی کمشنر نے ہمیں
ایک دیگ دکھائی۔ جس پر یہ پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ کہ اس دیگ سے لامحدود
قیمت کے جواہرات برآمد ہوئے تھے۔ یہ سب دولت انگریز نے کیا کی اور کہاں
گئی یہ ایک دلچسپ کہانی ثابت ہو سکتی ہے اور اس طرح پیر صاحب شہید

کی تحریک کے بارے میں بھی کئی معلومات منظر عام پر آسکتی ہیں۔" اس سوال کی
وضاحت فرماتے ہوئے کہ آپ نے وطن واپس آکر خود ماضی کی اس عظیم تاریخ
کو منضبط کرنے کی کوشش کیوں نہ کی؟ پیر صاحب پاگارہ نے فرمایا "میری رائے
ہے۔ کہ ہمیں آگے کی طرف دیکھنا چاہیئے۔ جو آج مستقبل ہے کل ماضی بن کر تاریخ
کا حصہ بن جائے گا۔ اس لئے ماضی کی دلکشی میں کھونے کے بجائے مستقبل کی
فکر کرنا چاہیئے۔ اگر آج آپ نے اچھے مستقبل کی بنیاد ڈال دی۔ تو کل مستقبل
اچھا ماضی بن جائے گا۔ مستقبل پر ماضی کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ ایک تو یہ
بات تھی۔ کہ میں مستقبل کی طرف دیکھنے کا عادی ہوں۔ اس لئے آکر ماضی کی
جستجو نہ کی۔ دوسرے یہ تھا کہ جو لوگ پیر صاحب شہید اور ان کے ساتھیوں کے
خلاف انگریزوں کے آلہ کار بنے تھے۔ وہ ہماری واپسی سے انتہائی خوفزدہ تھے۔
وہ ہر جگہ اس خوف کا اظہار کرتے تھے۔ کہ ہماری واپسی ان کے لئے موت کا پیغام
ہوگی۔ اور ہم ان تمام لوگوں سے چُن چُن کر بدلہ لیں گے۔ جنہوں نے انگریزوں سے
تعاون کیا تھا۔ اس لئے وطن پہنچ کر ہم نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ جب ہم ان بزدلوں
اور بے ضمیروں کو انتقام کے قابل ہی نہیں سمجھتے۔ تو ان کا خوف دور کرنے کے لئے
کم از کم ہم خود پیر صاحب شہید کی تحریک کے حالات معلوم کرنے کی کوشش
نہیں کریں گے۔ اور یہی ہم نے کیا۔ سوائے ان واقعات کے جو از خود لوگوں نے
ہمیں آکر بتائے۔ کئی برس پیشتر مولانا غلام رسول مہر ہمارے پاس آئے تھے۔
وہ اس تحریک پر کچھ لکھنا چاہتے تھے۔ جتنا مواد اِدھر اُدھر سے مل سکتا تھا۔
وہ ہم نے مولانا غلام رسول مہر کو دلوا دیا تھا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ انہوں نے
اسے اپنے تحقیقاتی کام میں کہاں تک مفید پایا۔"

(ہفت روزہ لیل و نہار۔ لاہور۔ ۱۳ مئی ۱۹۷۳ء)

کھسیاتی بلّی کھمبا نوچے	ابن الوقت وہابی، جب اپنے پیشواؤں کو ملکی و ملّی خدمات سے تہی دامن پاتے ہیں۔ تو

اپنی خفت مٹانے کو مشاہیر مشائخ و علمائے اہلسنت میں سے کسی کے ساتھ ان کا کوئی
نہ کوئی تعلق جوڑنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔ طرح طرح کے افسانے تراش کر
مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں۔ اور محض پروپیگنڈے
کے زور پر یہ باور کرانا چاہتے ہیں۔ کہ چونکہ ہمارے فلاں پیشوا کا رابطہ فلاں
بزرگ سے تھا۔ للذا ہمیں بھی لہو لگا کر شہیدوں میں مل جانے کا حق حاصل ہے
پھر خواہ تاریخی واقعات ان کے دعووں کی صریحاً تکذیب کرتے ہوں، یا واقعاتِ
حال ناقابل تردید دلائل سے ان کے افسانوں کو جھوٹا بھی ثابت کر دیں۔ یہ
لوگ اپنی رٹ لگاتے چلے جائیں گے!

وہابی صاحبان، سیّد احمد بریلوی اور اسمٰعیل دہلوی
کی نام نہاد تحریک جہاد کو صحیح و درست ثابت کرنے کی ناکام کوشش میں ان
کی پیر گوٹھ میں آمد اور حضرت پیر سیّد صبغۃ اللہ شاہ صاحب اوّل خلف
الرّشید قبلہ سیّد محمد راشد پیر صاحب روضے دھنی (علیہما الرحمۃ) مورثِ
اعلیٰ خاندان راشدیہ سے ان کی ملاقات کا بڑا ڈھنڈورہ پیٹتے ہیں اور
اس سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ کہ ہمارے پیشواؤں کی یہ شان ہے۔ کہ حضرت
پیر صاحب پاگارا جیسی عظیم شخصیت نے بھی ان کی خاطر مدارات کی اور کئی
روز تک ان کی مہمان نوازی فرمائی۔ اتنی سی بات کا بتنگڑ بنا کر اب یہاں تک
کہنے لگے ہیں۔ کہ حضرت پیر صاحب موصوف، (معاذ اللہ) ان کی تحریک وہابیت
کے حامی اور مددگار تھے۔

حالانکہ حقیقت صرف اس قدر ہے۔ کہ سیّد احمد رائے بریلوی اپنے چند
ساتھیوں کے ہمراہ مسافروں کی حیثیت میں آئے اور حضرت پیر صاحب موصوف
نے اپنی اعلیٰ خاندانی روایات کے تحت ان کی مسافر نوازی فرمائی۔ ان کی
مومنانہ صورتیں دیکھ کر انہیں دیندار سمجھتے ہوئے اعلیٰ اخلاق سے پیش آئے۔
تو یہ صرف قبلہ پیر صاحب موصوف کی بلند ہمتی، اعلیٰ ظرفی اور آپ کے اخلاق

کریمانہ کا اظہار تھا۔ مگر اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ پیر صاحب موصوف ان کی
نام نہاد تحریک جہاد کے حامی و مؤید تھے؟ آیا کوئی بھی وہابی یہ ثابت کر سکتا
ہے۔ کہ سیّد احمد نے حضرت پیر صاحب علیہ الرّحمۃ کو اپنے اور اپنی تحریک
کے متعلق صاف صاف مندرجہ ذیل باتوں سے مطلع کیا تھا؟

۱۔ میں اپنی محسن و مربّی حکومت برطانیہ کا حقیقی خیر خواہ اور وفادار
ایجنٹ ہوں۔

۲۔ میں انگریزوں کی مخالفت اور حصول آزادی کے لئے ان سے لڑنا
مذہبًا حرام سمجھتا ہوں۔

۳۔ میں انگریز کے اقتدار کے استحکام کی خاطر بڑی خدمات سرانجام
دے چکا ہوں۔

۴۔ میں ابن عبدالوہاب نجدی کے نقشِ قدم پر چل کر مشرک مسلمانوں کے
خلاف جہاد کی تیاری کر رہا ہوں۔

۵۔ ہم کسی کا ملک چھین کر حکومت کرنا نہیں چاہتے۔ نہ انگریزوں کا، نہ
سکھوں کا۔

۶۔ ہم سکھوں کے خلاف جہاد کا نعرہ صرف اس لئے لگاتے ہیں کہ مسلمان
ہمیں چندہ دیں اور نعرۂ جہاد کی کشش سے ہماری لڑاکا جماعت
میں شامل ہوں۔

۷۔ ہم سرحدی علاقہ میں افغانوں کے تعاون سے یا انہیں کچل کر انگریزوں
کے زیرسایہ ریاستِ وہابیہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔

۸۔ میرے دست راست مولوی اسماعیل دہلوی نے ابوالوہابیہ نجدی کی
کتاب التوحید کا خلاصہ تقویۃ الایمان کے نام سے لکھا ہے۔

۹۔ اس کی وہابیانہ حرکات سے دہلی اور دیگر شہروں میں شورش بپا ہے
مسلمانوں میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک رہی ہے۔

۱۰۔ اب ہم برٹش گورنمنٹ کی اجازت، تائید اور حمایت سے مسلمانان ہند کا شرک، ایران کا رفض، چین کا کفر اور افغانستان کا نفاق مٹا دینے کی خاطر سرحدی علاقہ میں افغانوں سے جہاد کرنے جا رہے ہیں۔

۱۱۔ ہم آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ان مقاصد کی تکمیل میں ہماری امداد فرمائیں۔

کیا کوئی وہابی یہ ثابت کر سکتا ہے۔ کہ سیّد احمد نے حضرت پیر صاحب پاگارا کی خدمت میں یہ تمام باتیں عرض کر دی تھیں اور پیر صاحب پاگارا نے ان کی یہ رام کہانی سُن کر انھیں تائید و حمایت اور امداد فرمائی تھی؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ واضح رہے کہ حضرت پیر صاحب موصوف بفضلہ تعالیٰ اہلسنّت وجماعت کے سردار اور ایک عظیم رُوحانی پیشوا تھے۔ سلسلہ رشد و ہدایت اور حلقۂ ذکر و فکر قائم کئے ہوئے تھے۔ ہزاروں لاکھوں مسلمانانِ اہلسنّت آپ سے فیوض و برکات حاصل کر رہے تھے۔ ان کے متعلق کوئی صحیح الدماغ شخص سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ ان جیفۂ دُنیا کے طلبگار، ابن الوقت وہابیوں کی گندی سیاست اور گھناؤنی سازش میں ملوّث ہو سکتے ہیں۔ اس قدر جلیل القدر پاکباز بُزرگ کے سامنے روباہ صفت وہابیوں کی کیا مجال تھی بلکہ وہ اپنی مذموم سرگرمیوں اور ناپاک عزائم کا اظہار بھی کر سکیں۔ بلکہ اگر یہ لوگ شامت اعمال سے اس قسم کا کچھ اظہار کر بیٹھتے تو یقیناً دھکے دے کر نکال دئے جاتے اور صاف سُنا دیا جاتا کہ ؎

برو ایں دام بر شاخ دگر نہ — کہ عنقا را بلند است آشیانہ

بات صرف اتنی سی ہے۔ کہ سیّد احمد اور ان کے ساتھی بگلے بھگت بن کر چند روز عالی مقام پیر صاحب کے ہاں مسافرانہ حیثیت سے قیام پذیر رہے۔ پیر صاحب موصُوف نے ازراہِ احسان ان کی خاطر مدارات کی اور ممکن ہے کہ ان کی کچھ مالی مدد بھی کر دی ہو، اور اس طرح مزید لطف و کرم کا مظاہرہ

فرما دیا ہو۔ تو اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا۔ کہ قبلہ پیر صاحب پاگارا علیہ الرحمۃ نے (معاذ اللہ) ان کی وہابیت کو قبول کر لیا تھا اور ان کی ناپاک تحریک میں شامل ہو گئے تھے۔

لیکن وہابی صاحبان ہیں۔ کہ وہ اتنی سی بات کو اتنا اُچھال رہے ہیں۔ اور اپنی حکمتِ عملی کے تحت جھوٹے افسانے تراش کر قبلہ پیر صاحب موصوف پر بُہتان لگا رہے ہیں۔

وہابیوں کی تقیہ بازی

وہابیہ کے متعلق کون نہیں جانتا کہ انہیں گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے میں کمال حاصل ہے۔ اور مقصد براری کے لئے تقیہ بازی ان کا معمول ہے۔ یہانتک کہ معمولی سے وقتی فائدہ کی خاطر بھی یہ لوگ بطور تقیہ اپنے مسلک و عقیدہ تک کا انکار کر دیتے ہیں۔ ان کی تقیہ بازی کی یُوں تو بے شمار مثالیں دیکھنے اور سُننے میں آتی ہیں۔ تاہم میں خاندان راشدیہ سے متعلق ہی وہابیہ کی تقیہ بازی کا ایک تازہ نمونہ پیش کرنا مناسب سمجھتا ہُوں۔ اسی سے سیّد احمد رائے بریلوی کی قبلہ پیر صبغۃ اللہ شاہ صاحب اوّل کے حضور میں تقیہ بازی کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔

چند برس قبل جبکہ شہر سنجھورو (ضلع سانگھڑ) میں دیوبندی مسلک کی مسجد زیر تعمیر تھی۔ دیوبندی وہابیوں کا ایک وفد حضرت پیر شاہ مردان شاہ صاحب موجُودہ پیر صاحب پاگارا کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اور اپنی زیر تعمیر مسجد کے لئے مالی امداد کی درخواست پیش کی۔ بہ مصداق حدیث مُبارکہ "اتقوا فراسۃ المومن فانّہٗ ینظر بنور اللہ" پیر صاحب پاگارا نے نُورِ فراست سے اراکین وفد کے چہروں پر نظر ڈالتے ہُوئے ان سے دریافت کیا کہ "آیا آپ ان لوگوں میں سے ہیں۔ جن کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا علم (نعوذ باللہ) ہر صبی و مجنوں بلکہ جمیع حیوانات و بہائم جیسا ہے؟ پیر صاحب موصوف کا

اشارہ دیوبندیوں کے مشہور مولوی اشرف علی تھانوی کی اس کفریہ عبارت کی جانب تھا۔ جوکہ اس نے اپنی کتاب "حفظ الایمان" میں لکھی ہے۔ مگر چونکہ اس وقت دیوبندیوں کا مقصد حضرت پیر صاحب سے چندہ وصول کرنا تھا اس لئے وفد کے اراکین توبہ توبہ پکار اُٹھے۔ اور کہنے لگے۔ نہیں حضرت۔ ہم اُن لوگوں میں سے ہرگز نہیں ہیں اور ہمارا یہ عقیدہ بھی نہیں۔ اس پر قبلہ پیر صاحب نے مسکراتے ہوئے مبلغ ڈیڑھ ہزار روپے انہیں عطا کئے اور فرمایا "سردست یہ رقم لے جاکر تعمیر مسجد میں صرف کردو۔ اگر مزید رقم کی ضرورت محسوس ہو تو پھر آکر مجھ سے لے جاسکتے ہو۔" اس وفد کے اراکین ہنوز بقید حیات موجود ہیں۔ اور انہوں نے خود ہی اس کا ذکر کیا تھا۔ تو کیا اگر یہی صاحبان یا ان کے بعد وہابی اس واقعہ کی بناء پر یوں کہنے لگیں کہ فلاں موقعہ پر پیر صاحب پگارا ہفتم سے فلاں فلاں دیوبندی مولویوں نے ملاقات کی تھی۔ اور پیر صاحب نے ڈیڑھ ہزار روپیہ سے ان کی مالی امداد فرمائی تھی لہٰذا پیر صاحب پاگارا ہفتم مسلک دیوبندیہ کے بزرگ ہیں یا طرح طرح کے افسانے تراشنے لگیں تو یہ کہاں تک صحیح ہوگا۔ اس واقعہ سے دیوبندی وہابیوں کی ذہنیت کا اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ اور قبلہ پیر سید صبغۃ اللہ شاہ صاحب اول سے سید احمد وغیرہ کی ملاقات کے متعلق وہابیوں کے پروپیگنڈے کی قلعی بھی کھل جاتی ہے۔

وہابی مولوی اسمٰعیل دہلوی اور پیر محمد صدیق صاحب (بھرچونڈی) کی ملاقات کا شاخسانہ:۔ نیز وہابیہ نے اپنی مخصوص حکمت عملی کے تحت اپنے پیشواؤں سید احمد اور اسماعیل دہلوی اور ان کی تحریک کو چمکانے کی کوشش میں اسی قسم کا ایک دوسرا افسانہ بھی گھڑ رکھا ہے۔ وہابی کہتے ہیں کہ تحریک جہاد کے سلسلہ میں اسماعیل دہلوی نے حضرت پیر حافظ محمد صدیق صاحب (بانی

سلسلہ بھرچونڈی شریف) سے ملاقات کی تھی۔ اور پیر صاحب موصوف نے تحریک سے اتفاق کرتے ہوئے وہابیوں کی حمایت و تائید اور امداد کی تھی۔

وہابیہ کی یہ بات بھی سراسر بے بنیاد اور غلط ہے۔ اس لئے کہ پیر صاحب محمد صدیق صاحب کی ولادت ۱۲۳۴ھ ہجری میں ہوئی۔ اور اسماعیل دہلوی ۱۲۴۲ھ ہجری میں سندھ میں وارد ہوا۔ اس وقت پیر صاحب موصوف کی عمر صرف آٹھ سال بنتی ہے۔ ناظرین خود ہی اندازہ لگالیں کہ ان کے اس افسانہ کی بھی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے۔ بھلا آٹھ سال کا بچہ سیاست کے نشیب و فراز اور جنگی امور میں اسماعیل دہلوی کے ساتھ کونسا صلاح مشورہ کرسکتا تھا۔ اور ان کی نام نہاد تحریک جہاد میں کہاں تک معاونت و امداد کرسکتا تھا۔ سچ ہے ؎

بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن
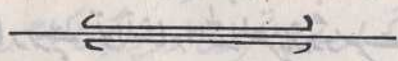
حرفِ آخر

ناظرین کی خدمت میں قومی تاریخ سے متعلق وہابیوں کے کارنامے اور ان کے بالمقابل مشائخ وعلمائے اہلسنّت وجماعت بریلویہ کی مُلکی وملّی خدمات کا تذکرہ تحقیقی انداز میں پیش کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد منصف مزاج حضرات نہایت آسانی کے ساتھ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ملک وملّت کے سچے وفادار خادم اور تحریک آزادی کے ہیرو مشائخ وعلمائے اہلِ سُنّت ہیں یا وہابی مولوی۔

اگرچہ مجھے اس امر کا بخوبی احساس ہے کہ تذکرۂ مشائخ عظّام وعلمائے کرام اہلِ سُنّت کا باب ہر لحاظ سے نامکمّل ہے۔ اس کی اصل وجہ وسائل کی کمی اور احباب کا عدم تعاون ہے۔ جس کا مجھے بیحد افسوس ہے۔ تاہم اس کتاب کی اشاعت کے بعد بھی اس سلسلہ میں دلچسپی رکھنے والے احباب نے تعاون فرمایا۔ اور حالات سازگار رہے۔ تو انشاء اللہ العزیز دُوسرے ایڈیشن میں بطور ضمیمہ یا علیحدہ تصنیف کی صُورت میں تلافیٔ مافات کی کوشش کروں گا۔

جو احباب اس کتاب کے متعلق خامیوں، کوتاہیوں اور غلطیوں کی نشان دہی فرمانا اور مفید مشوروں سے نوازنا چاہیں۔ بلا جھجک خط و کتابت فرمائیں۔ میں ان کا انتہائی مشکور رہُوں گا۔ والسّلام مع الاحترام۔

الفقیر الی الرّحمان۔ ابوالحسّان حکیم محمّد رمضان علی قادری قُریشی عفی عنہٗ
سنجھورو ضلع سانگھڑ۔ سندھ۔ پاکستان

مورخہ ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ
بمطابق ۳۰ مئی ۱۹۷۳ء

تاریخ وہابیہ کے مُصنّف ابُوالحسّان قادری کی دیگر تصانیف

تنویر الایمان

یہ عظیم الشان کتاب حضرت قبلہ امام اہلسنّت محدّث اعظم مولانا ابوالفضل محمّد سردار احمد صاحب قدس سرہ العزیز (لائلپور) کے حکم سے لکھی گئی۔ آپ کے حکم پر اُستاذ العلماء حضرت مولانا مختار احمد صاحب صدر مدرس جامعہ قادریہ رضویہ لائلپور نے حرف بحرف تصحیح فرمائی نیز محدّث اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے اس کتاب کو ملاحظہ فرما کر کتاب کا نام تجویز فرمایا اور شاندار الفاظ میں تقریظ تحریر فرمائی ــــ اس کتاب میں مسئلہ توسّل۔ استمداد۔ ندائے غائبانہ۔ اور حیات النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے اور منکرین کے اعتراضات کے مکمّل جوابات دیئے گئے ہیں۔ صفحات ۲۵۰ قیمت ۲۵ / ۵ روپے صرف۔ علاوہ محصولڈاک۔

تنویر البرہان

تردید وہابیہ میں یہ کتاب بے مثال ہے۔ اس کی وجہ تالیف یہ ہے۔ کہ وہابیوں نے کچھ رسالے مُفت تقسیم کئے تھے۔ ان میں دس۱۰ الزامات کے تحت مسلمانان اہلِ سُنّت وجماعت کو قطعاً مشرک کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا گیا ہے مسلمانان اہلِ سُنّت نے مولانا ابُوالحسّان قادری سے وہابیوں کے ان فتاوٰی کے بارے میں تحریری طور پر رجُوع کیا جس پر مولانا موصُوف نے اپنے مخصُوص انداز میں ان کے بیہودہ فتوؤں کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ اور ان کے ایک ایک الزام کی محقّقانہ طور پر مکمّل تردید فرماتے ہوئے وہابیہ کے جہل مرکّب کو طشت ازبام کر کے رکھ دیا ہے۔

صفحات ۱۲۴ قیمت ۳/۰۰ روپے صرف علاوہ محصولڈاک

تنویر المصابیح

بیس۲۰ رکعات نماز تراویح کا بیس۲۰ احادیث سے ثبوت۔ محصولڈاک کے لئے ٹکٹ بھیج کر مُفت منگائیے۔

ملنے کا پتہ

مکتبہ قادریہ رضویہ۔ سنجھورو ــــ ضلع سانگھڑ۔ سندھ۔ پاکستان

مکتبہ معین الاسلام۔ گلی ع ۳ ــــ کارخانہ بازار۔ لائل پور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین